

کتابیات جعفریہ

# ذکر الہ

جلد

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ

تالیف

مولانا محمد رفیع

ترجمہ

قمر احمد عثمانی

مطبعہ علمی کمالیہ

1000

كَلَّا إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ ذَكَرْهُ



سوانح

استاذ الحیثین حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نور اللہ قرین

تالیف

مولانا عبد الشکور

ترتیب

قمر احمد عثمانی

مطبوعات علمی کمالیہ

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کتاب خانہ سردار جہندار  
میلوی (پاکستان)

لبر شمار ۱ ! .....

کتاب لبر ۱ ! .....

نام کتاب \_\_\_\_\_ تذکرۃ الظفر

مصنف \_\_\_\_\_ مولانا سید عبدالشکور ترمذی

سرتب \_\_\_\_\_ مولانا قمر احمد عثمانی

بار اول \_\_\_\_\_ ۱۹۶۶ء

تعداد \_\_\_\_\_ ایک ہزار

کتابت \_\_\_\_\_ مشاق احمد جامعہ اشرفیہ لاہور

طباعت \_\_\_\_\_

چیت \_\_\_\_\_

طاہر ناشر

Masood Faisal Khan Lib

مظفر احمد عثمانی

برائے ہم مطبوعات علی کمالیہ

(فیصل آباد)

## گزارش احوال واقعی

زیر نظر تذکرہ کی طباعت و اشاعت کے تمام مصارف حضرت مرحوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اولاد اجماعاً نے خود برداشت کئے ہیں اور اس سلسلہ میں کسی طرف سے کوئی امداد و اعانت حاصل نہیں کی۔

### البتہ

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد ذکریا صاحب مہاجر مدنی دامت بركاتہم کا گراں قدر عطیہ تبرک شامل کر لیا گیا ہے اور یہ ان ہی کی توجہات باطنی اور مخلصانہ دعاؤں کا اثر ہے کہ گونا گوسے مشکلات و ممانعات کے باوجود یہ تذکرہ ہدیہ ناظرین کیا جا رہا ہے۔

مُرتب !



## اُسے مردِ مجاہد کے سرگزشتِ حیات

- جسے نے مسیحاؑ کے حمایت کے لیے کانگریس کے مقابلے میں  
مرکز کے جیہ علماء اسلام کے بنیاد رکھے :۔
- جسے نے شب و روز کے محنت سے پاکستان کے حق سے  
میں سلہٹ ریفرنڈم کے مہم سرکے :۔
- جسے نے پاکستان کے مشرقی حصے میں اپنے ہاتھوں سے  
پاکستان کے پرچم کے رسم پرچم کشائی ادا کی :۔
- جسے نے اپنے خوں سے اپنے سے بنائے ہوئے پاکستان کو  
دولت ہوتے دیکھا تو اسے صدرِ جاوہر کو برداشت نہ کر سکا۔
- اور جسے پاکستان کے لیے اسے مردِ حق نے اپنا سب کچھ  
قربان کر دیا تھا اُسے پاکستان کی سرزمین کے ایک گوشہ  
میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے منہ چھپایا کہ اب مزید کچھ دیکھنے  
کے ہمت نہ رہے تھے :۔



# فہرست مضامین

نمبر شمار	نام عنوان	صفحہ نمبر	نمبر شمار	نام عنوان	صفحہ نمبر
۱	نظم	۱۲	۱۴	جامع العلوم کانپور میں داخلہ	۶۴
۲	پیش لفظ	۱۳	۱۵	مولانا گلگوہری کی زیارت و دعا	۶۸
۳	عرض مولف	۱۴	۱۶	دورۃ حدیث کی تکمیل	۶۹
۴	حوت آغاز	۲۴	۱۷	مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی خدمت میں حاضری	۶۹
باب اول			۱۸	مناہر العلوم سہارنپوری داخلہ	۷۰
۵	غماندانی حالات	۴۶	۱۹	تکمیل درسیات	۷۱
۶	مکتب شیخ کرامت حسین مرحوم	۵۱	۲۰	حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ منورہ	۷۲
۷	تاریخ پیدائش	۵۳	۲۱	خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا واقعہ	۷۳
۸	مولانا سعید احمد مرحوم کے مختصر حالات	۵۴	۲۲	مولانا محمد مجیبؒ کی کرامت	۷۴
۹	بیان القرآن پر حاشیہ	۵۶	۲۳	جناب لیاقت علی گیلانی وزیر اعظم پاکستان کو قائد اعظمؒ کا حج بدل کرانے کی ہدایت	۷۸
۱۰	دار العلوم دیوبند میں داخلہ	۶۰	۲۴	قربانی سے نیک برکات	۷۹
۱۱	دار العلوم سے امداد العلوم میں	۶۰			
۱۲	زمانہ نوح میر کا عربی شعر	۶۲			
۱۳	ترجمہ قرآن مجید اور نصاب ضمان تکمیل کی تعلیم	۶۳			

صفحہ نمبر	نام مضمون	صفحہ نمبر	نام عنوان
	باب دوم	۸۲	انادات خاصہ
۱۳۴	علمی خدمات	۸۳	فوٹو کے بارے میں مولانا کا طرزِ عمل
۱۳۹	مظاہر العلوم سہارنپور میں مدعی	۸۸	حکومت کے روپے سے حج کرنا
۱۴۰	مدرسہ امداد العلوم بمقامہ بھون	۸۹	سلطان عبدالعزیز بن سعود سے مُلکات
۱۴۱	مدرسہ داندیریہ رنگون	۹۴	تبلیغی جماعت کے متعلق حضرت مولانا {
۱۴۲	ڈھاکہ یونیورسٹی سے تعلق		مرحوم رحمہ اللہ علیہ کے تاثرات {
۱۴۶	مدرسہ اشرف العلوم ڈھاکہ	۹۹	تبلیغی جماعت کے لیے نصابِ تعلیم و ذکر
۱۴۳	جامعہ قرآنہ لال باغ ڈھاکہ		میدانِ عرفات میں خطاب
۱۴۴	مدرسہ عالیہ ڈھاکہ	۱۰۷	ذمزم چشمہ ہے کنواں نہیں -
۱۴۵	جامعہ اسلامیہ ڈبھیل	۱۱۸	جدہ ریڈیو اسٹیشن سے عربی تقریر
۱۴۵	مشرقی پاکستان سے دل برداشتگی	۱۲۲	کراچی ریڈیو پر تقریر
۱۴۶	دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہیاء	۱۳۰	آلہ کبر الصوت کے بارے میں {
۱۴۸	طریقہ تدریس		استفکار کا جواب {
۱۵۰	حضرت مولانا کے مشہد تلامذہ	۱۳۰	پہلا نکاح اور اولادِ امجاد
۱۵۰	مولانا محمد ادریس کاندھلوی	۱۳۱	حضرت مولانا غیل احمد صاحب کا عطیہ
۱۵۲	مولانا عبدالرحمن کالچوری	۱۳۲	مولانا قمر احمد عثمانی اور ان کی تعانیت
۱۵۲	مولانا بدر عالم مہاجر مدنی	۱۳۵	مولانا قمر احمد عثمانی اور ان کی تعانیت
۱۵۳	شیخ الحدیث مولانا محمد ذکریا مدظلہ	۱۳۶	پہلی اہلیہ محترمہ کی وفات

صفحہ نمبر	نام عنوان	صفحہ نمبر	نام عنوان
۲۰۰	ایک عاشقانہ واقعہ	۱۵۴	مولانا اسحاق احمد ناظم مظاہر العلوم سہارنپور
۲۰۱	سیرت و تادیب	۱۵۹	قرآن کریم اور بخاری شریف کی یکہ خصوصیتیں
۲۰۳	متفرق معاین و مقالات		باب سوم
۲۰۵	مسلمانوں کے زوال کے اسباب	۱۶۳	تصنیفات و تالیفات
۲۰۶	دینی مدارس کے انحطاط کے اسباب	۱۶۴	احکام القرآن
۲۰۸	علمی دلچسپی کا خاص مرکز	۱۶۵	علم حدیث، اعلیٰ السنن
۲۱۰	بعض افادات خاصہ	۱۶۱	حضرت مولانا کا فقہی مسلک اعتدال
۲۱۲	حکومت مسلمہ کے ریڈیو پر اعلان ہلال کا حکم	۱۶۴	ترجمہ الترغیب والترہیب
	باب چہارم	۱۶۵	علم فقہ، امداد الاحکام (مجموعہ فتاویٰ)
۲۱۸	تبیینی جدوجہد	۱۶۹	علم تقویٰ
۲۲۲	حضرت حکیم الامتؒ کا اظہارِ خوشی	۱۸۳	القول المنصور فی ابن المنصور
۲۲۳	فرقہ بھائیہ میں تبلیغ	۱۸۵	حق اور اثبات حقانیت
۲۲۶	مرزا بشیر احمد قادیانی کو مناظرہ کا چیلنج	۱۸۹	علمی تنقیدی مقالہ
۲۲۷	اہل حدیث سے گفتگو	۱۹۰	غیر اسلامی ممالک میں مودود غیرہ کی متینیت
۲۲۸	اطراف بنگال میں مواعظ	۱۹۰	تردید پر دیزیت
۲۲۹	برائے سکولوں میں قرآن کی تعلیم کی تجویز	۱۹۱	خطیب بغدادی کے اعتراضات کے جوابات
۲۳۰	حضرت عثمانؓ کی مواعظ کو مضبوط تحریر میں لانا	۱۹۲	تردید غیر مقلدیت
۲۳۲	مسئلہ سود پر گفتگو	۱۹۳	اصلاح خیالات مودودی
۲۳۴	ایک تاریخی واقعہ	۱۹۴	دارالاسلام اور دارالکفر کے مسلمانوں میں { دراشت کے تعلقات

صفحہ نمبر	نام عنوان	صفحہ نمبر	نام عنوان
۲۷۲	واقعہ عذر از بیعت		باب پنجم
۲۷۳	مولانا کا ایک خواب	۲۳۶	مولانا مرحوم کی اصلاحات
۲۷۴	علوم و معارف کا القار	۲۴۰	تبلیغی اصلاحات
۲۷۷	دراشت کی طرف اشارہ	۲۴۶	مجلس میانہ المسین
۲۷۸	افاضہ بالئی اور طریق تربیت	۲۴۸	مجلس دعوت الحق
۲۸۴	مجازین بیعت اور خلفاء	۰	انجمن تبلیغ القرآن ڈھاکہ
۲۸۷	معیار اجادت و خلافت	۲۵۰	ایک شبہ کا ازالہ
۲۹۱	صاحب نسبت اور صاحب مناسبت کا فرق	۲۵۴	حکیم الامتؒ کے تبلیغ کے بارہ میں چند ارشادات
۲۹۲	مجازین کے لیے دستور عمل	۲۵۶	مولانا کا شالی اعتدال
۲۹۷	فہرست مجازین		باب ششم
۳۰۱	حضرت مولانا مرحوم رحمہ اللہ علیہ کی غیر مبلوعہ تحریریں	۲۶۰	سلوک و تقویٰ اور تربیت باطن
۳۰۲	حقیقت بیعت	۲۶۱	مولانا سہارنپوری سے بیعت
۳۰۴	ساکین کے لیے خاص ہدایات	۲۶۲	شیخ سادہ نوری سے قلبی ربط
۳۰۵	متفرقات	۲۶۴	مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی
۳۰۸	معمولات	۰	حضرت تھانویؒ کی طرف رجوع
	مولانا مرحوم رحمہ اللہ علیہ کی ایک تحریر	۲۶۶	نسبت تکلیف و انتہا
۳۱۲		۲۶۷	خلافت و اجازت بیعت
	عملیات	۲۶۹	حضرت مولانا غلیل احمد کی تصدیق
۳۱۴		۲۷۱	غلبہ تواضع

صفحہ نمبر	نام عنوان	صفحہ نمبر	نام عنوان
۳۵۶	مفتی کفایت اللہ صاحب سے گفتگو		باب ہفتم
۳۵۷	بھانسی کا الیکشن	۳۱۶	علامہ عمر اور شانِ زمانہ کیساتھ مولانا کے تعلقات
۳۵۸	تھانہ بھون میں مولانا شوکت علی کی آمد	۳۲۱	حضرت حکیم الامت کے بارہ میں مولانا کے تاثرات
۳۶۵	جمعیت علماء ہند اور مسلم لیگ سے سوالات	۳۲۳	حضرت متافوقی کے جنازہ میں شرکت
۳۶۶	اجلاس پٹنہ	۳۲۴	مولانا کا خواب اور غیبی اشارہ
"	قائد اعظم سے ملاقات	"	آخری دن اور آخری وقت میں خدمت
۳۶۷	آرمی بلی	۳۲۵	فناز جنازہ کی امامت
۳۶۸	تحریک پاکستان	۳۲۶	مولانا متافوقی کی تحریری مبارکباد
۳۶۹	جمعیت علمائے اسلام کا سنگ بنیاد		باب ہشتم
۳۷۰	مولانا شبیر احمد عثمانی کو صدارت کے لیے تیار کرنا		ذہب و سیاست
۳۷۱	نازک ترین دور	۳۳۱	عمار کا اصل کام
۳۷۱	مودودی صاحب کا کردار	۳۳۲	استثنائی حالت
۳۷۴	مولانا عثمانی کا بیان	۳۳۳	قرآنی دلیل
۳۷۵	طوفانی دور	۳۳۵	ایک قابل اصلاح غلطی
۳۷۶	اعظم گڑھ کا جلسہ	۳۳۷	عمار اور سیاست
"	لیاقت، کاظمی، الیکشن	۳۴۲	نقشِ حیات
۳۷۸	لیاقت علیاں کا مبارک دکاتار	۳۵۰	حضرت حکیم الامت کا سیاسی مسلک
"	لیاقت علیاں کا مکتوب	۳۵۲	نظریہ پاکستان
۳۷۹	علامہ شبیر احمد عثمانی کا اظہارِ مسرت	۳۵۵	مولانا عثمانی کا سیاسی مسلک

صفحہ نمبر	نام عنوان	صفحہ نمبر	نام عنوان
۴۰۲	وزیرِ اعلیٰ کا نفرین میں شرکت	۳۸۰	مولانا کے لیے بشارت
۴۰۳	مولانا عثمانی کا اعلان	۳۸۱	حکومت کے عظیم الشان اجلاس میں خطاب
"	دستور پر غور	"	مسلم لیگ کے حق میں فتوے
۴۰۴	مولانا عثمانی کا مکتوب بنام وزیرِ اعظم	۳۸۲	حصولِ پاکستان کے لیے مجاہدانہ بیان
۴۰۸	وزیرِ اعظم کا جواب	۳۸۳	کابینہ مشن کے نام تار
"	مکتوب ثانی	۳۸۴	سلیٹ ریفرنڈم
۴۱۰	وزیرِ اعظم کے نام تبلیغی مکتوب	۳۸۸	پاکستان کی پرچم کشائی
۴۱۳	لارکیشن کی ممبری	۳۸۹	پاکستان کے پہلے دن مولانا کی پہلی تقریر
۴۱۴	جمعیت علماء اسلام کی تشکیل نو	"	اردو زبان کی تائید و حمایت
۴۱۶	بہ خیریت امیر مرکزی جمعیت علماء اسلام عملی جدوجہد کرتا	۳۹۱	قائدِ اعظم کا دورہ مشرقی پاکستان
۴۱۹	۱۱۳ علماء کا فتوے	۳۹۲	مولانا شبیر احمد عثمانی کا دورہ مشرقی پاکستان
۴۲۰	معاشی اصلاحات کا ۲۲ نکاتی خاکہ	۳۹۴	آئینِ اسلامی اور مولانا عثمانی
۴۲۱	اسلامی نظام کا بنیادی اصول	۳۹۵	بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی سفارشات پر غور
۴۲۶	مولانا مرحوم کا انٹرویو	۳۹۸	مولانا عثمانی اور مسندِ قادیانی
	بابِ مہم	۴۰۰	مولانا مودودی کی گرفتاری
۴۲۲	سفرِ آخرت اور مرنے والوں کے حالات	"	محمد علی بوگرہ سے ملاقات
۴۲۴	روزہ کی پابندی	۴۰۱	نظامِ اسلام کا نفرین
۴۲۵	تراویح اور روزہ کے معمولات		

صفحہ نمبر	نام عنوان	صفحہ نمبر	نام عنوان
۴۵۰	موجودہ مقام دفن کے لیے وجہ ترجیح	۴۳۶	تراویح میں غم قرآن کا اہتمام
۴۵۱	غسل و کفن	"	عیدی کی تقسیم اور عید پڑھانا
۴۵۲	آخری زیارت	۴۳۷	صحت کا عود کمر آنا
"	نماز جنازہ کا اجتماع	"	آخری مرتبہ درس بخاری شروع فرمانا
۴۵۲	نماز کی امامت	۴۳۸	بلڈ پریشر اور نمونہ کی تکلیف
۴۵۳	قبر میں آئنا	۴۳۹	علاج کے لیے سفر کراچی
۴۵۶	مولانا مرحوم کے اہل بیت میں ہمعصر	"	ایک الہامی واقعہ
۴۵۶ تا ۴۵۷	علماء کرام کے ساثرات	۴۴۰	کراچی کا علاج
۴۵۷	اور تعزیت کے پیغامات	۴۴۱	مرض میں افاتہ
۴۵۷ تا ۴۵۸	مولانا مرحوم زعمار ملت اور	۴۴۲	حالت غنودگی میں نماز کے وقت
۴۵۸	مدیران جرائد کی نظر میں	"	افاقہ ہر جاتا تھا -
۴۵۹ تا ۵۰۴	قوی جہاد کا آخری	۴۴۳	حضرت حکیم الامت متافوتی
۵۰۴	خبر اچ عقیدت	"	کے چادر اور کڑتر
۵۰۵ تا ۵۱۸	تعزیتی خطوط، پیغامات	۴۴۵	بعض اعزہ کی ملاقات
۵۱۸	اور رستہ اردادیں	۴۴۶	اچانک نبض بند ہونے کا واقعہ
۵۱۹ تا ۵۲۸	تاریخی سرائے	۴۴۸	تاریخ اور وقت وفات
۵۲۸	قطعاً	۴۴۹	بعد وفات جسم کا حرکت کرنا
	❖❖❖	"	مقام دفن کا تئیں
		۴۵۰	حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کی پیش کش

# اس صدی کا امام اعظم تھا

(فتوہ احمد عثمانی)

عالم با عمل ظفرِ راحد	عارف بے بدل ظفرِ راحد
علم و عرفان و آگہی کا چراغ	لمعہ نور صاحبِ مازع
قائدِ عالمین دینِ متین !	دہبرِ عالمانِ شرعِ مبین !
عالم و ماہر شریعت بھی	سالک و دہبرِ طریقت بھی
مردِ عارف بھی صاحبِ دل بھی	بندۂ حق بھی شیخِ کامل بھی
ختمِ عرفان و آگہی اُس پر	فاشِ اسرارِ باطنی اُس پر
روئی بزمِ اولیاء بھی وہی	مسندِ آراءِ اقیانوس بھی وہی
چشمِ فیضِ بارگاہِ خلیل !	یعنی مُسترشدِ نگاہِ خلیل !
کلاک گوہرِ شانِ اشرف بھی	اور دستِ دربانِ اشرف بھی
مُرشِدِ تھانوی کا نورِ نظر	صاحبِ علم و فضل و عقل و ہنر
روِ نادرِ مفکر و دانا !	مُرشِد و مقتداؤ مولانا !
عالم و فاضل و فقیہِ ادیب	حافظ و قاری و امام و خطیب
مفتی و واعظ و مقرب بھی	ناقد و شارح و مفتی بھی
مقتداۂ محدثین بھی وہی	پیشواۂ محققین بھی وہی
اُس سے اعلاۂ سنتِ نبوی	اُس کے سر پر لواۂ معطفوی

بیشک علم کا وہ ضیغیم تھا !

اس صدی کا امام اعظم تھا

شہ مولانا غلام احمد سہارنپوری صاحبِ کرامت مولانا اشرف علی تھانوی

سے حضرت مولانا کی شہرہ آفاق تصنیف "اعلام السنن" بزبان عربی جو بیس ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔

## پیش لفظ

از حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب مخافوی مفتی جہا اشرفیہ لاہور  
مُبَارَكُ وَاٰدُ مُحَمَّدًا وَاٰدُ مُسَيَّا وَاٰدُ مُسَلِّمًا اٰمَنًا بَعْدُ

مولانا مفتی عبدالشکر صاحب ہستم مدرسہ حقانیہ ساہی دال ضلع سرگودھا، خلیفہ  
حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی مخافوی نے حضرت محمد رح کی سوانح عمری تحریر فرمائی۔  
متوسلین اور تمام مسلمین پر احسان کیا۔ ایسے زبردست عالم دین اور شیخ کا تعارف کر لیا  
جن کی مثال اس زمانہ میں مشکل ہی ہے۔ اگرچہ ان کی یادگاروں میں دو کتابیں تو  
اُن کے علوم و معارف کے تعارف کے لیے زندہ دلیلیں ہیں ایک احکام القرآن کی  
پہلی درمنزلیں (باقی دوسرے اہل علم کی ہے) اور اعلاء السنن اٹھارہ جلدوں میں۔ یہ  
تو ایسا زبردست شاہکار ہے کہ ہزار سال سے ایسی کتاب کی ضرورت تھی مگر اب تک  
وجود میں نہ آ سکی تھی۔ آج کل پراپیگنڈہ کا دور ہے، غیر مقلدین جو خود کو اہل حدیث  
کہتے ہیں اپنی غلط فہمیوں کے پراپیگنڈہ میں یہ کہا کرتے ہیں کہ حنفی لوگ حدیثوں کے  
خلافت کرتے ہیں اور اس پر بس نہیں حوام کو بیوقوف بنانے کے لیے ائمہ مجتہدین کی  
تحقیقات مسائل اور قرآن و حدیث سے راجح و قوی مشاؤں کے استنباط و انتخاب کے  
تسلیم کر لینے والوں کو مشرک کہہ جاتے ہیں جو خود اُن کے ایمان کے لیے خطرہ ہے۔  
اور ائمہ عظام کو بھی برا کہتے ہیں جو بروئے حدیث شریفین ناحق ہونے کی دلیل ہے۔  
مولانا نے اس کتاب میں وہ تمام احادیث یکجا کر دی ہیں جن سے حنفی فقہ کے  
مسائل ماخوذ ہیں اور پھر اس پر شرح بھی تحریر فرمادی تاکہ دوسرے مذہبوں سے بڑھ کر  
احناف کا حدیثوں پر عمل اور مختلف کو جمع کر کے سب پر عمل برمنسوخ کے ناسخ پر مفہوم کے  
قوی دراجح کا اختیار مختصر و مجمل کی منصل و واضح حدیثوں کی تفصیل کے موافق مُردیں اور

گہرائیوں کے مسائل کا اخذ اور غیر مقلدین کی ہمت تراشیوں کی حقیقت ظاہر کر دی ہے۔ اعتراضات کا پادہ ہوا ہونا دکھلا دیا ہے اور ایک ہزار سال کی پیاس بجھادی۔ فائدہ درہ۔

مفتی صاحب موصوت نے حضرت مولانا کے سیاسی و اشرفی مسک کی بھی خوب دفاہت کی ہے اور مہتمم خفانیہ نے اس کی حقانیت سامنے لا کر رکھ دی ہے اسلامی سیاست جو دین کا جز ہے اور فرنگی سیاست جو عیاری دغا فریب کا نام ہے الگ الگ کر کے دکھلا دی ہے ثابت کر دیا ہے کہ مفتی اہل علم اسلامی سیاست کا علم اور حسب دستگاہ عمل بھی رکھتے ہیں اور فرنگی سیاست سے کنارہ کش مگر اس کی چالوں سے بچاؤ رکھاتے ہیں کہ مومن کامل کی شان ہی یہ ہے لَا يَخْذَعُ وَلَا يُخْذَعُ (نہ دھوکہ دیتا ہے نہ دھوکہ میں آتا ہے)۔

جو بعض صحابہ نے حضرت عترت کے مختصر ترین تعارف میں کہا تھا۔ چونکہ فرنگی سیاست نام ہی دھوکہ و فریب کا ہے بعض مسلمان بھی اس سے متاثر ہو گئے اور حقیقت اُن کی نظر سے اوجھل ہو گئی تھی۔ اس لیے اس مسلک کی تشریح و توضیح بہت ضروری چیز تھی۔ اللہ تعالیٰ جناب معصفت کو جزائے خیر عطا فرمائے اور تمام مسلمانوں کو حق کی پیروی کی توفیق دیں۔

”ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند“

مراد نظر بر جو اہر ظفر

۱۳۹۵ھ

۱۳۹۵ھ

## قصیدہ نعتیہ از حضرت محمدؐ و خ

زال الظلام وللاح النور بالافق  
 تاریکی چھٹ گئی اور آفاق میں روشنی چمکنے لگی  
 برق من الطور اودبد غلی جبل  
 یہ برق طور ہے یا مکہ کی بستی کے ایک پہاڑ پر  
 با صبح من یبد کانت اشاد نهما  
 ایک مبارک ہاتھ کی انگلی کے اشارہ سے  
 و ا حاله من مشیر لا مثال له  
 سبحان الذیہ تو بینا ل نبی ہیں جو مورت و  
 محمد خاتم النبیا سید ہم  
 محمد خاتم الانبیاء و سید دار انبیاء  
 اتقے الانام و اذ کا ہم و اعلم ہم  
 تمام مخلوق سے زیادہ متقی سب زیادہ پاکیزہ  
 ذاک النجار جمیل الوجه النور  
 پاکیزہ برشت خوب صورت منور چہرہ تاریکی  
 قد جاء والناس فی هرج و مرج  
 آپ ایسے وقت میں تشریف لائے کہ لوگوں میں فساد مچا ہوا تھا  
 و اطہل کاللیل قد اصری ذرا شبہ  
 جہالت رات کی طرح اپنی زلفیں بکھیر رکھی تھیں اور  
 فانشق صبح المہدی من نور طلعتہ  
 پس آپ کے مبارک چہرے کے نور سے صبح ہدایت نمودار ہوئی  
 برق تانق فی واج من الفیق  
 گھٹا توپ تاریکی میں ایک بجلی سی کوند رہی ہے  
 بطن مکتہ منشق علی فلق  
 چاند ہے جو ٹکڑے ہو کر پھٹ گیا ہے۔  
 فی البدر انکی من الصمام فی العنق  
 جس چاند میں وہ کام کیا جو گردن میں تلواریں کر سکتی  
 فاق الخلائق فی خلق و فی خلق  
 فاق الخلائق فی خلق و فی خلق  
 میرت میں ہر طرح تمام مخلوق سے بڑھ گئے ہیں  
 حامی الحقیقۃ ضما ح المعلق  
 حق کے حامی اور ہر ہند و زادہ کو کھولنے والے ہیں  
 باللہ احلمهم فی الریق و الفتق  
 سب زیادہ خدا کو پہچانتے ہیں اور سب کو بڑھ کر علم  
 یعموا المظلام کبدر التم فی الافق  
 گواہ طور مٹاتے ہیں جیسے آفاق میں ماہ کامل  
 والظلم عم بسیط الارض بالعلق  
 اور ظلم نے تمام زمین کو ہلا ڈالا تھا۔  
 فی غیم کفر علی الافاق منطبق  
 کفر کے بادل تمام آفاق پر چھائے ہوئے تھے  
 یجلو غیاب لیل الجہل والحق  
 جہالت اور حماقت کی رات کا اندھیرا مٹا بیٹھوئی

فاصبح الناس في علم وفي حكم  
 اب انہ کے فضل سے لوگوں کو گمراہی اور حماقت کی  
 واصبحت امة احمية عرفت  
 اندوہ جابل قوم جو بجاالت میں مشہور عالم تھی اب  
 فالعلم والعدل سادحت و آیتها  
 علم و عدل اسکے جھنڈے کے نیچے چلنے لگے  
 والصبر والصدق والاخلاص حلتها  
 صبر و صدق اور اخلاص اس کا لباس تھا اور اس کی  
 حب النبي وتقوى الله شيمتها  
 حب رسول اور خوف خدا اس کا شیوہ تھا  
 يا اكرم الناس عند الله منزلة  
 اسے وہ جو خدا کے نزدیک رتبہ میں سب سے زیادہ محترم اور  
 قد خصك الله بالاسرار ليلة اذ  
 آپ کو اللہ تعالیٰ نے معراج سے مخصوص فرمایا ہے جس  
 حتى بلغت من العلياء ذروتها  
 یہ اٹھ کر بلندی کی چوٹی پر اور ایسے انتہائی مقام پر پہنچ گئے  
 اما ان ريلك عالمة يؤقده احدا  
 آپ کو پروردگار عظیم نے موتی کی طرح چمکنے والا لباس جمال  
 او تبيت علما وحلما ذانه نعلني  
 آپ کو وہ علم و علم عطا کیا جس کو سنت عظیم نے نیت نبوی اور

بنعمة الله بعد الفل والخرق  
 بجلتے علم اور حکمت کی روشنی میں صبح کی۔  
 بالجهل سابقة الاقوام والعرق  
 تمام قوموں اور فرقوں کے (علم میں) سبقت لے گئی  
 والفتح والنصر والاقبال في الطرق  
 اور فتح و نصرت اور اقبال اسکے راستے میں تھے  
 وداية العز في الافاق بالحنق  
 عزت کا پریم چاروں طرف عالم میں پھرا رہا تھا۔  
 واليمن والسعد مثل العقد في العنق  
 اور برکت و سعادت اور کامیابی گلے کا ہار  
 وافضل الخلق من جميع معتزق  
 افضل ترین مخلوق ہے خواہ اجتماع سورین یا انور علی حیات میں  
 ترقى السموات من طين الى طين  
 رات کو آپ تمام آسمانوں کو درجہ بدرجہ طے فرماتے تھے  
 وغاية لم تدع شاقا لمسبق  
 جس کی آگے نہ بڑھنے دے کیلئے ایکنیم کی گنجائش بھی نہ ہوئی تھی  
 من الجمال كمثل اللؤلؤ الفلق  
 عطا فرمایا ہے جو کسی کو نفیس نہیں ہوا۔  
 وحكمة انت فيها حائز السبق  
 اسی حکمت و ہجی جبین آپ ہی سب سے آگے ہیں۔  
 بالحق

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## عرض مؤلف

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی قدس سرہ نہ صرف پاکستان کے  
 جید علماء میں سے تھے بلکہ پورے متحدہ ہندوستان کے علماء و مشائخ کی صف  
 اول میں ایک بلند اور ممتاز مقام کے مالک تھے، واقعہ یہ ہے کہ شریعت و  
 طریقت اور علم و عمل کی ایسی جامع کمالات ہستیاں کہیں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں  
 اور فی الوقت ایسی عزیز الوجود ہستیاں کیا ہی نہیں بلکہ نایاب ہوتی جا رہی  
 ہیں۔ پُرانے علماء اور بزرگ اُٹھتے جا رہے ہیں اور موجودہ دور میں ایسی  
 باکمال شخصیتیں نہ ہونے کے برابر ہیں کہ جو اپنے پیش روؤں کے  
 خلفاء کو پیہر کر سکیں۔

بلاشبہ مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا نام اپنے زمانے میں برصغیر کے  
 ان مشاہیر اہل علم و عمل کے سلسلہ میں سرفہرست آتا تھا بلکہ آپ اُن کے صدر  
 نشین تھے جن کے تبحر علمی، تقدس و بزرگی، دینی علوم میں کمال جامعیت و  
 بصیرت اور تفتہ کو علمی حلقوں میں بطور سند پیش کیا جاتا تھا۔

مولانا مرحوم نے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ  
 کی زیر نگرانی خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں عرصہ دراز تک درس و تدریس  
 اور فتوے نویسی کی گراں قدر خدمات انجام دیں اور اسی زمانے میں آپ کی

نوک قلم سے ایسی بلند پایہ تالیفات و تصنیفات عالم ظہور میں آئیں جن پر عالم اسلام کے مشاہیر علمائے کرام نے آپ کو شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا۔ تھانہ بھون کے علاوہ مولانا مرحوم نے ہندوستان کے مختلف دینی مراکز میں علمی خدمات انجام دی ہیں اور ایک طویل عرصے تک ڈھاکہ یونیورسٹی اور مدرسہ عالیہ ڈھاکہ سے بھی وابستہ رہے ہیں جس کے نتیجے میں آپ سے استفادہ کرنے والے شاگردان کرام میں جہاں اپنے وقت کے بڑے بڑے محدث اور جلیل القدر مفسر نظر آتے ہیں اسی طرح جدید علوم کے ماہرین نے بھی آپ کی ذات بابرکات سے علمی استفادہ کیا ہے۔

مسلم لیگ کی جدوجہد آزادی اور قیام پاکستان کے سلسلہ میں بھی آپ کی خدمات جلیلہ بڑی قابل قدر بلکہ ناقابل فراموش ہیں۔ مولانا مرحوم کی سیاسی جدوجہد کا آغاز ۱۹۲۸ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے پٹنہ سیشن سے ہوا جہاں حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے نمائندہ خصوصی کی حیثیت سے آپ نے مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا تاریخی پیغام پڑھ کر سنایا تھا۔ اور قائد اعظمؒ اور دیگر اکابرین مسلم لیگ کے سامنے حضرت تھانویؒ کے نقطہ نگاہ کی ترجمانی فرمائی تھی۔ اس کے بعد مسلم لیگ اور کانگریس کے آخری فیصلہ کن انتخابات کے سلسلہ میں آپ نے پورے ہندوستان کا طوفانی دورہ کر کے مسلم رائے عامہ کو پاکستان کے حق میں ہموار کیا اور جہاں جہاں کانگریس کے نظریہ متحدہ قومیت کا اثر تھا ان مقامات پر پہنچ کر اُس کے باطل اثرات کو مٹایا اور یہ بات بلا خوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ اس الیکشن کی کامیابی میں مولانا مرحوم کے اس دورہ کا بہت بڑا دخل تھا جس کا بر ملا اعتراف قائد اعظمؒ اور قائد ملت خان لیا علی خان

مرحوم نے کیا ہے۔

اسی طرح سلہٹ ریفرنڈم کی مہم جو نہایت معرکہ آرا مہم تھی اس کی فتح کا سہرا بھی مولانا مرحوم کے سر تھا۔

ملکی سیاسیات میں مولانا عثمانی شروع سے دو قومی نظریہ اور مسلمانوں کی جداگانہ تنظیم کے نہ صرف حامی بلکہ داعی اور علمبردار رہے ہیں اور اپنے کانگریس کے نظریہ متحدہ قومیت کی ہمیشہ مخالفت کی ہے اور ہر زمانہ میں ہندو مسلم اتحاد کے دلفریب نعروں کا کھوکھلا پن واضح کرتے اور ان کے نقصانات سے مسلمانوں کو آگاہ کرتے رہے ہیں۔ مولانا مرحوم عام سیاسی لیڈروں کی طرح سیاست میں حصہ نہیں لیتے تھے اور نہ کسی سیاسی جوڑ توڑ اور اکھاڑ بچھاڑ سے کوئی سروکار رکھتے تھے بلکہ ایک بلند مرتبہ دینی رہنما ہونے کی حیثیت سے ملت اسلامیہ کو چاہیے ان کی دینی اور سیاسی رہنمائی کی ضرورت پیش آتی تھی یا جب بھی مولانا نے یہ محسوس کیا کہ اس وقت علمی سیاست میں حصہ لینا مسلمانوں کے عام مفاد میں ہے تو دوسرے دینی مشاغل علمیہ کے ساتھ ملکی سیاست میں علمی طور پر حصہ لینے سے بھی کبھی دریغ نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا مرحوم نے اگرچہ اہل سیاست کی باہمی آویزشوں اور متعصبانہ صوبہ پرستی کی روش سے دل برداشتہ ہو کر ۱۹۵۴ء ہی میں علمی سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی اور دارالعلوم ٹنڈوالہیار (ضلع جہڑا باد سندھ) میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے دینی و تدریسی اور اصلاح و تربیت کے کام میں یکسوئی کے ساتھ مشغول ہو گئے تھے مگر ۱۹۶۹ء میں جب ملک میں سوشلزم اور دوسرے لادینی نظریات کا مقابلہ کرنے کے لیے ملکی سیاسیات میں علمی طور پر حصہ لینے کی ضرورت

پیش آئی تو انتہائی ضعف اور پیرانہ سالی کے باوجود آپ نے یہ ذمہ داری بھی قبول فرمائی۔

واقعہ یہ ہے کہ ایسی ہمہ صفت موصوف اور جامع کمالات شخصیت کا تعارف کرانے اور اس کی سیرت نگاری کا حق ادا کرنے کے لیے جواہریت صلاحیت درکار ہے اس سے راقم الحروف کا دامن بالکل خالی ہے اور مولانا مرحوم کے علمی و علمی کمالات اور سیاسی کارناموں کی تفصیل کو تحریر کے شکل میں منضبط کر کے پیش کرنے اور جا بجا بکھرے ہوئے مختلف اور منتشر مضامین کو جمع کر دینے کا یہ کام کوئی معمولی کام بھی نہیں ہے بلکہ صحیح بات تو یہ ہے کہ مجھ سے کوتاہ نظر اور کم ہمت کے بس کا یہ کام بالکل نہ تھا اسی لیے دلی خواہش اور قلبی تعلق کے باوجود اس موضوع پر قلم اٹھانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ مگر ہوا یہ کہ عزیزم مولانا مشرف علی تھانوی سلمہ کے اشارہ سے مولانا عبدالرشید ارشد نے خط لکھ کر حضرت مولانا ظفر محمد عثمانی کے بارے میں مجھ سے ایک مختصر تحریر لکھنے کی فرمائش کی جو ان کو ”بیس بڑے مسلمان“ میں شامل کرنے کے لیے مطلوب تھی۔ موصوف کی اس تحریک پر وہ داعیہ قلبی قوی ہوا اور حضرت مولانا مرحوم کے سوانح حیات مرتب کرنے کی تحریک از سر نو پیدا ہوئی اور اپنی نااہلی اور گونا گوں مصروفیات کے باوجود اس کام کو سرانجام دینے کا مصمم ارادہ کر لیا لیکن کچھ تو حضرت مولانا مرحوم کی جدائی کے رنج و غم اور وفات کے صدمہ چاں کاہ نے دل و دماغ کو متاثر کیا ہوا تھا پھر انہی دنوں مجھ پر امراض کا هجوم و تسلسل عرصہ دراز تک قائم رہا۔ مذکورہ موافقات و مشکلات کے باوجود اس کام کی انجام دہی کے

حق تعالیٰ نے یہ سامان پیدا فرمادیا کہ میرے لیے حضرت مولانا کے سوانح  
حیات کے ساتھ غیر معمولی رغبت و انس اور مولانا کے تذکرہ کمالات میں بہت  
زیادہ دل چسپی پیدا ہو گئی کہ اُس کے بغیر چین ہی نہیں آتا تھا۔ اس صورت حال  
نے میرے لیے اس دشوار اور محنت طلب کام کو بہت آسان اور اسکی صعوبت  
و مشقت کو نہایت سہل کر دیا۔ اگرچہ اس کام کی تکمیل میں کافی وقت صرف  
ہوا مگر میرے لیے یہ کد و کاوش باعث سعادت اور سبب انس ہی بنی رہی  
کہ میرے اوقات کا بیشتر حصہ حضرت مولانا مرحوم کے حالات و کمالات کے خیال  
میں بسر ہوا جو انشاء اللہ نفع سے خالی نہ رہے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ ایک سال سے بھی کم مدت کے  
مختلف و متفرق لمحات اور اوقات فرصت کی سعی و کاوش کے بعد حضرت  
مولانا مرحوم کا یہ تذکرہ مرتب ہو کر اس قابل ہو گیا کہ منظر عام پر آکر توسلین و  
منبتین کے لیے وجہ تسکین بن سکے۔ حق تعالیٰ ہم سب کو اس سے استفادہ  
کرنے کی توفیق عنایت فرمائیں۔

میں نے ان سب کرم فرماؤں اور دوستوں کا شکر گزار ہوں جنہوں  
نے اس کام میں میری کسی سطح پر بھی معاونت کی یا اس میں دل چسپی لیکر میری  
حوصلہ افزائی اور طمانیت قلب کا باعث بنے۔ خصوصیت سے حضرت  
مولانا مرحوم کے صاحبزادگان سلمہ اور مولانا محمد وحید صاحب استاذ دارالعلوم  
ٹنڈوالہہ یار کانہایت ممنون ہوں کہ انہوں نے حضرت مولانا مرحوم کے  
آخری لمحات حیات اور واقعات وفات کی تفصیل سے آگاہ فرما کر میری بڑی اہمیت  
فرمائی۔ جزاہم اللہ خیر۔ اسی طرح مکرمی جناب مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی صاحب مفتی

جامعہ اشرفیہ لاہور کا بھی خصوصی طور پر شکر گزار ہوں کہ موصوف نے اس تذکرہ کے اکثر حصے کو سننا اور اس کے بغض اہم ابواب اول سے آخر تک جزاً جزاً خود ملاحظہ فرما کر ایک حقیقت افروز تقریظ سپرد قلم کی اور تذکرہ کا تاریخی نام ”جواہر نطفہ“ بھی آپ ہی کا عطا فرمودہ ہے۔

آخر میں یہ بھی عرض کر دوں کہ میری اکثر تحریرات کو حضرت مولانا مرحوم رحمۃ اللہ علیہ کی شفقت و محبت کی وجہ سے اُن محترم کی نظر اصلاحی کا شرف اور حضرت مرحوم کی دُعاؤں اور حوصلہ افزاء کلمات کی سعادت حاصل ہوتی رہی ہے مگر یہ تذکرہ اس شرف و سعادت سے یکسر محروم ہے اور مجھے اس حرماں نصیبی کا جس قدر غم و اندوہ ہے اُس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ اس احساس کو اگر کسی چیز نے کم کیا ہے تو صرف اس بات نے کہ اس میں بہت سے مضامین حضرت مولانا مرحوم کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تحریرات سے ہی ماخوذ ہیں۔ اس لیے یقین ہے کہ یہ تذکرہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ روحانی طور پر طبع مبارک کے موافق اور پسند خاطر ہی ہوگا۔

اپنی تمام معروضات اس گزارش پر ختم کرتا ہوں کہ ناظرین صاحب تذکرہ کے حالات و کمالات پر نظر رکھیں اور عبارت کے حسن و قبح پر زیادہ توجہ نہ دیں کیونکہ اس میں لغاطی اور عبارت آرائی کے بجائے حالات و واقعات کی سادہ لفظوں میں حقیقت نمائی کی کوشش کی گئی ہے اور اس تذکرہ کا مقصد بھی یہی ہے کہ اس کے

ذریعے مولانا مرحوم کا ذکر خیر تادیر باقی رہے۔

۵ نہ بنقش بستہ مشوشم نہ جبرجہ سلتہ دلخوشم

نفسے بیاد تو مینر نم چہ عبارت و چہ معانیم

امید ہے ناظرین حضرات مولانا مرحوم کی بلندی درجات کی دعاؤں  
کے ساتھ ساتھ مرتب تذکرہ کے لیے بھی اتباع سنت اور سلف صالحین کی  
پیروی کی دعا فرماتے رہیں گے۔



# حرفِ آغاز

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حمد و صلوٰۃ کے بعد تمام اہل اسلام اور برادرانِ طریقت کی خدمت میں عرض ہے کہ اس دُنیا میں جو بھی آیا ہے وہ یہاں سے جانے کے لیے ہی آیا ہے۔ ہر نفس کے لیے موت کا ذائقہ چکھنا اور ہر جان دار کو فنا کا جام نوش کرنا لازمی ہے۔ ہر فرد بشر خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، اعلیٰ ہو یا ادنیٰ، امیر ہو یا غریب بلکہ اولیاء اللہ اور انبیاء علیہم السلام سبھی کا موت کے دروازے سے گزرنا اور جو باقی ہیں ان سب کو بھی اس میل سے عبور کرنا ہے۔ غرض کسی کے لیے موت سے مغربا کوئی جلے پناہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ ساری دُنیا ہی ناپائدار اور اس عالم کا ذرہ ذرہ فنا پذیر اور عارضی ہے۔

غرض اس عالم آب و گل اور دُنیا نے بود و ہستی کی ہر اُس چیز کے لیے موت مقرر اور یہاں سے کوچ کرنا مقرر ہے جو چند روزہ زندگانی کا عارضی لباس پہن کر پردہٴ عدم سے بساطِ ہستی پر نمودار ہوئی ہے اور موت و حیات کا سلسلہ اور دُنیا نے فانی میں آمد و رفت کا یہ تسلسل ابتداءِ آفرینش سے یونہی چلا آ رہا ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے۔

ہر آنکہ زاد بنا چار بایدش نوشید

ز جامِ دہر مئے کل من علیھا فان

لیکن موت کے وقت یہ مجبوری و ناچارگی تو صرف ان لوگوں کے لیے

ہے، جنہوں نے یہاں کی زندگی کو حق تعالیٰ کی حکم عدولیوں اور نافرمانیوں میں گزارا اور اس سرائے فانی کی عارضی نمائش و زیبائش پر فریفتہ ہو کر اسی کے ہور ہے اور آخرت کی ابدی راحتوں اور اس کی لازوال نعمتوں کو یکسر نظر انداز کر دیا۔ لیکن جن لوگوں نے یہاں کی زندگی کو عقائد صحیحہ اور اعمال صالحہ کی روشنی میں بسر کیا وہ موت سے نہیں گھبراتے بلکہ موت انہیں خوش گوار معلوم ہوتی ہے اور وہ آخرت کی دائمی راحتوں کو یہاں کی چند روزہ زندگی پر ہزار گونہ ترجیح دیتے ہیں۔

دنیا پرستوں کے ذہن میں موت اور اس کے بعد پیش آنے والی زندگی کی جو بھیانک بلکہ وحشت ناک تصویر بٹھی ہوئی ہے۔ اسی طرح روح بھگنے اور جان کنی کا جو خوف ناک و ہوشربا نقشہ دلوں پر نقش ہے صلحاء اور اہل اللہ کے قلوب میں اپنی موت اور موت کے بعد کے حالات کا تصور اس سے یکسر مختلف ہے۔

اللہ والے موت کو اپنے محبوب حقیقی کے وصال کا ذریعہ سمجھتے اور لقاء اللہ کا واسطہ تصور کرتے ہیں اور یہ حضرات چونکہ اپنی دنیوی زندگی میں خدائے وحدہ لا شریک کی اطاعت و بندگی کا سختی ادا کر کے آخرت کی زندگی کو کامیاب و کامران بنا لیتے ہیں اور اپنے آقا و مولے کی رضا جوئی کے لیے شب و روز سرگرم رہتے ہیں اور اسی کے لیے دن رات مجاہدات و ریاضات اور محنت و مشقت برداشت کرتے ہیں اسی لیے وہ ہمہ وقت لقاء محبوب اور وصال مطلوب کی تمنائیں بے چین و بے قرار رہتے ہیں اور موت کی وادی سے گزرے بغیر یہ دولت میسر نہیں آسکتی اس لیے ان حضرات کے لیے

موت بھی محبوب و مرغوب ہو جاتی ہے اور ان کے لیے موت کا وقت جو دوسروں کے لیے انتہائی تکلیف دہ اور صبر آزما ہوتا ہے۔ سرور و شادمانی اور فرحت و مسرت کی گھڑی بن جاتا ہے۔

ۛ خوشا وقتے و خرم روزگارے

کہ یارے بر خورد از وصل یارے

واقعی جس موت کے نتیجے میں وصال محبوب کی دولت میسر آئے اصل

زندگی تو وہی ہے۔

ۛ زندگانی نتواں گفت حیاتے کہ مر است

زنده آنست کہ بادوست وصالے دارد

اور چونکہ یہ حضرات اس دنیا میں رہتے ہوئے بھی اس ناپائدار دنیا اور اس کی فانی لذتوں سے کنارہ کش رہتے ہیں اور اپنی تمام خواہشات کو محبوب حقیقی کی محبت اور وجود مطلق کی طلب میں وقف کر دیتے ہیں اور اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ اسی کی ذات ازلی اور ابدی ہے۔

وہ ہمیشہ سے باقی ہے اور ہمیشہ باقی رہے گا۔ دائمی بقا اور دوام مطلق اسی کی ذات پاک کا خاصہ ہے اور اسی لیے یہ حضرات اپنی ذات کو ذات مطلق میں گم کر کے خود بھی حکم دوام حاصل کر لیتے ہیں۔

ۛ ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعش

ثبت است بر جریۃ عالم دوام

ایک مرد مومن اور عارفِ کامل کی موت سے صرف یہی نہیں ہوتا کہ

اس کی تمام جسمانی کلفتوں اور بدنی تکلیفوں کا خاتمہ ہو جائے اور راحتِ آرام

اور سکون و اطمینان کا نہ ختم ہونے والا دور شروع ہو جائے بلکہ اس کے  
 دین و ایمان ہمیشہ کے لیے ہر قسم کے امکانی خطرات اور فتنوں سے محفوظ  
 مامون ہو جاتا ہے اور قبر کے مضبوط قلعے میں داخل ہوتے ہی وہ تمام  
 دنیوی مضر قوتوں اور آزمائشوں سے بلکہ ان تمام خطرات سے جو اسے  
 اپنی دنیوی زندگی سے اُخردم تک اپنے ایمان کے بارے میں لاحق  
 رہتے ہیں بے خوف و خطر ہو جاتا ہے۔ اس کے باوجود اس دنیا سے  
 کو بچ کر نہ والے کافراق اور احساسِ جدائی اُس کے پسماندگان اور  
 متعلقین و متوسلین کے لیے طبعی طور پر باعثِ رنج و غم اور اُس کی محبت و  
 رفاقت سے وقتی محرومی کا احساس اندوہ و الم کا سبب ہی ہوتا ہے۔  
 اسی لیے ہر شخص کی موت سے اس کے متعلقین و پسماندگان متاثر ہوتے ہیں  
 اور یہ رنج و غم کسی کو کم کسی کو زیادہ ہوتا ہے کیونکہ جانے والے کے ساتھ  
 ہر شخص کے انس و تعلق کے کم و بیش ہونے کے باعث احساسِ جدائی کی  
 کمی بیشی بھی طبعی اور فطری بات ہے لیکن اہل اللہ کا فیضِ عام اور حلقہٴ تعلقات  
 وسیع سے وسیع سے تر ہوتا ہے اس لیے اُن کی وفات کے اثرات بھی  
 بڑے وسیع بہت گہرے اور انتہائی دور رس ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ  
 ان کی رحلت اور جدائی سے ان کے ہزاروں ارادت مندوں کی  
 زندگیاں متاثر اور ان کے دامنِ عقیدت سے وابستہ لاکھوں انسانوں  
 کی عمارتِ حیات متزلزل ہو جاتی ہے۔ پھر یہ تاثر صرف حلقہٴ ارادتِ عقیدت  
 اور متوسلین و مستفیدین تک ہی محدود نہیں رہتا بلکہ ان حضرات کی جدائی  
 میں بہت سی ایسی آنکھیں بھی اشکبار نظر آتی ہیں جن کو بظاہر ارادت و عقیدت

کا کوئی خاص تعلق بھی نہیں ہوتا۔ غرض ان حضرات کی جدائی کے غم میں عوام و خواص بلکہ ایک عالم غلین و سوگوار ہوتا ہے۔

جب عام لوگوں اور اذنیہ تعلق رکھنے والوں کے اندوہ و غم کا یہ عالم ہو تو جن نیاز مندوں کی زندگی کا سہارا ہی ان سے چھن گیا ہو اور جن عقیدت کیشوں کے سکون و طمانیت قلب کا اُسر ہی ان کی نظروں سے اذہل ہو گیا ہو ان کے رنج و ملال اور اضطراب و الم کا کیا ٹھکانہ ہوگا؟ سچ بات تو یہ ہے کہ ان حضرات کے اٹھ جانے سے اُن کے نیاز مندوں اور عقیدت کیشوں کی اُمیدوں اور آرزوؤں کے چراغ ہمیشہ کے لیے گل ہو جاتے ہیں اور ایسی نادر الوجود ہستیوں کے دفن ہونے کے ساتھ ہی لاکھوں وابستگان عقیدت کی تمنائیں بھی اُن کے ساتھ کفن پوش ہو جاتی ہیں۔ یہ وقت کس قدر اندوہ ناک اور یہ منظر کتنا دلدوز ناک ہوتا ہے اس کا اندازہ اُس شخص کو ہو سکتا ہے جو ان حالات و حادثات سے دوچار ہوا ہو۔ دوسرے شخص کو نہ تو اس کا صحیح اندازہ ہی ہو سکتا ہے اور نہ اس وجدانی کیفیت کو زبان و قلم کے ذریعے بیان کیا جاسکتا ہے۔

ایسی وفات حسرت آیات پر غم و اندوہ کے اظہار کے لیے چند قطرات اشک بہا لینا کافی نہیں بلکہ چشمِ خوبانہ فشاں کو برسوں ٹوٹنے کے اُسو بہانے چاہئیں اور ایسی عالمی موت کے لیے چند کلماتِ تعزیت کافی نہیں ہو سکتے بلکہ بڑے بڑے دفتر بھی مجتہدین کے مجروح و مخزون دلوں کی تشفی کا سامان نہیں بن سکتے۔ کیونکہ یہ کوئی شخصی المیہ یا ذاتی حادثہ نہیں

ہوتا بلکہ پوری قوم کا اجتماعی المیہ اور ملت کا قومی نقصان ہوتا ہے۔ کسی  
شاعر نے کیا خوب کہا ہے

و ما کان قیس ہلک ہلک واحد

ولکنہ بنیان قوم تہدما

قیس کی موت صرف ایک شخص کی موت نہیں ہے بلکہ وہ پوری قوم  
کی بنیاد تھا جو مہدم ہو گئی۔

واقعہ ارتحال | ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۹۲ھ مطابق ۸ دسمبر ۱۹۷۲ء بروز  
یک شنبہ صبح صادق سے کچھ پہلے شیخ الاسلام پاکستان

حضرت العلامة مولانا الشیخ ظفر احمد عثمانی تھانوی قدس سرہ السامی کا جو سانحہ  
ارتحال کراچی میں پیش آیا وہ پوری ملت اسلامیہ کے حوادثِ عظیمہ میں سے ایک  
الناک و عظیم حادثہ تھا جس پر حضرت مولانا مرحوم کے صرف حسی و نسبی متعلقین  
اور جسمانی و روحانی منتبین ہی غمگین نہیں ہوئے اور اس محترم کے خاندانی  
اقرباء اور نسبی رشتہ دار ہی غمگین نہیں ہوئے بلکہ برصغیر پاک و ہند اور  
بلادِ اسلامیہ کے لاکھوں عقیدت کیش اس سے متاثر اور ملتِ اسلامیہ  
کے ہزاروں مخلصین کے قلوب اس صدمہ جانکاہ سے مجروح و مضطرب  
ہیں۔ اس عظیم حادثہ ارتحال نے اکابر علماء و مشائخ کی کم ہمت توڑ دی۔  
اور عظیم روحانی شخصیتوں کے پیائے صبر کو چھلکا دیا۔

جس عالم حقانی اور عارف ربانی کی زندگی کے ساتھ لاکھوں انسانوں  
کی حیاتِ روحانی وابستہ ہو اور جس کی زندگی سے ہزاروں مسلمانوں کی حیاتِ  
ایمانی کی تعمیر ہو رہی ہو اس کی موت یقیناً موتِ عالم کی حقیقی مصداق اور

پورے عالم انسانی کی موت ہے۔ اس لیے ایسی موت پر اگر ہر ایک آنکھ اشکبار اور ہر دل سوگوار ہو تو عین تقاضائے طبیعت بلکہ ادائے حقوقِ محبت کی ایک طبعی اور فطری صورت ہے جو نہ عقلاً مذموم ہے نہ شرعاً بلکہ علامت ہے تعلق و محبت کی جو ہر مسلمان کا ہر مسلمان پر حق ہے۔

یوں تو رنج و غم اور اندوہ و الم کے جذبات و احساسات وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کمزور اور ضعیف ہو جایا کرتے ہیں اور دنیا کی ہر چیز کی طرح ان احساسات و اثرات کو بھی بقاء و دوام حاصل نہیں ہوتا لیکن قرآن طبعی کے حاصل ہونے کے قدرتی نظام کے علاوہ دنیا کی بے ثباتی اور ناپائنداری کا بار بار خیال کرنا اور حق تعالیٰ کے حاکم و حکیم ہونے کا مراقبہ بھی قرآن عقلی کے حصول کا کامیاب علاج ہے۔

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء عظام کے سابقہ و قاتح وفات کو یاد کرنا بھی ایسے حوادثِ عظیمہ میں خصوصیت کے ساتھ باعثِ اجر و اجرِ موجبِ صبر ہوتا ہے اور ایسے معائبِ عظیمہ اور حوادثِ عامہ کے وقتِ مجروح و غزون دلوں کے لیے سب سے زیادہ جواباتِ تسلی بخش اور موجبِ صبر و سکون ہو سکتی ہے وہ یہ مراقبہ ہے کہ جب ہمارے تمام محبوبوں کے محبوب سید المحبوبین اور سارے نبیوں کے سردار رسول رب العالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی اس دنیا سے رحلت فرما گئے تو پھر کون ہے جو ہمیشہ کے لیے یہاں رہ سکتا ہے ؟

بقول حضرت مجددؒ

نہ کوئی رہا ہے نہ کوئی رہے گا  
رہے گا تو ذکرِ نکوئی رہے گا

مولانا عثمانی کی علمی و حافی شخصیت | حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نہ صرف یہ کہ علوم شریعت کے

متبحر عالم تھے بلکہ حضرت مرحوم علوم طریقت اور سلوک و تصوف کے بھی کامل شیخ تھے اور آپ کی ذات گرامی علوم ظاہری اور علوم باطنی دونوں کا خزن تھی۔ اور علم سفینہ سے زیادہ علم سینہ حضرت موصوف کا اصلی جوہر اور حقیقی زیور تھا۔ آپ کے علم و فضل، اخلاص و عمل، تقویٰ و طہارت، خشیت و للہیت، سادگی تواضع اور دیگر اوصاف فاضلہ سے اسلاف کی یاد تازہ ہوتی تھی اور آپ کے فیض صحبت سے ایمان و ایتقان کی ایسی دولت ملتی تھی اور دین کا وہ صحیح مزاج پیدا ہوتا تھا جو محض کتابوں کے پڑھنے پڑھانے سے کبھی پیدا نہیں ہو سکتا کسی نے پہنچ کہا ہے -

نہ کتابوں سے نہ غفلوں سے نہ زر سے پیدا

دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

بایں علم و فضل اور ہمہ کمالات سے متصف ہوئے گئے باوجود مولانا

مرحوم عادات و اطوار کی سادگی میں خود اپنی مثال آپ تھے نہ تو مولانا کے خورد و نوش میں کوئی تکلف تھا اور نہ ہی گفتگو اور طرز کلام میں کوئی تصنع

تھا۔ سادہ وضع کے پیرانے بزرگ تھے ہمیشہ نئے طور و طریق اور تہذیب

جدید کے آداب سے دور بلکہ نفور رہے۔ چنانچہ وضع قطع لباس و طعام

اور گفتگو میں اپنے بزرگوں کے طریقے کے موافق ہمیشہ سادگی اور بے تکلفی

کو ہی اختیار کیا اور یہ واقعہ ہے کہ حضرت مولانا مرحوم جیسی شریعت و طریقت

کی جامع کمالات اور نادرہ روزگار شخصیتیں کہیں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں اور

ایسے مردانِ حق آگاہ کا کہیں قرون میں ظہور ہوتا ہے۔

بڑے صغیر پاک و ہند کی جن گنی گنی معرود و نامور علمی و روحانی شخصیتوں کے فضل و کمال، علم و عرفان اور دینی بصیرت و فقاہت، تقویٰ و طہارت اور رسوخ فی العلم پر تمام دینی اور علمی حلقوں میں بالاتفاق اعتماد کیا جاتا تھا حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نہ صرف اُن کی صفِ اول میں شمار ہوتے تھے بلکہ ان میں سرفہرست اور ان کے صدر نشین تھے۔

حضرت مولانا مرحوم ابتداءً زمانہ تعلیم سے ہی اپنے حقیقی ماموں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نور اللہ مرقدہ کی توجہات عالیہ اور خصوصی تربیت کا مرکز بنے رہے اور حضرت تھانویؒ نے مولانا کی تعلیم و تربیت کا اس طرح اہتمام فرمایا جیسے کوئی شفیق و مہربان باپ اپنی اولاد کی تربیت کرتا ہے۔

حضرت تھانویؒ کی خدمت میں تعلیم و تربیت کے مراحل طے کرتے ہوئے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ شارح ابوداؤد کے ظلِ عاطفت میں تزکیہ باطن کی آخری منزلیں طے کرنے کا شرف بھی مولانا مرحوم کو حاصل ہوا اور اس طرح مولانا مرحوم کو اپنے زمانہ کے حکیم الامتؒ کی بزمِ علم و عرفان سے مستفید ہونے کے ساتھ اپنے دور کے محدث جلیل کی محفلِ ارشاد و ہدایت سے مستیز و مستفیض ہونے کے یکساں مواقع میسر آئے اور آپ بیک وقت علم و عرفان کی شمعِ فروزاں، محفلِ ارشاد و ہدایت کے شہ نشین بن کر اور میدانِ حکمت و سیاست کے شہ سوار اور علم و عمل، اخلاص و تقویٰ اور سیرت و کردار کی جملہ خوبیوں سے آراستہ و پیراستہ

ہو کر علمی اور روحانی دنیا میں نمودار ہوئے اور اپنے علم و عمل اور زہد و تقویٰ کی شمع نورانی سے ایک عالم کو منور اور ہزاروں تشنگان معرفت کو سیراب و شاداب کیا۔

**علمی اور روحانی شخصیتوں کا مرکز** | تھانہ بھون، دیوبند اور سہارنپور اور ان کے اطراف

اکثاف کو حق تعالیٰ نے اس زمانے میں ایسی ایسی علمی اور روحانی شخصیتوں کا مرکز بنایا تھا کہ ان کے علم و فضل، خلوص عمل اور زہد و تقویٰ کو دیکھ کر اسلاف کی یاد تازہ ہو جاتی تھی اور ان کی صحبت کی برکت سے ہزار ہا بندگانِ خدا کو یقین و معرفت کی دولت میسر آتی تھی، انہی سراپا اخلاص و مجسمہ علم و عمل روحانی شخصیتوں اور برگزیدہ ہستیوں میں سے ضلع مظفرنگر یوپی کے قصبہ تھانہ بھون میں ایک عظیم روحانی ہستی حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی تھی جن کے فیض صحبت سے ہزاروں بندگانِ خدا کو فیض پہنچا اور بہت سے تشنگان معرفت کو اس چشمہ عرفان سے سیرابی حاصل ہوئی۔

**دارالعلوم دیوبند** | عارف باللہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کی دعاء سحرگاہی اور ان کے روحانی

دارثوں قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور حجت الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے رفقاء محترم کی مساعی جمیلہ کا مبارک نتیجہ دارالعلوم دیوبند کا قیام تھا جس کے چشمہ فیض سے سیراب ہونے والے فضلاء نے نہ صرف برصغیر پاک و ہند

کے مسلمانوں کو بلکہ عالم اسلام کے بہت بڑے حصے کو اپنے علمی و روحانی فیض سے سیراب اور ایک جہان کو نورِ معرفت سے منور کیا۔ اس چشمہ فیض سے فیض یاب ہو کر اور اس گہوارہ علم میں پرورش پا کر بے شمار علماء دہر اور فضلاء نیکے اور بڑے بڑے روحانی پیشوا پیدا ہوئے جو آسمان فضل و کمال اور علم و عرفان کے درخشندہ آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے اور انہوں نے اپنے علم ظاہر اور علم باطن کے ذریعے ایک عالم کو فیض یاب کیا اور علم و معرفت کی روشنی کو اقطارِ عالم میں دور دور تک پہنچا دیا۔

حضرت سہارنپوریؒ اور مولانا تھانویؒ دارالعلوم دیوبند کے بانیوں حضرت مولانا رشید

احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے براہِ راست علمی اکتساب کرنے والوں اور روحانی فیض پانے والوں میں سے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ علم فقہ میں درجہ کمال پر فائز ہونے کے علاوہ بسنت صحابہ اور کمال اتباعِ سنت کے ساتھ متصف ہوئے اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو علم تصوف اور تفسیر قرآن نیز تربیتِ سالکین میں کمال حاصل ہونے کے علاوہ اصلاحِ رسومات اور اصلاحِ معاشرہ میں وہ منصب حاصل ہوا کہ مجددِ الملت اور حکیمِ الامت کے لقب سے مشرف و معزز ہوئے۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے تھانہ بھون، سہارنپور اور کانپور کے مراکزِ علوم میں ظاہری

مولانا عثمانیؒ کی جامعیت

علوم کی تحصیل کرنے کے علاوہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ اور حضرت حکیمِ الامت تھانویؒ کے مرکزِ صدق و صفا میں باطنی تربیت کی تکمیل

فرمائی۔ ان دونوں درباروں سے اکتساب فیض کے بعد جس طرح حضرت مولانا کا باطن دو آتشہ بن گیا تھا اور علوم تصوف و سلوک میں بصیرت حاصل ہو گئی تھی۔ اسی طرح علوم ظاہری حدیث و تفسیر اور فقہ میں بھی کمال درجہ کی مہارت و فقاہت حاصل ہو گئی تھی۔ غرض جملہ علوم اسلامیہ پر حضرت مولانا کی نظر اس قدر عمیق اور مطالعہ اس قدر وسیع تھا کہ اس کی نظیر اس زمانے میں نہ صرف برصغیر میں بلکہ پورے عالم اسلام میں نہیں ملتی۔ بلاشبہ حضرت مولانا اپنے علمی اور روحانی کمالات میں اسلاف کے سچے جانشین اور اُن کی مایہ ناز یادگار تھے جن پر آپ کی محققانہ اور بلند پایہ علمی تصنیفات، بے نظیر تدریسی خدمات اور تربیت و سلوک کا صحیح ذوق شاہدِ عدل ہیں۔

حضرت مولانا کی تصانیف کو دیکھ کر بلاخوف ترید کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے زمانے کے وسیع النظر عالم، بلند پایہ محقق، دقیق النظر محدث، عظیم النظر مفسر اور اصول حدیث اور علم رجال کے محض ماہر ہی نہ تھے بلکہ اصول نقد و درایت میں مولانا مرحوم کی تحقیقات کو استناد کا درجہ حاصل تھا نیز قوت حافظہ اور وسعت مطالعہ کے ساتھ دقت نظر اور سلامت فکر اور اپنے مدعا کو بہترین اسلوب اور دل نشین انداز میں بیان کرنے کا جو خاص ملکہ حق تعالیٰ نے حضرت مجدد کو عطا فرمایا تھا وہ ان کے رب تعالیٰ کا ان پر خاص عطیہ تھا، ذہانت و ذکاوت فکر کی گہرائی اور دقت نظر میں وہ اپنی مثال آپ تھے۔

تزکیہ نفس اور تربیت باطن میں مولانا مرحوم کا طریقہ تربیت و سلوک

محققانہ ہونے کے ساتھ بہت ہی مشفقانہ اور مریبانہ تھا اور اس میں آپ اپنے مشائخ عظام کے نقش قدم پر تھے اور آپ کا طریقہ سلوک ان حضرات کے طریق سلوک کے عین مطابق تھا جو آپ کے مطبوعہ مکتوبات متعلقہ تربیت سالکین سے واضح ہے۔

### اعتدال

ایسی جامع کمالات شخصیت اور ہمہ گیر ہستی کے کمالات اور علمی و روحانی عظمتوں کا صحیح ادراک اور اس کی سیرت و عمل کی رفعتوں کی پوری پوری معرفت یا اس کے فضل و کمال اور مقام و مرتبہ کا مکمل عرفان ہم جیسے کوتاہ دستوں اور علم و عمل سے عاری لوگوں کے بس کی بات نہ تھی جبکہ اس عظیم شخصیت کے کمالات اور اس کی علمی عظمتوں کا اعتراف کرنے والوں میں بہت سی مرتبہ شناس اور نامور شخصیتوں کے علاوہ حضرت حکیم الامت جیسی نابغہ روزگار علمی و روحانی شخصیت بھی شامل ہو اور علامہ محمد زاہد کوثرؒ جیسے فاضل یگانہ اور وسیع النظر محقق بھی جس کے علمی کارناموں کو دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے ہوں ایسی شخصیت کے علمی و روحانی کارناموں کا تعارف پیش کرنا اور ایسی جامع کمالات ہستی کی سیرت نگاری کا حق ادا کرنا ہم جیسے کم سوادوں کے لیے کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟

حضرت مولانا مرحوم کے علم و فضل اور حالات و کمالات کے بارے میں کچھ لکھنا دراصل آپ کے ہم عصر بزرگوں اور ہم چشموں کا کام تھا یا پھر یہ کام آپ کے فاضل تلامذہ میں کسی ایسے شخص کے لیے موزوں تھا جس کو مولانا مدوح کے فضل و کمال اور مرتبہ و مقام کے بارے میں اگر پوری طرح نہیں

تو بقدر ضرورت ہی واقفیت حاصل ہوتی ۔

## سبب تالیف

چونکہ مجتہدین و متوسلین کے دلوں میں اپنے محسن و مربی کے حالات و کمالات کے تذکرہ کا خیال پیدا ہونا تعاضائے طبیعت ہے اور طبعی طور پر محب و متوسل کو اپنے مُرشد کے سوانح کا معلوم کرنا محبوب و مرغوب ہوتا ہے ۔ اسی تعاضائے طبیعت نے مجھ جیسے ناتواں کو مولانا مرحوم کا تذکرہ مرتب کرنے پر مجبور کر دیا ۔ پھر چونکہ تربیت و ارشادِ مربی و مُرشد کی طرف سے متوسل و مسترشد پر ایک دینی احسان ہے ۔ اس لیے مُرشد کے کمالات کا تذکرہ اور اس کے کوائف و حالات سے آگاہی کسی متوسل و مسترشد کے لیے تعاضائے طبیعت ہونے کے علاوہ تعاضائے عقل بھی ہے ۔ بنا بریں اپنے محسن و مربی اور شفیق و مہربان مُرشد کے حالات و کمالات کے تذکرہ کو مرتب کرنے کا دل میں خود بھی شدید تعاضا تھا ۔ اس کے ساتھ ہی بعض عزیزوں نے بھی اس خواہش کا اظہار کیا کہ حضرت مولانا مرحوم کے حالات زندگی کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ قلمبند کر دیا جائے اس لیے اپنی نااہلی اور بے بضاعتی کے باوجود اور مالا یدِ دل کلمہ لایستراح کلمہ کے مصداق حضرت مولانا مرحوم کے جس قدر حالات معلوم ہو سکے اور جتنا بھی مواد آپ کی سیرت و سوانح کے بارے میں مہیا کیا جاسکا اسی کو ہدیہ ناظرین کیا جا رہا ہے ۔ امید ہے حضرت مولانا مرحوم کے حالات و کمالات اور خدماتِ دینیہ کا یہ تذکرہ حسب بشارت عند ذلک العالین تنزل الرحمة (نیکو کاروں کا ذکر رحمت حق کے نزول کا سبب ہوتا ہے) انشاء اللہ العزیز نہ ہم سب کے لیے

نزد دل رحمت حق کا باعث ہوگا۔ اس کے ساتھ ہی حضرت ممدوح کے روحانی و جسمانی متعلقین و متوسلین کے مجروح و مخزون دلوں کے لیے بھی یہ تذکرہ خیر اور ذکر صالح تسکین و تسلی کا موجب ہوگا۔

## اجمالی کیفیت

اس تذکرہ کی اجمالی کیفیت یہ ہے کہ اس میں حضرت مولانا علیہ الرحمۃ کے حالات و کمالات

کے اجمالی بیان کے ساتھ مولانا مرحوم کی تصنیفات و تالیفات اور تدریسی، تبلیغی اور سیاسی خدمات کے علاوہ تعلیمی اور تبلیغی شعبوں میں حضرت مولانا کی مخصوص اصلاحات اور سالکین و متوسلین کے لیے آپ کی بیان کردہ ہدایات و ارشادات کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور اس تذکرے کا اصل مقصد بھی یہی ہے کہ حضرت مولانا مرحوم نے دین کے جن شعبوں میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں ناظرین کو ان سے روشناس کیا جائے لہذا مولانا ممدوح کی علمی و دینی خدمات کے تعارف کو ہی اس تذکرہ کا اصل موضوع سمجھنا چاہیئے۔ اس کے ساتھ ضمناً علماء و مشائخ عصر کے ساتھ مولانا کے تعلقات اور خود مولانا مرحوم کے متعلق علماء عصر کے تاثرات کا بیان بھی کہیں کہیں آگیا ہے۔

## اصل ماخذ

اس تذکرہ کا اصل ماخذ حضرت مولانا کی خود نوشت سوانح حیات ”انوار النظر“ ہے۔ لیکن قارئین زیر نظر تذکرہ کے

مطالعہ کے دوران خود محسوس کریں گے کہ اس میں دوسرے ماخذوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے اور بہت سا کارآمد و مفید مواد دیگر مقامات سے بھی شامل کیا گیا ہے۔ مگر سچی بات یہی ہے کہ سوانح نگاری کی دشوار گزار منزلوں

میں آسانی پیدا کرنے اور اس راہ کی مشکلات کو حل کرنے میں حضرت مولانا  
 مرحوم کے یہ خود نوشت سوانح ہی ہمارے لیے سب سے زیادہ مفید و کار آمد  
 ثابت ہوئے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ مولانا مرحوم کے حالات معلوم کرنے  
 کے لیے سب سے زیادہ مستند اور معتبر ذریعہ ہمارے پاس مولانا کے اپنے  
 قلم سے لکھے ہوئے سوانح ہی ہو سکتے ہیں۔ خصوصاً ایسے واقعات کے  
 انکشاف کا ذریعہ مولانا کی یہی خود نوشت تحریر ہو سکتی تھی جن کے معلوم کرنے کا  
 کوئی دوسرا ذریعہ موجود نہ تھا۔ اس لیے ہم نے زیر نظر تذکرہ کا متن اور  
 ماخذ پورے اعتماد کے ساتھ حضرت مولانا مرحوم کے سوانح حیات ہی کو  
 قرار دیا ہے۔ البتہ مولانا مرحوم کے ذکر کردہ مختلف اور متفرق حالات و  
 واقعات کو اپنے قائم کردہ عنوانات کے تحت مرتب کر دیا ہے اور کسی  
 جگہ اگر کوئی واقعہ مجمل یا مختصر طور پر لکھا گیا تھا تو اس کی مناسب  
 ”تفصیل و تشریح“ پیش کرنے کے کوشش کی گئی ہے اور اس سوانح  
 حیات کے علاوہ جہاں کہیں کسی مضمون کا اضافہ کیا گیا ہے تو اس کے ماخذ  
 کا حوالہ نقل کر دیا ہے اور ایسے بیشتر اضافات بھی خود مولانا مرحوم کی  
 مطبوعہ تحریروں سے ہی حاصل کئے گئے ہیں۔ غرض مولانا مرحوم کے  
 علمی حالات و افادات کو اپنی بساط کے موافق مفید سے مفید تر صورت  
 میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ امید واثق ہے کہ یہ تذکرہ اس  
 انداز پر مرتب ہو کہ مستفیدین کے لیے بیش از بیش نافع و مفید ثابت  
 ہوگا۔ دعا ہے کہ حق تعالیٰ حضرت مولانا مرحوم کے انفا سے قدیہ کی برکت سے  
 ہم سب کو مستفید و مستفیض ہونے کی توفیق عنایت فرمائیں۔

مجلس صیانتہ المسلمین | حق تعالیٰ جزاء خیر عطا فرمائیں جناب حسام اللہ شریفی صاحب شعبہ تاریخ و ادبیات پنجاب یونیورسٹی

لاہور کو جنہوں نے سوالات کر کے مولانا مرحوم کو اپنے حالات و سوانح حیات کو سپرد قلم کرنے پر آمادہ فرمایا۔ اسی طرح مجلس صیانتہ المسلمین لاہور کو بھی اللہ تعالیٰ جزائے خیر عنایت فرمائیں کہ اُن کی سعی و کوشش سے حضرت مولانا مرحوم کے یہ جوابات اور خود نوشت سوانح ”انوار النظر فی آثار النظر“ کے نام سے دو حصوں میں طبع ہو کر منظر عام پر آئے۔

راقم کا ذاتی متاثر | اس آئینہ کو اپنی نااہلی کے باوجود حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے حضرت والد ماجد مولانا مفتی سید

عبد الکریم صاحب کی معیت میں اپنے عہد طفولیت ہی سے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نور اللہ مرقدہ کے دربار گوہر بار میں قیام و حاضری کا شرف حاصل رہا ہے اس لیے حضرت حکیم الامت کے متوسلین و منتبیین اور سلسلہ اشرفیہ کے اکابر و مشاہیر سے تربت و شناسائی کی سعادت حاصل رہی ہے اور تھانہ بھون کے زمانہ قیام سے ہی تھانوی حلقہ ارادت کے متوسلین کے ساتھ ذہنی و فکری رابطہ اور مسلکی ہم آہنگی کے ساتھ عقیدت و محبت کی دولت بھی بھلا اللہ نصیب رہی ہے۔ اس لیے یوں تو اس وسیع حلقے کی کوئی بھی ممتاز شخصیت اس کمترین کے لیے بیگانہ یا اجنبی نہیں رہی مگر حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی قدس سرہ کے ساتھ اس ناچیز کا رجحان قلب اور تعلق خاطر شروع ہی سے بہت زیادہ رہا ہے۔

حضرت مولانا مرحوم خانقاہ اشرفیہ کے خاص الخاص تربیت یافتہ اور فیض یافتہ تھے اور بارگاہ اشرفیہ کے زمانہ طویل تک حاضر باش حضرات میں بھی ایک خاص اور ممتاز مقام کے مالک تھے۔ اس حقیر کی نگاہ نے ہوش سنبھالتے ہی حضرت مولانا مرحوم کو دربار اشرفیہ کے مقربان خاص کی صفِ اول میں دیکھا تھا۔ اس حیثیت سے مولانا مرحوم کے لیے احقر کے قلب و دماغ میں وقعت و عظمت کے جو نقوش و تاثرات قائم ہوئے اُس کا اندازہ کسی قلمی بیان سے نہیں ہو سکتا۔ اور اس قلبی تاثر کی تصویر صفحہ قرطاس پر کسی طرح نہیں کھینچی جاسکتی۔

حضرت مولانا مرحوم کے ذاتی اوصاف و کمالات کو قریب سے دیکھنے کا اس بے بنیاد کو مدتوں موقع میسر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دربار اشرفیہ کے ہزارہا فیض یافتہ اور جلیل القدر حضرات علماء کرام میں جس شخصیت کی علمی عظمت و جامعیت اور روحانی سطوت کا گہرا تاثر اور پورا تسلط قائم ہوا وہ حضرت مولانا ممدوح و مغفور کی ذات ستودہ صفات ہے۔ لیکن اس کے باوجود حالات کے بیان میں جذباتی غلو اور عقیدت مندانہ مبالغہ آرائی سے بچنے کے لیے پوری پوری کوشش کی گئی ہے۔ اور صرف مستند واقعات بلکہ اکثر مطبوعات یا قلمی تحریروں کی مدد سے حضرت مولانا مرحوم کے علمی و روحانی فیوض اور دینی خدمات کے ذکر پر ہی اکتفا کیا گیا ہے اور کشف و کرامات یا ذاتی تاثرات کے بیان سے عبارت کو کہیں بھی طول دینے کی کوشش نہیں کی۔

سوانحی تذکروں کی اصل اہمیت | زمانہ ماضی میں سلف صالحین اور اکابر کے جو سوانح حیات اور

حالات زندگی جمع کئے گئے ہیں ان میں خواہ کتنی ہی تفصیل اور استیعاب سے کام لیا گیا ہو اور حالات و واقعات کو جمع کرنے میں کتنی بھی محنت و کاوش کی گئی ہو مگر یہ حقیقت ہے کہ یہ سوانحی تذکرے ان بزرگوں کی مکمل شخصیت کا صحیح تعارف کرانے کے لیے قطعی نا کافی ہوتے ہیں اور ان میں پیش کردہ حالات و وقائع ان اکابرین کرام کے اصلی کمالات سے کچھ بھی نسبت نہیں رکھتے۔

ہیں یہ اعتراف کر لینا چاہیے کہ سیرت کی کتابوں میں ذکر کردہ واقعات و حالات ان حضرات کی اصل زندگی کے وقائع و سوانح کا بہت ہی مختصر و سادہ حصہ ہوتے ہیں اور ان میں بھی سوانح نگار کے ذوق، اس کی تلاش و جستجو، ذرائع معلومات اور نظر انتخاب کا بڑا دخل ہوتا ہے اور سیرت نگار اپنے مخصوص ذوق اور خاص طرز فکر کے مطابق اپنا ایک خاص معیار انتخاب مقرر کرتا ہے اور اپنے اسی قائم کردہ معیار کے مطابق صاحب سیرت کے ہزار ہا بکھرے ہوئے حالات و واقعات میں سے چند منتخب واقعات کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ بیان کر دیتا ہے۔ پھر حالات و واقعات کے علاوہ صاحب سیرت کی بہت سی کیفیات اور صد ہا ادائیں ایسی ہوتی ہیں جن کو قلم کے ذریعے بیان کیا ہی نہیں جاسکتا۔

محدثین کرام اور اہل سیرت سے زیادہ کسی دوسرے طبقے نے سوانح و سیر کے تفتیح اور ان کی چھان بین میں نہ اتنی کوشش کی اور نہ اتنی

دقتِ نظر سے کام لیا پھر بھی وہ اتنا ہی بیان کر سکے جو انہیں کسی نہ کسی طرح دستیاب ہو سکا یا زبانِ قلم سے بیان کیا جاسکا۔

کسی شخصیت کا محض سیرت نگاری کے ذریعے مکمل تعارف کرنا ناممکن ہی نہیں۔ اس لیے اصل چیز زیارت و صحبت ہے جس کے ذریعے شخصیت کا صحیح تعارف ہوتا ہے اور یہ بھی امر واقع ہے کہ کتبِ سوانح یا سیرت نگاروں نے جن قدر حالات و وقائع مرتب و محفوظ کئے ہیں یا جن بزرگوں کے سوانح ہم تک پہنچائے ہیں وہ صرف حافظہ اور نقلِ زبانی کے ذریعے ان روایات کا بیسواں حصہ بھی ہم تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔

**سیرت نگاری کا فائدہ** | اگرچہ سیرت نگاری کے ذریعے کسی شخصیت کا مکمل تعارف حاصل نہیں ہوتا پھر بھی

فی الجملہ صاحبِ سیرت کا اجمالی تعارف ہو جاتا ہے اور یہ بھی بجائے خود ایک بہت بڑی تاریخی اور دینی ضرورت ہے کیونکہ جن اکابر اہل اللہ کے لیے سوانح نگاری کا اہتمام نہیں کیا گیا اور ان کے حالاتِ زندگی کو قلمبند نہیں کیا گیا تو ان میں سے اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جن کے نام کے سوا ان کے اصل حالات اور دینی خدمات سے کوئی بھی آشنا نہیں۔

اس لیے سیرت نگاری کسی شخصیت کے اجمالی تعارف کے علاوہ آئندہ نسلوں میں اس کے ذکرِ خیر کے باقی رہنے کا سبب بن جاتی ہے اور اس کا دعاءِ ابراہیمی (واجعل لی لسان صدق فی الاخرین) سے مستحسن ہونا ثابت ہے جو صاحبِ سیرت کے لیے بھی ذکرِ خیر کا

ذریعہ ہوتی ہے اور صاحب سوانح کے متبعین اور متوسلین کے لیے بھی ہدایت و پیروی کے علاوہ انس و محبت اور سکون قلب کا موثر سبب بن جاتی ہے۔ حق تعالیٰ ہم سب کو سلف صالحین کے نقش قدم پر چلنے اور ان کے اتباع کی توفیق عطا فرمائیں۔ نیز اتباع آثار سلف کی برکات سے حصہ وافر نصیب فرمائیں۔

غرض جن لوگوں نے صاحب سوانح کی زیارت و محبت سے بھی استفادہ کیا ہے ان کے لیے یہ وقائع صاحب سوانح کی یادگار اور تذکرہ کا کام دیتے ہیں۔ لیکن جن لوگوں کو صاحب تذکرہ کی زیارت اور محبت میسر نہیں آتی۔ ان کے لیے سوانح حیات صاحب سوانح کے تعارف کا ذریعہ بن جاتے ہیں اور ہدایت و راہنمائی کا کام تو بہر صورت ان سے لیا ہی جاسکتا ہے۔ نیز صاحب سوانح کے حق میں زمانہ دراز تک اس کے ذکر خیر کے لیے ذریعہ ثابت ہوتے ہیں۔

اس لیے سلفا اور خلفا حضرات علمائے کرام اور مشائخ عظام کے سوانح حیات لکھنے کا معمول ہمیشہ سے چلا آرہا ہے۔ حدیث شریف میں ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ :

”جو کوئی شخص کوئی طریقہ اختیار کرنا چاہتا ہے اس کو چاہیے کہ وہ ان لوگوں کا طریقہ اختیار کرے جو گزر چکے ہیں کیونکہ زندہ آدمی پر آزمائش کا اندیشہ لگا رہتا ہے“

ظاہر ہے کہ اُندہ نسلوں کے لیے گزرتے ہوئے بزرگوں کا طریقہ اختیار کرنا اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے کہ اُن کے حالات و واقعات معلوم ہوں۔ لہذا حالات و واقعات کا جمع کرنا اور سیرت و سوانح کا مرتبہ کرنا نہایت ضروری ہے۔ اور حضرت مولانا مرحوم کے سوانح اور حالات کا یہ تذکرہ علماء سلف و خلف کے معمول کے موافق اسی غرض سے مرتب کیا گیا ہے۔ تاکہ اُندہ نسلوں میں ان کی ہدایت و رہنمائی کا ذریعہ بنے اور اُن محترم کے تذکارِ جلیلہ زمانہ دراز تک باقی رہیں۔



## باب اول

### خاندانی حالات

مولانا مرحوم کے اباؤ اجداد | حضرت مولانا مرحوم کا نام نامی اور اسم گرامی دادھیال کی طرف سے "ظفر احمد" رکھا گیا تھا اور یہی نام عام زبانوں پر مشہور بھی ہوا۔ نانہالی نام "ظریف احمد" رکھا گیا تھا مگر مشہور نہیں ہوا۔ بعد میں تاریخی نام "مرغوب نبی" رکھا گیا۔ جس کے مجموعہ حروف سے اجد کے قاعدہ کے مطابق سن پیدائش ۱۳۱۰ھ نکلتا ہے۔

اصلی وطن | مولانا مرحوم کا اصلی وطن قصبہ دیوبند (ضلع سہارنپور) ہے آپ محلہ دیوان کے رہنے والے تھے۔ یہ محلہ مولانا مرحوم کے جد امجد دیوان لطف اللہ مرحوم کی طرف منسوب ہے جو بادشاہ دہلی شاہ جہاں کے عہد میں دیوان کے منصب جنیل پر فائز تھے۔ دیوبند میں دارالعلوم کے صدر مشرقی دروازہ کے سامنے محلہ دیوان کا پر شکوہ دروازہ اب تک اُن کی یاد تازہ کر رہا ہے۔

نسب عالی | حضرت مولانا مرحوم دیوبند کے معروف و معزز عثمانی خاندان کے ایک ممتاز فرد تھے۔ تاریخ دیوبند کے مؤلف سید محبوب رضوی صاحب شیخ ابوالوفا عثمانی کے حالات کے ضمن میں

کہتے ہیں :-

”یہ شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء پانی پتی کے خاندان سے ہیں۔ اور کبیر الاولیاء شیخ یعقوب کی تیسری پشت میں ہیں۔ شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء کا سن ولادت ۶۲۵ھ ہے۔ دونوں بزرگوں میں پانچ پشتوں کا فصل ہے۔ ماہرین انساب کے معروف طریقے کے مطابق پانچ پشتوں میں ۱۶۶ سال کا فرق ہونا چاہیے۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ شیخ ابولوفاء دیوبند میں نویں صدی کے اوائل میں سکونت پذیر ہوئے ہوں گے۔ یہ دہلی میں خاندان تغلق کا آخری عہد تھا۔ محلہ محل میں ان کا مزار خاص حالت میں ہے“

اس کے بعد شیخ ابولوفاء کا سلسلہ نسب مولانا فضل الرحمن صاحب عثمانی کے شجرہ سے حسب ذیل طریقہ پر نقل کیا ہے :-

”ابولوفاء بن عبد اللہ بن حسین بن عبد الرزاق بن عبد الحکیم بن حسن بن عبد اللہ عرف ضیاء الدین بن یعقوب بن عیسیٰ بن اسماعیل بن محمد بن ابوبکر بن علی بن عثمان بن عبد اللہ بن جبرجانی بن عبد الرحمن گازرونی بن عبد العزیز ثالث بن خالد بن ولید بن عبد العزیز ثانی بن شہاب الدین المعروف عبد الرحمن اکبر بن عبد اللہ ثانی بن عبد العزیز بن عبد اللہ الکبیر بن عمر بن امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ“

(تاریخ دیوبند ص ۷)

سید محبوب صاحب کی تالیف ”تاریخ دیوبند“ سے واضح ہے کہ اس عثمانی خاندان کے جد اعلیٰ شیخ عبدالرحمن گاروئی ”بیب“ سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے مدینہ منورہ سے تشریف لا کر علاقہ ماوراء النہر میں سکونت اختیار کر لی تھی اور سلطان محمود غزنوی کے لشکر میں قاضی لشکر کے منصب پر فائز ہو کر سلطان مرحوم کے ہمراہ ہندوستان آئے اور پانی پت کی فتح کے بعد وہاں مقیم ہو گئے۔ پانی پت کے مشہور شیخ طریعت حضرت جلال الدین کبیر الاولیاء انہی شیخ عبدالرحمن گاروئی کی بارہویں پشت میں ہیں اور دیوبند کی عثمانی برادری کے مورث اعلیٰ شیخ ابوالوفاء ان کی سترھویں پشت میں ہیں۔ جیسا کہ اوپر کے سلسلہ نسب سے واضح ہو رہا ہے۔ عنرض دیوبند کے تمام عثمانی شیوخ انہی ابوالوفاء کی اولاد میں سے ہیں اور ہمارے مولانا مرحوم کے جد امجد دیوان لطف اللہ مرحوم بھی انہی شیخ ابوالوفاء کی اولاد میں بڑی مشہور شخصیت کے مالک ہوئے ہیں۔ چنانچہ سید محبوب رضوی صاحب لکھتے ہیں :-

”شیخ ابوالوفاء عثمانی کی اولاد میں دیوان لطف اللہ ایک مشہور

شخصیت گزری ہے یہ شاہ جہاں ۱۰۳۶ھ تا ۱۰۶۸ھ کے

عہد میں دیوان کے عہدے پر فائز تھے۔ دیوبند میں ایک

عظیم الشان محلہ ان کی یادگار ہے جس کا اب صرف پرشکوہ دروازہ

دونوں جانب کی برجیاں اور جنوب مغرب کی دیواروں کا کچھ

حصہ باقی رہ گیا ہے۔ اندر کی عمارتیں تقریباً ختم ہو گئی ہیں اور

دیوان لطف اللہ کے دیوان خاص کی جگہ اب دارالعلوم کے

عظیم الشان مہمان خانہ کی دو منزلہ عمارت بن گئی ہے۔  
 تاریخ دیوبند میں دیوان لطف اللہ مرحوم کا جو سلسلہ نسب شیخ ابوالوفاء  
 عثمانی تک بحوالہ ”شجرہ قلمی تیار کردہ دھتر انوار الحق“ میں پیش کیا گیا ہے  
 وہ حسب ذیل ہے :-

” دیوان لطف اللہ بن خواجہ ادیس بن مولانا احمد بن مولانا عبدالرزاق  
 بن مولانا محمد حسن مدرس بن خواجہ حبیب اللہ علی بن خواجہ عثمان  
 بن علی بن قاضی شیخ محمد بن قاضی فضل اللہ شہیر بن شیخ  
 ابوالوفاء عثمانی رحمۃ اللہ علیہ “

(تاریخ دیوبند ص ۲۷، ص ۳۷)

اس کے بعد رضوی صاحب نے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ  
 کا سلسلہ نسب دیوان لطف اللہ مرحوم تک مذکورہ شجرہ قلمی کے حوالہ سے  
 اس طرح نقل کیا ہے :-

” مولانا ظفر احمد محتانوی بن لطیف احمد بن بہال احمد بن کرامت  
 حسین بن نبی بخش بن حیات اللہ بن عنایت اللہ بن لقاء اللہ  
 بن احسان اللہ بن نصیر اللہ بن دیوان لطف اللہ “

(تاریخ دیوبند ص ۳۷)

مولانا مرحوم کے والد کا نام شیخ لطیف احمد عثمانی ہے۔ وہ دیوبند  
 کے انہی دیوان لطف اللہ کی اولاد میں ہیں۔ انہوں نے فارسی اور کچھ  
 انگریزی کی تعلیم حاصل کی تھی۔ صوم و صلوة کے پابند تھے اور دیوبند کے  
 مشہور پیر طریقت حضرت حاجی عابد حسین دیوبندی سے بیعت تھے۔ مولانا

عثمانی کے دادا مرحوم شیخ ہنال احمد بھی دیوبند کی عثمانی برادری کے ایک معزز فرد اور بہت بڑے رئیس تھے اور حضرت مولانا مرحوم کے پردادا شیخ کرامت حسین کاشمار دیوبند کے نہایت فیاض اور سخاوت شعار زمینداروں میں ہوتا تھا چنانچہ تاریخ دیوبند کے مصنف سید رضوی صاحب لکھتے ہیں :-

”دیوان لطف اللہ کی اولاد میں شیخ کرامت حسین اور ان کے

فرزند شیخ ہنال احمد وفات ۱۳۰۲ھ ۱۸۸۴ء اپنے اپنے

زمانے میں دیوبند کے سربراہ اور وہ لوگوں میں رہے ہیں۔ شیخ

ہنال احمد دارالعلوم کی پہلی مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔“

(تاریخ دیوبند ص ۴۷)

دارالعلوم دیوبند کے پہلے سال کی روداد کے حوالہ سے ”نام ہتھان“ کے عنوان کے تحت جن سات ارکان شوریٰ کے اسمائے گرامی کا ذکر سوانح قاسمی ص ۲۴۶ جلد ۲ میں کیا گیا ہے ان میں شیخ ہنال احمد کا نام نامی موجود ہے۔ مرحوم کی فارغ البالی، سیرحشی اور مہمان نوازی کے قصے بہت مشہور اور زبان زد خلایق ہیں۔ ان کے خوان کرم سے ہزاروں نادار و مساکین مالی فائدے حاصل کرتے تھے۔ چنانچہ انہی شیخ کرامت حسین اور ان کے بیٹے شیخ ہنال احمد کے متعلق مولانا محمد میاں صاحب دیوبندی نے اپنی کتاب ”مسکمانوں کا شاندار معنی“ میں لکھا ہے کہ :-

”بہت مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ اس طرف سے گزرنے والی بارات

کو اپنے یہاں ٹھہرایا اور اس کی دعوت کی۔“

(ص ۵۹، جلد ۵)

یونہی راہ سے گزرنے والی کسی چلتی بارات کو ٹھہرا کر اپنے یہاں مہمان بنالینا اور اُس کی دعوت و ضیافت کا کسی سابقہ تیاری کے بغیر اچانک انتظام کر لینا بظاہر نظر غیر معمولی ثمرات و رفاہیت کے بغیر ممکن نہ تھا۔ غرض کسی زمانے میں شیخ کرامت حسین اور شیخ نہال احمد کا دور دورہ تھا اور محلہ دیوان کے سرکردہ خاندان بھی یہی شیخ کرامت حسین اور شیخ نہال احمد تھے اور اس خاندان کی معاشی حالت کسی زمانے میں غیر معمولی طور پر بہتر تھی۔ جس کا اندازہ دارالعلوم دیوبند کے صدر دروازہ کے سامنے محلہ دیوان والوں کی امیرانہ ڈیوڑھی، پُر شکوہ بُرجیوں اور شکستہ دیواروں سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

**مکتب شیخ کرامت حسین مرحوم** | شیخ کرامت حسین کی فارغ البالی اور طالبانِ علوم کے لیے سخاوت اور

ان کے علمی شغف کا نتیجہ و ثمرہ تھا کہ دارالعلوم دیوبند کے قیام سے پہلے آپ نے اپنے مکان پر دینی تعلیم کے لیے ایک تعلیمی مکتب قائم کیا تھا اور بہت سے تشنگانِ علوم اس مکتب سے اپنی علمی پیاس بجھاتے اور سیرابی حاصل کرتے تھے۔ شہری طالبانِ علم کے علاوہ بہت سے بیرونی طلباء بھی اس چشمہ علمی سے فیض یاب ہوتے تھے نیز شیخ کرامت حسین کے اس مکتب میں ہمارے شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب کے حقیقی چچا مولانا مہتاب علی صاحب استاذ تھے، حضرت شیخ الہند کے والد ماجد مولانا ذوالفقار علی صاحب، مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی کے دادا شیخ نہال احمد سب نے اسی مکتب میں علمی روشنی حاصل کی۔

مکتب کرامت میں مولانا محمد قاسم نانوتوی کی  
تعلیم اور مولانا عثمانی کے ساتھ قرابت داری  
مولانا محمد قاسم نانوتوی  
کے پروردگار محمد بخش  
کے بھائی خواجہ  
بخش کی صاحبزادی

کی شادی دیوبند میں محلہ دیوان والوں کے یہاں ہوئی تھی۔ چنانچہ شیخ  
کرامت حسین انہی خواجہ محمد بخش کے نواسے تھے۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی کی دیوبند کے محلہ دیوان والوں کے ساتھ قرابت  
رشتہ داری کا تعلق تو تھا ہی۔ نانوتہ میں ایک واقعہ پیش آگیا جس کی وجہ  
سے مولانا نانوتوی کو ان کی نو عمری میں اسی مکتب کرامت میں تعلیم حاصل  
کرنے کے لیے دیوبند بھیج دیا گیا۔ گویا جو شخصیت اُس کے چل کر بانی دارالعلوم  
اور قاسم العلوم بننے والی تھی۔ اس کی ابتدائی تعلیم و تربیت شیخ کرامت حسین  
کے اسی کرامتی مکتب میں ہوئی تھی۔ پھر اس دینی تعلق کے علاوہ شیخ کرامت حسین  
کی صاحبزادی سے مولانا محمد قاسم نانوتوی کا عقد نکاح مولانا نانوتوی  
کے نانوتہ سے دیوبند منتقل ہونے کا ظاہری سبب بن گیا جس کے تکوینی  
نتائج کا ظہور اگرچہ کافی عرصہ کے بعد دارالعلوم دیوبند کے قیام کی صورت  
میں ہوا مگر اس کی بنیاد بہت پہلے رکھی جا چکی تھی۔

غرض مولانا ظفر احمد عثمانی مرحوم اپنے آبا و اجداد کی سکونت کے لحاظ  
سے اصل دیوبندی ہیں اور دیوبند کے بھی بڑے معروف و معزز عثمانی  
خاندان کے چشم و چراغ ہیں اور مولانا عثمانی کے خاندان کے ساتھ مولانا محمد قاسم  
نانوتوی کی قرابت و رشتہ داری کا تعلق بہت پرانا چلا آ رہا تھا۔ چنانچہ مولانا

قاسم نانوتوی کے ساتھ مولانا عثمانی کے علمی و روحانی انتساب کے ساتھ یہ انتہائی قریبی جسمانی رشتہ بھی موجود تھا کہ مولانا مرحوم کے دادا شیخ نہال احمد کی ہمیشہ محترمہ اور مولانا کے والد شیخ لطیف احمد کی حقیقی پھوپھی حضرت مولانا نانوتوی کی زوجہ محترمہ تھیں۔ اس رشتہ سے حضرت مولانا قاسم نانوتوی مولانا ظفر احمد عثمانی کے والد مرحوم کے حقیقی پوچھا مٹھے۔

**مولانا عثمانی کی نانہال** | شیخ لطیف احمد عثمانی مرحوم کا عقد محقانہ بھون کی فاروقی برادری کے معزز منہ دیشخ

عبدالحق مرحوم کی صاحب زادی کے ساتھ ہوا تھا اس طرح آپ کی نانہال تھانہ بھون میں تھی اور مولانا کی والدہ محترمہ حضرت حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی کی حقیقی ہمیشہ تھیں اور آپ حضرت تھانوی کے خواہر زادہ اور حقیقی بھانجے تھے۔

**تاریخ پیدائش** | مولانا ظفر احمد عثمانی ۱۳ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ کو دیوبند کے اپنے جدی مکان واقع محلہ دیوان میں پیدا ہوئے۔

اڑھائی تین سال کی عمر تھی کہ والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا اور والد صاحب نے دوسرا نکاح کر لیا تھا اس لیے مولانا کی پرورش دادی صاحبہ نے کی تھی۔ دوسری والدہ سے مولانا کے ایک بھائی قاری طفیل احمد صاحب عثمانی جو بحمد اللہ بقید حیات ہیں اور گوجرانوالہ میں سکونت پذیر ہیں۔ اور ایک بہن جو اپنے آبائی مکان دیوبند میں رہتی ہیں پیدا ہوئے۔ آپ کے بڑے بھائی مولانا سعید احمد رحمۃ اللہ علیہ جو اسی عمر ہی میں انتقال فرما گئے تھے۔

مولانا سعید احمد مرحوم کے مختصر حالات | مولانا سعید احمد آپ کے حقیقی بھائی تھے اور عمر میں پانچ سال

بڑے تھے۔ انہوں نے قرآن مجید دیوبند ہی میں حفظ کر لیا تھا۔ پھر حسب وصیت والدہ مرحومہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے دینی تعلیم حاصل کرنے کے لیے ان کو اپنے پاس بلالیا تھا یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت حکیم الامت مدرسہ جامع العلوم کانپور کے شیخ الحدیث اور مدیر با تدبیر تھے۔ حضرت تھانویؒ جب تک کانپور میں رہے مولانا سعید احمد کی تعلیمی اور اخلاقی بہر طرح سے نگرانی فرماتے رہے۔ پھر جب ۱۳۱۵ھ میں کانپور سے ملازمت کا تعلق ترک کر کے مستقل طور پر تھانہ بھون میں قیام پذیر ہو گئے اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کی خصوصی ہدایت پر ان کی خانقاہ کو دوبارہ آباد فرمایا اور ارشاد و ہدایت، تجدید دین اور اصلاح امت کے کام میں ہمہ تن مشغول ہو گئے تو مولانا سعید احمد مرحوم کو بھی اپنے ساتھ لے آئے اور ان کو اپنی نگرانی میں خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کے مدرسہ میں داخل کر دیا۔ نصاب ضمان التکمیل کی تکمیل مولانا موصوف نے حضرت تھانویؒ کی خدمت میں کی تھی۔ تیسیر الوصول، توضیح وتلویح شرح عقائد نسفی، جلالین شریعت۔ اس نصاب کی بڑی کتابیں اور درس نظامی کی کچھ دوسری کتابیں آپ نے حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ سے پڑھی تھیں اور حضرت مولانا دوم کے چند دفتر بھی سبقاً سبقاً حضرت حکیم الامت سے ہی پڑھے تھے۔

۱۳۲۳ھ میں آپ کو دوبارہ مدرسہ جامع العلوم کانپور میں داخل

کیا گیا اور ۱۲۲۵ھ میں مدرسہ مظاہر الاسلام سہارنپور میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ اور دیگر اساتذہ کرام سے دورہ حدیث پڑھا اور ۱۲۲۶ھ میں تیسری مرتبہ جامع العلوم کانپور میں واپس آکر منطق و فلسفہ وغیرہ فنون کی تکمیل کی اور دوبارہ امتحان فراغت دینیات میں شریک ہوئے اور تمام شرکاء امتحان میں سب سے اول نمبر پر کامیاب ہوئے۔ مولانا سعید احمد مرحوم بہت ہی ذہین تھے ان کے بارے میں عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ اگر وہ زندہ رہتے تو حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ کا مکمل نمونہ ہوتے۔

مرحوم نہایت خوش بیان مقرر تھے۔ جس زمانے میں ترکوں کی امداد کے لیے مسلمانوں نے انجمن ہلال احمر قائم کی تھی، سہارنپور شہر کی ہلال احمر نے مولانا تھانوی کو وعظ کی دعوت دی۔ حضرت تشریف لے گئے اور آپ کی تقریر ہوئی۔ اسی جلسے میں حضرت تھانویؒ کی تقریر کے بعد مولانا سعید احمد صاحبؒ نے بھی ایک گھنٹہ تک تقریر کی تھی۔ مولوی محمد عبداللہ خاں وکیل سہارنپور جو سرسید احمد خاں اور علامہ شبلی نعمانی کے ساتھ عرصے تک علی گڑھ رہ چکے تھے ان کی تقریر سے بہت متاثر ہوئے اور کہنے لگے کہ یہ شخص اگر زندہ رہا تو اعلیٰ درجہ کا مقرر ہو گا۔

اس زمانے میں وعظ و تلقین کے علاوہ حضرت تھانوی علیہ رحمہ نے ترکوں کی امداد و اعانت کے لیے ایک مفصل مضمون بعنوان "الصحف المنشورہ فی فضائل اعانت انگورہ" رسالہ النور بابت ماہ رمضان ۱۳۲۴ھ تھانہ جھون سے شائع فرمایا تھا۔

جامع العلوم کانپور میں درس | مولانا سعید احمد مرحوم جامع العلوم

کانپور سے فارغ ہو کر اسی مدرسہ

میں مدرس مقرر ہو گئے تھے اور آپ نے یہاں کئی سال تک درس و تدریس کی خدمات انجام دیں۔

بیان القرآن پر حاشیہ | حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی کی تفسیر

بیان القرآن ۱۳۲۶ھ میں پہلی بار شائع

ہوئی تھی۔ مولانا سعید احمد مرحوم نے اس کے بعض اہم مقامات پر اردو میں مفید حواشی تحریر فرمائے تھے جن کو حضرت تھانوی نے پسند فرما کر اپنی تفسیر میں بطور حاشیہ داخل فرمالیا ہے۔ چنانچہ تفسیر بیان القرآن کے حاشیہ پر ”تبیان البیان“ کے نام سے جو حواشی درج ہیں وہ مولانا سعید احمد مرحوم کی گراں بہا علمی خدمت اور ان کی بہترین یادگار ہیں۔ اس کے علاوہ مولانا موصوف نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے وعظ بھی قلمبند فرمائے ہیں۔

مولانا سعید احمد مرحوم نے عمر بہت کم پائی تھی۔ ۱۳۲۷ھ میں کیرانہ ضلع مظفرنگر، نواب مقرب خاں کے خاندان میں پیر جی ظفر احمد کی منجلی صاحبزادی کے ساتھ شادی ہوئی اور شادی کے صرف چھ مہینے کے بعد مرض طاعون میں بروز جمعہ انتقال فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

(حاشیہ وعظ لواء المصابین)

حضرت تھانویؒ کو مولانا سعید احمد مرحوم کے ساتھ جو قلبی تعلق تھا وہ ان الفاظ سے جو حضرت نے ان کے انتقال کے بعد فرمائے صاف

ظاہر ہو رہا ہے۔ حضرت نے ایک موقع پر فرمایا ”مجھ کو اُن کے ساتھ سب سے زیادہ محبت تھی جسے عشق کہنا چاہیے۔ قلب میں بار بار اور بے اختیار تقاضا پیدا ہوتا ہے کہ سب کام چھوڑ کر قبر پر جاؤں۔ لیکن میں بہ تکلف اس تقاضے کو روکتا ہوں اور اس کے مقتضائے پر عمل نہیں کرتا اور اپنے آپ کو مختلف کاموں میں برابر مشغول رکھتا ہوں۔ کیونکہ اگر کہیں ایک بار بھی اس تقاضے پر عمل کر لیا تو بس پھر علت ہی لگ جائے گی۔“

لیکن اس تعلق و محبت کے باوجود حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تربیت و اصلاح باطن کے لیے سب سے زیادہ سختی کا برتاؤ بھی اپنی کے ساتھ کیا۔ اور یہ اسی کی برکت ہے کہ اپنی مثالی خوش لباسی ترک کر کے مہایت سادہ وضع میں رہنے لگے۔ چنانچہ جب انتقال کے بعد ان کے کپڑے بغرض تقسیم نکالے گئے تو ان کی سادگی دیکھ کر سب کو حیرت و حشر ہوئی تھی۔  
(بحوالہ اشرف السوانح)

**واقعہ تبلیغ** ۱۲۳۰ھ سے پہلے کا واقعہ ہے کہ مقام گنیز ضلع کانپور میں اُردیہ سماجیوں کی ریشیہ دوانیوں کا حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کو علم ہوا اور اندیشہ ہوا کہ اس مقام کے بیشتر لوگ مُرتد ہو جائیں گے ان میں بیشتر ہندو واندہ رسمیں رواج پا چکی تھیں۔ سر پر چوٹی رکھتے تھے اور نکاح کے ساتھ ہندو اندہ طریقے پر پھر پھر بھی ہوتے تھے۔ حضرت تھانوی سامان خورد و نوش اور ڈیرہ و خیمہ ہمراہ لے کر ایک جمعیت کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔ مقامی سرداروں سے گفتگو کی اور کئی روز تک قیام فرمایا جب وہ لوگ خوب نچمے ہو گئے اور یہ وعدہ کر لیا کہ ہم مرتد نہ ہونگے

تب وہاں سے واپس تشریف لائے۔ اس تبلیغی سفر میں مولانا سعید احمد مرحوم بھی تھانہ بھون سے ہی حضرت تھانویؒ کے شریک سفر تھے اور اسی سفر میں حضرت نے مولانا مرحوم کو بعض دوسرے دیہات میں بھی تبلیغ کے لیے بھیجا تھا۔ سخت گرمی اور لو کا زمانہ تھا مولانا سعید احمد اپنے ساتھ ستوے گئے تھے اس کو گھولنے کے لیے ان لوگوں نے برتن بھی نہ دیا۔ آپ نے رد مال ہی میں تھوڑا سا پانی ڈال کر گھول لیا اور جس طرح ہوسکا کھا لیا اور غیر معمولی تعب و مشقت برداشت فرمایا۔

(بحوالہ اشرف السوانح)

مولانا سعید احمد مرحوم کی صلیبی یادگار صرف ایک صاحب زادی ہیں جو اپنے والد مرحوم کے انتقال کے چند ماہ بعد پیدا ہوئی تھیں اور ان کو حضرت تھانویؒ کی ربیبہ بننے اور اغوش تربیت میں پرورش پانے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت تھانویؒ نے ان کی والدہ محترمہ سے عقد ثانی کر لیا تھا جس کا تفصیلی تذکرہ خود حضرت تھانویؒ کے قلم حقیقت رقم سے بعنوان ”الخطوب المذنبہ المقلوب المینبہ“ اصلاح انقلاب حصہ دوم کا جزو بن کر اسی زمانے میں شائع ہو چکا ہے۔

حضرت مولانا سعید احمدؒ کی یہ نیک بہاد صاحب زادی مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور کے عقد نکاح میں ہیں اور بفضلہ تعالیٰ صاحب اولاد ہیں اور ان کے تمام صاحب زادگان ماشاء اللہ صاحب علم اور دینی علوم کی خدمت میں مصروف ہیں۔ اور اپنے بزرگوں خصوصاً اپنے نانا مرحوم کے لیے باقیات صالحات

اور ان کی یاد کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اس گھر کو دینی خدمات اور اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائے گا اور تاقیات اس گھر نے کا علمی و روحانی فیض جاری رہے۔

سے اس دُعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

مولانا عثمانی کی سُنّتِ ختمہ اور  
ناظرہ قرآن مجید کی تعلیم

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی عمر سات سال کی تھی کہ سُنّتِ ختمہ ادا کی گئی اور مکتب میں قرآن مجید پڑھنے

کے لیے بٹھایا گیا اور اسی عمر میں آپ نے رمضان المبارک کا روزہ بھی رکھا۔ دارالعلوم دیوبند میں حافظ نامدار صاحب اور حافظ غلام رسول صاحب درجہ قرآن مجید کے مدرس تھے ان سے اور اپنی دادی صاحبہ کے بھائی مولوی نذیر احمد صاحب سے آپ نے ناظرہ قرآن مجید پڑھا اور جب کبھی دادی صاحبہ کے ہمراہ اپنے ننھیال تمھانہ بھون آیا کرتے تھے تو جلتے دنوں وہاں قیام نہ ہوتا وہاں بھی قرآن مجید کا سبق ناغہ نہیں کرتے تھے بلکہ حافظ عبداللطیف نابینا کے پاس سبق پڑھتے رہتے تھے۔

حفظ قرآن مجید

پھر درسیات سے فارغ ہو کر پچیس سال کی عمر میں حضرت مولانا مرحوم کو درس و تدریس، تصنیف و

تالیف اور فتوے نویسی کی مشغولیتوں کے ساتھ ساتھ ان ہی حافظ مولانا عبداللطیف صاحب سے اپنے استاذ حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب بر دوانیؒ کی طرح بہت تھوڑے عرصے یعنی صرف چھ مہینے کی مدت میں قرآن مجید حفظ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ یہ واقعہ ۱۳۴۲ھ کلہ ہے۔

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ | ناظرہ قرآن مجید ختم کرنے کے بعد نو سال

کی عمر میں مولانا مرحوم دارالعلوم دیوبند داخل ہوئے اور فارسی کی کتابیں ابتدا سے گلستان، بوستان تک مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے والد ماجد حضرت مولانا محمد حسین صاحب دیوبندی سے پڑھیں اور میزان الصرف بھی آپ ہی سے شروع کر دی تھی اور حساب منشی منظور احمد صاحب مدرس دوم درجہ فارسی سے پڑھا تھا۔

علم دین کا شوق اور انگریزی سے نفرت | مولانا مرحوم کے والد صاحب گھر پر مولانا کو انگریزی

پڑھا دیا کرتے تھے مگر مولانا کو چونکہ اس سے بالکل دل چسپی نہ تھی۔ بلکہ دلی نفرت تھی اس لیے کتاب کو پڑھنے کے بعد جلا دیا کرتے تھے۔ جب اس بات کا علم والد صاحب کو ہوا تو وجہ دریافت کرنے پر مولانا نے فرمایا کہ آپ بڑے بھائی صاحب کو تو عالم دین بنانا چاہتے ہیں اور مجھے جاہل دکھنا چاہتے ہیں۔ مجھے اس زبان سے نفرت ہے اسی لیے جو کتاب ختم ہو جاتی ہے اس کو جلا دیتا ہوں۔ اس واقعہ کے بعد والد ماجد نے مولانا کو بھی اپنے ماموں صاحب کے پاس تھانہ مہون جلانے کی اجازت دے دی۔

دارالعلوم سے امداد العلوم میں | انگریزی سے نفرت کے بارے میں مولانا کی جو گفتگو والد صاحب سے

ہوئی تھی آپ نے اپنے بڑے بھائی صاحب کو تھانہ مہون خط لکھا تو اس کا تذکرہ بھی کر دیا۔ انہوں نے جواب میں لکھا کہ حضرت تمہارے خط سے

بہت خوش ہوئے اور بہت جلد تھانہ بھون پہنچنے کے لیے فرماتے ہیں۔  
 یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب مولانا کی عمر صرف بارہ سال تھی۔ مولانا نے  
 ایک گھوڑا کرایہ پر لیا اور اپنے دھوبی کے ہمراہ علم دین حاصل کرنے  
 کے شوق میں دیوبند سے تھانہ بھون پہنچ گئے اور یہاں اپنے ماموں حضرت  
 حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی زیر نگرانی خانقاہ اداویہ مدرسہ  
 اداد العلوم میں داخل ہو کر ابتدائی عربی کی کتابیں شروع کر دیں۔ خانقاہ  
 کے مدرسہ میں اس وقت حضرت تھانویؒ کے ماموں منشی شوکت علی  
 صاحب مرحوم فارسی کے مدرس تھے۔ موصوف فارسی کے بڑے ماہر اور  
 فارسی زبان کے شاعر بھی تھے۔ مولانا نے ان کے پاس گلستان دوبارہ  
 شروع کر دی اور دوسرے اسباق مولانا محمد عبداللہ صاحب گنگوہی مدرس عربی  
 کے پاس شروع کر دیئے۔

مدرسہ اداد العلوم کا طریقہ تعلیم | خانقاہ اداویہ کے مدرسہ کے  
 مدرس مولانا محمد عبداللہ صاحب

مرحوم کا طریقہ تعلیم اس قدر عمدہ تھا کہ اُن کے پاس ”ہدایۃ النحو“ پڑھنے  
 والا طالب علم عربی کی ہر کتاب کی عبارت صحیح پڑھنے اور اس کا ترجمہ کرنے  
 پر قادر ہو جاتا تھا۔ نیز عربی سے اردو اور اردو سے عربی بھی بنانے  
 لگتا تھا۔ مولانا عبداللہ صاحب پڑھاتے کم تھے مگر اجراء قواعد زیادہ  
 کراتے تھے۔ مولانا کی ابتدائی عربی تعلیم بھی انہی کے سپرد کی گئی تھی اور  
 فارسی عربی کی متبادل ابتدائی کتاب ”تیسیر المبتدی“ مولانا عبداللہ مرحوم  
 نے مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ہم سبق طلباء کے لیے

لکھی تھی جس کو آپ نے ”میزان الصرف“ کے ساتھ پڑھا تھا اور ”پنج گنج“ و ”نخویر“ تک برابر اُس کا سبق بھی لیتے رہے۔

زمانہ نخویر کا عربی شعر | اس طریقہ تعلیم کی برکت سے مولانا مرحوم کو ”نخویر“ پڑھنے کے زمانے میں عربی

کی اتنی استعداد پیدا ہو گئی تھی کہ اپنے ایک دوست کو یہ خود ساختہ عربی شعر خط میں لکھ کر بھیجا تھا۔

انا ما را تیلے من — زمن — فاذا دافنی — قلبی الشجن

حضرت حکیم الامت نے اس خط کو دیکھ کر اگرچہ مربیانہ تنبیہ فرمائی کہ یہ وقت شعر و شاعری کا نہیں ہے مگر استاد کے طریقہ تعلیم پر اظہارِ پسند ندیدگی بھی فرمادیا تھا۔

تجوید و سبغہ قرأت | مولانا مرحوم حافظِ قرآن ہونے کے ساتھ ساتھ تجوید و قرأت کے بھی ماہر تھے اور قرآن مجید نہایت عمدہ اور دل کش عربی لہجہ میں بے تکلفی کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔

مولانا مرحوم نے حضرت مفتاحِ نوئی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ قاری عبداللہ صاحب مکتی سے بھی تجوید و قرأت کی مشق کی تھی جو حضرت مفتاحِ نوئی کے بھی استاذِ قرأت تھے۔ مولانا نے سبغہ قرأت کے اجراء کے لیے حضرت حکیم الامت سے اُن کا تصنیف فرمودہ رسالہ ”تنشیط الطبع فی اجراء السبع“ سبقتاً پڑھا اور کچھ حصہ ”المکررہ“ کا بھی آپ ہی سے پڑھا تھا۔

**ایک واقعہ** | ایک دن مولانا اپنے حجرہ میں بلند آواز سے قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے حضرت حکیم الامتؒ نے آواز اور ترات سن کر مدرسہ کے مؤذن سے دریافت فرمایا، یہ عرب کہاں سے آگئے؟ مؤذن نے ہنس کر کہا عرب تو کوئی نہیں آیا مولوی ظفر احمد مشق کر رہے ہیں۔ اور حضرت تھانویؒ نے فرمایا "ماشاء اللہ خوب مشق کر لی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کوئی عرب قرآن پڑھ رہا ہے۔"

**مثنوی شریف** | اسی زمانے میں مولانا مرحوم نے حضرت تھانویؒ سے مثنوی مولانا دوم پڑھی تھی اور حضرت حکیم الامتؒ نے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکتی سے مکہ معظمہ کے زمانہ قیام میں مثنوی کا درس لیا تھا۔ اس کے بعد اس کی بے نظیر شرح "تکید مثنوی" کے نام سے لکھی تھی جو بہت ہی عجیب و غریب شرح ہے۔

**ترجمہ قرآن مجید اور نصاب** | "ہدایۃ النخو" کے ساتھ ہی حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ کے شاگرد خاص مولانا شاہ لطف رسول صاحب

سے مولانا نے قرآن پاک کا ترجمہ پڑھنا شروع کر دیا اور حضرت مولانا عبدالاول صاحب جو نپوری کا عربی ادب میں رسالہ "الطریف الاولیٰ الطریف" بھی پڑھا۔ اسی زمانے میں مولانا مرحوم کے استاذ مولانا عبداللہ صاحب گنگوہی کچھ دن کے لیے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی خدمت اقدس میں قیام کی غرض سے گنگوہ چلے گئے تو مدرسہ خانقاہ کے نصاب "ضمائم التکمیل فی زمان التعمیل" میں سے تلخیص المفتاح،

تلخیص الطنار مع المدار، تلخیص ہدایۃ الحکمتہ مع درایۃ العصۃ، تلخیص المرقاة،  
تلخیص البدایہ للغزالی اور عشرہ طروس تلخیص کماۃ، دروس کے اسباق،  
مولانا مرحوم کو خود حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے پڑھائے اور باقی اسباق  
اپنے بڑے بھائی مولانا سعید احمد مرحوم سے پڑھے۔

۱۲۲۳ھ میں جب حضرت تھانویؒ نے جامع العلوم کانپور میں داخلہ

تفسیر بیان القرآن، لکھنی شروع کی۔

اور اس کے لیے بہت زیادہ وقت و فرصت کی ضرورت پیش آئی تو  
حضرت نے مولانا کو خود اپنے ساتھ لے جا کر مدرسہ جامع العلوم کانپور میں  
داخل کر دیا۔ مولانا نے وہاں مشکوٰۃ، جلالین اور ہدایہ کے اسباق  
لینے کی درخواست دی۔ کیونکہ تھانہ بھون کے نصاب کے مطابق تو یہی  
کتابیں اس سال شروع کی جانی چاہیے تھیں۔ مولانا محمد اسحاق صاحب نے  
امتحان داخلہ لیا۔ اس وقت اُن کے پاس طلبہ "ہدایہ اثیرین" کا سبق  
پڑھ رہے تھے۔ مولانا سے ہدایہ کی عبارت پڑھنے کے لیے کہا گیا۔ مولانا  
نے عبارت پڑھ کر اس کا ترجمہ کر دیا۔ امتحان صاحب نے فرمایا۔ مطلب  
بیان کیجئے۔ مولانا نے کہا یہ عبارت درمیان کی ہے اس کا تعلق اوپر کی  
عبارت سے ہے اس کو دیکھ لوں تو مطلب بھی بیان کر دوں گا۔ اس پر  
امتحان صاحب نے فرمایا تم یقیناً ہدایہ، مشکوٰۃ اور جلالین پڑھ لو گے  
کیونکہ جو طلبہ ہدایہ پڑھ رہے ہیں اُن میں سے بعض کی نہ عبارت صحیح  
ہے نہ ترجمہ، عبارت کا اوپر سے تعلق سمجھنا تو بہت دور کی بات ہے  
چنانچہ مولانا کو مطلوبہ کتابوں میں داخلہ مل گیا۔ جلالین شریف مولانا محمد اسحاق صاحب

کے پاس تھی اور ہدایہ، اخیرین اور مشکوٰۃ شریف مولانا محمد رشید صاحب کانپوری پڑھاتے تھے۔ مولانا کو عربی ادب سے شروع ہی سے بہت رغبت تھی اس لیے مولانا نے ”سبعہ معلقہ“ کا سبق زیادہ لیا جو مولانا کی جماعت کا سبق نہ تھا بلکہ اگلی جماعت کا سبق تھا۔ یہ سبق بھی مولانا محمد رشید صاحب کے پاس ہوتا تھا۔

**ہفت روزہ جلسہ** جامع العلوم کانپور میں حضرت تھانویؒ نے یہ قاعدہ مقرر کیا ہوا تھا کہ ہدایہ پڑھنے والے طلبہ جمعرات کے دن بجائے سبق کے فتوے نویسی کی مشق کریں۔ استاد کوئی فقہی سوال دے دیں جس کا جواب کاپی میں لکھ کر طلباء جمعرات کے دن دکھایا کریں۔ اسی طرح علم ادب پڑھنے والے جمعرات کے دن بجائے عربی کے عربی سے اردو اور اردو سے عربی بنانے کی مشق کریں۔ اور مشکوٰۃ و جلالین پڑھنے والے مغرب سے عشاء تک شب جمعہ میں وعظ و تقریر کی مشق کریں۔ تقریر کا موضوع چند روز پیشتر استاد مقرر کر دیتے تھے اور مولانا محمد اسحاق صاحب ان جلسوں میں باقاعدگی سے شریک ہو کر مقررین کی غلطیوں کی اصلاح کرتے تھے۔

**جامع العلوم کانپور کا تعارف** یہ مدرسہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ کے زمانہ قیام کانپور کی یادگار اور آپ کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ و ثمرہ تھا۔ دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ نے کانپور میں ۱۳۰۱ھ تا ۱۳۱۵ھ مسلسل چودہ سال تک ہر علم و فن کی کتابوں کا درس دیا تھا اور کانپور کے

اطراف میں اس مدرسہ کو دارالعلوم دیوبند کا ثانی سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ یہاں سے دورہ حدیث پڑھ کر بڑے بڑے فضلاء کرام اور کامل اساتذہ حدیث پیدا ہوئے۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ نے ۱۲۱۵ھ میں تھانہ بھون کی خانقاہ میں مستقل قیام فرمایا تھا مگر یہ مدرسہ حضرت والاکاکی زیر سرپرستی قائم تھا۔ اور اُس میں آپ کے شاگردان خاص مولانا محمد اسحاق صاحب برودانی اور مولانا محمد رشید صاحب کانپوری تدریسی فرائض انجام دے رہے تھے۔ مولانا محمد اسحاق صاحب برودانی حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ علیہ کے ارشد تلامذہ اور خلفاء میں سے تھے۔ اپنے زمانے میں بڑے پائے کے محدث اور استاد کامل تھے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ نے جب تھانہ بھون کی خانقاہ میں مستقل قیام کی غرض سے مدرسہ جامع العلوم کانپور سے علیحدگی اختیار فرمائی تو مولانا اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی کو اپنا جانشین اور صدر مدرس منتخب فرمایا تھا۔ آپ متبحر عالم ہونے کے علاوہ قوتِ حافظہ میں بھی بے نظیر اور ضرب المثل تھے۔ بخاری شریف کے حافظ اور عاشق تھے۔ قرآن مجید کی منزل کی طرح بخاری شریف کے ایک پارے کی ہر روز تلاوت کیا کرتے تھے۔ اس لیے بخاری میں جو حدیث جتنے مقامات پر آئی ہے مولانا بے تکلف بتا دیا کرتے تھے۔ سنا ہے حج کے موقع پر کسی نجدی عالم نے ایک حدیث کے بارے میں دریافت کیا کہ یہ حدیث بخاری میں کتنی جگہ آئی ہے آپ نے فرمایا چھ مقامات پر، وہ عالم حیران رہ گئے کہ ہندوستان کے علماء دین بھی اتنے زبردست حافظے کے مالک ہوتے ہیں۔ آپ نے

زمانہ طالب علمی میں نحو کی مشہور کتاب کافہ پوری حفظ کر لی تھی اور اس کو محفوظ رکھنے کے لیے ہمیشہ دہراتے رہتے تھے۔

حافظہ ایسا قوی تھا کہ جو حکایت اور لطیفہ یا جو شعر سبق پڑھتے وقت جس موقع پر اور جس انداز سے حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ کی زبان مبارک سے سنا تھا خود سبق پڑھاتے وقت اس کو بڑے ذوق و شوق سے لطف لے کر اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ کا حوالہ دے کر بعینہ نقل فرمایا کرتے تھے۔

جس روز مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا امتحان داخلہ لیا۔ بعد مغرب حضرت تھانویؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ یہ حضرت کی کرامت ہے کہ مولوی ظفر احمد اس کے باوجود کہ انہوں نے درمیان کی بعض کتابیں نہیں پڑھیں مشکوٰۃ و جلالین اور ہدایہ پڑھنے کی پوری استعداد رکھتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ ہمارے مدرسہ کے طریقہ تعلیم کی ثنوی ہے کہ ”نحو میر“ پڑھنے والا طالب علم عربی کی ہر کتاب کی عبارت پڑھ اور سمجھ لیتا ہے۔

جامع العلوم کانپور کے دوسرے مدرس مولانا محمد رشید صاحب کانپوری بھی حضرت تھانویؒ کے شاگرد رشید تھے۔ موصوف کو علم فقہ میں بڑی دستگاہ حاصل تھی۔ حضرت تھانویؒ نے مولانا موصوف کی ذہانت کا ایک عجیب واقعہ بیان فرمایا۔ ہے کہ کانپور میں مولوی صاحب کے پاس ایک استفتا آیا کہ گھوڑے کے جنازہ کی نماز پڑھنی کیسی ہے؟

اُپ نے ظرافت کے پیرائے میں جواب لکھا کہ اگر کسی نے گھوڑے کو کلمہ پڑھتے ہوئے سنا ہو تو اس کی نماز جنازہ ضرور پڑھنی چاہیے ورنہ نہیں۔ اس پر حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ تبصرہ فرماتے ہیں کہ جواب کیسا مدلل دیا کہ نماز جنازہ مسلمان کی ہوتی ہے اور جب تک کلمہ نہ پڑھے مسلمان نہیں ہوتا۔“

مولانا موصوف کی ایک محققانہ تحریر کو حضرت حکیم الامت نے اپنی بیاض خاص الطرائف والطرائف حصہ اول میں بعنوان ذیل شامل فرمایا ہے الفائدۃ الکلامیہ فی اصحاب الاعراف، رقم کردہ مولوی رشید احمد صاحب کانپوری سلمہ بجواب استدلال مولوی عبید اللہ سندھی ص ۱۵۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں مولوی رشید احمد صاحب کانپوری ایک دفعہ یہاں قیام کئے ہوئے تھے مجھے دو بیویوں کے پیسوں کی ضرورت تھی۔ مجھے ایک شخص نے پیسے دیئے اور میں نے دو بیویوں کے عوض پیسے لے لیے۔ مولوی صاحب نے نہایت ادب اور نرمی کے ساتھ بڑے اچھے عنوان سے کہا کہ یہ بیع صرف ہے اور مسجد میں بیع جائز نہیں۔ میں نے اس کو مان لیا اور اُن کی بات کو قبول کر لیا۔

(حسن العزیز ص ۵۲ جلد ۳)

قطب العالم مولانا رشید احمد گنگوہی  
کی زیارت اور دعاء

حضرت حکیم الامت مولانا مٹھانوی کو کشفاً معلوم ہو گیا تھا کہ ۱۳۲۳ھ حضرت گنگوہی کی عمر کا آخری سال ہے

اس لیے حضرت مٹھانوی اپنے متعلقین و متوسلین کو باہتمام خاص اپنے ساتھ

لے کر حضرت گنگوہیؒ کی زیارت کے لیے گنگوہ تشریف لے گئے چنانچہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کو بھی اپنے بڑے بھائی مولانا سعید احمد کے ساتھ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت اور دُعا لینے کا شرف حاصل ہوا۔ پھر اسی سال حضرت گنگوہیؒ کا وصال ہو گیا۔

مولانا نے ۱۳۲۵ھ میں دورہ حدیث کی تکمیل (صحاح ستہ مع مؤطا امام مالک) حضرت

مولانا محمد اسحق صاحب بردوانی سے سبقاً سبقاً پڑھا اور شعبان ۱۳۲۶ھ میں امتحان فراغت دینیات دیا۔ اس امتحان میں درج ذیل حضرات مُتَحَن تھے۔ حدیث کا امتحان شیخ المند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے لیا اور فقہ کے مُتَحَن مولانا سعد اللہ صاحب رامپوری تھے۔ صرف و نحو، بلاغت و ادب کا امتحان حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری اور تفسیر کا امتحان حضرت حکیم الامت مولانا مٹھانویؒ کے پاس ہوا اس امتحان میں مولانا عثمانیؒ دوسرے نمبر پر کامیاب ہوئے تھے۔ اول نمبر پر مولانا کے بڑے بھائی مولانا سعید احمد مرحوم تھے۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ امتحان سے فارغ ہو کر تعطیل رمضان میں مولانا مرحوم مقامہ بھون تشریف لائے ایک ہفتہ قیام کے بعد دیوبند کی خدمت میں حاضری

اپنے عزیزوں سے ملنے کا ارادہ کیا اور راستے میں سہارنپور پہنچ کر حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی زیارت و ملاقات کے لیے اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت مولانا بڑی خندہ پیشانی سے پیش آئے اور خود ہی

فرمایا، مولوی ظفر! ہم تمہارے جواب سے بہت خوش ہوئے ہیں۔ تم نے ادیب و بلاغت کے پرچے کا بہت اچھا جواب دیا ہے اس لیے ہم نے تم کو سب سے زیادہ یعنی تلو میں سے اسی نمبر دیئے ہیں۔ باقی سب تم سے کم ہیں۔ حضرت سہارنپوری کی اس عنایت و شفقت نے مولانا کے دل پر ایسا اثر کیا کہ مولانا پھر انہی کے ہوس رہے اور بالآخر دو سال کے بعد حضرت سہارنپوری کے دست حق پرست پر بیعت بھی ہو گئے۔

مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ | اسی زمانے میں مولانا محمد اسحق صاحب بردوانی جامع العلوم کانپور سے

مستعفی ہو کر مدرسہ عالیہ کلکتہ شریف لے گئے اور مولانا محمد رشید صاحب بھی وہاں سے مستعفی ہو گئے۔ ان حضرات کے چلے جانے کے بعد یہ مدرسہ جو مشرقی اضلاع میں دارالعلوم دیوبند کا نمونہ تھا۔ اب اُس کی وہ حیثیت نہ رہی تھی۔

محرم ۱۳۱۰ھ میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ نے مولانا کو تکمیل درسیات معقول و فلسفہ اور ہئیت کے لیے دارالعلوم دیوبند بھیجنا چاہا۔ انہی دنوں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کا والا نامہ حضرت حکیم الامتؒ کے نام آ گیا کہ مولوی ظفر احمد کو آپ مظاہر علوم میں بھیج دیں۔ معقول و فلسفہ پڑھانے کے لیے ہم نے مولانا عبدالقادر صاحب پنجابی کو بلا لیا ہے۔ اس پر حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ ”جب مولانا خلیل احمد صاحب کی تم پر اس قدر عنایات ہیں کہ خود بلا رہے ہیں تو اب اللہ کا نام لے کہ تم مظاہر العلوم میں چلے جاؤ۔“ چنانچہ وسط محرم میں مولانا نے مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لے لیا اور وہاں

مولانا عبدالقادر صاحب، مولانا حافظ عبداللطیف صاحب وغیرہ مدرسین سے منطق و فلسفہ، ریاضی و ہئیت کی کتابیں پڑھنی شروع کر دیں اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے درس بخاری میں بھی شریک ہوتے رہے۔

**تکمیل درسیات و سند فراغت** | تقریباً دو سال مظاہر علوم میں سلسلہ تعلیم قیام رہا اور علوم

عقلیہ و فقیہہ میں مہارت حاصل کرنے اور تمام درسی کتابوں کی تکمیل کے بعد فراغت حاصل کی اور شعبان ۱۳۲۸ھ میں مظاہر علوم کے سالانہ امتحان میں شریک ہو کر کامیاب ہوئے۔ شرح چغینی کا امتحان حضرت مولانا محمود الحسن قدس سرہ نے لیا تھا اور اس میں اول نمبر پاس کیا تھا۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا کل زمانہ تعلیم سات سال کی عمر سے اٹھارہ سال کی عمر تک ہے اور انیس سال کی عمر میں مظاہر العلوم سہارنپور میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا بطور مدرس تقرر ہو گیا تھا۔

**حضرت مولانا احمد حسن امروہی کی زیارت** | اسی سال ۱۳۲۸ھ میں دارالعلوم دیوبند کا ایک

عظیم الشان جلسہ دستار بندی منعقد ہوا جس میں تمام اکابر علماء دیوبند تشریف لائے حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہی شاگرد خاص حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بھی تشریف لائے تھے مولانا ان کی زیارت سے مشرن ہوئے۔ مولانا ان کے بارے میں فرماتے تھے وہ بہت خوب صورت اور خوش لباس تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے اس جلسہ میں حضرت حکیم الامت تھانوی کا بڑا ہی موثر و دل نشین وعظ ہوا تھا۔

حج بیت اللہ و زیارت مدینہ منورہ | حق تعالیٰ نے آپ کو زندگی میں پانچ مرتبہ حج بیت اللہ

اور زیارت مدینہ منورہ کا موقع نصیب فرمایا تھا۔

پہلا سفر حج | اسی سال مولانا عبداللطیف صاحب، مولانا عبد اللہ گنگوہی صاحب اور مولانا ثابت علی صاحب مدرسین مظاہر العلوم

نے حج کا ارادہ کیا تو مولانا کے دل میں بھی تقاضا پیدا ہوا۔ اتفاق سے اس وقت آپ کو ایک سو پچیس روپے زمین کی قیمت سے اگئے تھے۔ تو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے فرمایا تمہارے ذمہ حج فرض ہو گیا۔ صرف حج کے لیے اس وقت اتنی رقم کافی ہو جاتی تھی مگر زیارت مدینہ منورہ کے لیے اس رقم میں گنجائش نہ تھی (غرض مولانا خلیل احمد صاحب کے فرمانے پر آپ نے بھی حج کا ارادہ کر لیا۔ وقت پر پچاس ساٹھ روپے کا اور انتظام ہو گیا۔ اللہ کے فضل سے اس رقم میں ایسی برکت ہوئی کہ حج اور زیارت مدینہ دونوں کے لیے یہ رقم کافی ہو گئی اور مولانا دونوں مقامات مقدسہ کی زیارت سے مشرف ہو گئے۔ اور سفر حج سے پہلے مولانا خلیل احمد صاحب سے حدیث مسلسل باجا بت دعا فی الملزم کی اجازت سے بھی مشرف ہو گئے تھے۔

اس سال حج میں حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری بھی تشریف لے گئے تھے۔ مولانا مرحوم اپنے رفقاء کے ساتھ یکم ذیقعدہ کو مکہ مکرمہ پہنچ گئے تھے۔ اور چار ذی الحجہ کو مولانا خلیل احمد صاحب بھی مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ سفر حج میں مولانا

سہارنپوری کی معیت سے سب کو بہت خوشی تھی کیونکہ حضرت کی وجہ سے کمال اتباع سنت کے ساتھ فریضہ حج کی ادائیگی کی سعادت نصیب ہوئی تھی ورنہ بعض سنتوں کا تو بہت سے اہل علم کو بھی پتہ نہیں ہوتا اور ان حضرات کو حضرت سہارنپوری کی معیت و برکت سے تمام سنتوں کا علم بھی ہوا اور ان پر عمل کرنے کی توفیق بھی حاصل ہوئی۔

مکہ معظمہ میں سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے خلیفہ اور صاحب کشف و کرامت بزرگ مولانا محب الدین صاحب کی زیارت و محبت سے مشرف ہونے کا موقع ملا اور مدینہ منورہ میں علامہ سید احمد برزنجی شافعی کی زیارت بھی نصیب ہوئی۔ وہاں اس وقت یہ بہت بڑے عالم اور صاحب انوار و برکات بزرگ تھے مولانا خلیل احمد صاحب کو ان کی زیارت کا اشتیاق ہوا تو مولانا رحمہ اللہ علیہ بھی حضرت کے ہمراہ ان کی زیارت سے مشرف ہو گئے۔

حضرت سہارنپوری نے بایں فضل و کمال، علو اسناد اور تفقہ تام کے علامہ برزنجی رحمۃ اللہ علیہ سے تبرکات حدیث کی سند بھی حاصل کی تھی۔

<p>مولانا رحمہ اللہ علیہ نحو میر اور شرح مآۃ عامل پڑھنے کے زمانے میں حضور اکرم صلی اللہ</p>	<p>خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا واقعہ</p>
---	--

علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے تو عرض کیا یا رسول اللہ! میں انا؟ میرا مکان کہاں ہوگا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فی الجنۃ (جنت میں) پھر آپ نے دریافت فرمایا کیا پڑھتے ہو؟ اسباق عرض کر دیتے

تو آپ نے فرمایا۔ پڑھتے رہو اور پڑھ کر ہمارے یہاں بھی آؤ گے، عرض کی  
یا رسول اللہ! اشتیاق تو بہت ہے آپ دعا فرمائیں۔ فرمایا۔ ہم دعا،  
کہہ تے ہیں۔

بجئے میں جہاز پر سوار ہوئے تو مولانا عبد اللہ صاحب گنگوہی نے  
مولانا کو ان کا یہ خواب یاد دلایا اور فرمایا دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم  
نے فرمایا تھا کہ پڑھ کر ہمارے یہاں آؤ گے، تو اسی سال تم پڑھ کر فارغ  
ہوئے ہو اور تم کوچ اور زیارت کا سامان نصیب ہو گیا۔ آپ نے عرض  
کیا واقعی یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی کشش تھی کہ یہ سب کچھ  
ہو گیا ہے۔ ورنہ میرے پاس نہ اس کا کوئی انتظام تھا اور نہ کچھ  
امید تھی۔ فَلَلهُ الْحَمْدُ وَالشُّكْرُ۔

مولانا محمد یحییٰ صاحب کی کرامت | اس سفر میں مولانا محمد یحییٰ صاحب  
کی ایک عجیب کرامت ظاہر

ہوئی۔ مولانا کے پاس زادراہ بہت قبل تھی یعنی صرف دو سو روپے تھے  
اور دوسرے رفقاء حج کے پاس پانچ سو اور بعض کے پاس اس سے  
بھی زیادہ رقم تھی۔ سوا مہینہ حج سے پہلے اور سوا مہینہ حج کے بعد مکہ مکرمہ  
میں قیام رہا۔ کھانے پینے کے تمام اخراجات میں دوسرے رفقاء کے  
ساتھ مولانا بھی برابر کے شریک رہے اس لیے بعض رفقاء کو خیال ہوا کہ  
شاید آپ کے پاس مدینہ منورہ کی حاضری کے لیے رقم نہیں بچی ہوگی۔ مولانا  
نے کہا آپ میری فکر نہ کریں بحمد اللہ! میرے پاس رقم کافی ہے۔ مولانا  
محمد یحییٰ صاحب نے مجھے ایک روپیہ دیا تھا کہ اس پر نشان کر کے رقم

میں ملاو۔ اسے خرچ نہ کرنا اور حساب بھی نہ کرنا بے حساب خرچ کرتے رہنا۔ اس لیے میں نے اس وقت سے رقم کو گنا نہیں۔ ضرورت کے موافق پھیلی سے نکالتا رہتا ہوں۔ اندازہ ہے کہ ہمایونی میں ابھی کافی رقم ہے چنانچہ آپ اسی طرح خرچ کرتے رہے اور راحت کے ساتھ سفر مدینہ سے فارغ ہو کر جب واپس بجے پہنچ گئے اور حضرت سہارنپوریؒ کے حکم سے رقم کو گنا گیا تو اس میں اب بھی تیرہ روپے بجے سے سہارنپور تک انٹر کلاس کا کرایہ باقی تھا۔ اسی طرح مولانا مرحوم کے اس سفر ج میں حضرت مولانا خلیل احمدؒ کی توجیہات و برکات برابر شامل رہیں۔ بعض اجاب نے رقم کی کمی کے پیش نظر حضرت سے عرض کیا کہ مولانا کو اس سال سفر حج سے روک دینا چاہیئے۔ حضرت نے فرمایا ہرگز نہیں۔ ان کو اسی سال حج کے لیے پہنچنا ہے۔ یہ الفاظ اس طرح ارشاد فرمائے جیسے کوئی غیبی اشارہ ہو۔

(انوار النظر ص ۳۵)

دوسرا حج ۱۳۲۸ھ میں آپ کو اپنے گھر والوں کے ساتھ دوبارہ حج اور زیارت مدینۃ الرسول کی دولت میسر ہوئی۔

تیسرا حج پھر اس کے دس سال بعد ۱۳۴۸ھ میں تیسری مرتبہ حج اور زیارت مدینہ کی سعادت حاصل ہوئی۔

چوتھا حج شوال ۱۳۶۸ھ مطابق اگست ۱۹۴۹ء میں حکومت پاکستان نے حج کے ایام میں حکومت سعودیہ کی طرف ایک خیر سگالی وفد بھیجنے کا ارادہ کیا جس میں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا نام طے ہوا تھا مگر مولانا پر فالج کا دورہ ہو گیا تو آپ کی جگہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کو وفد میں

شامل کیا گیا اور اس طرح چوتھی بار حضرت مولانا کو حج بیت اللہ اور زیارت روضہ رسول اللہ سے مشرف ہونے کی سعادت ہوئی۔ اس وفد کے کارناموں کی پوری تفصیل ماہنامہ ندائے حرم کراچی میں بصورت سفرنامہ حجاز حصہ دوم خود مولانا کے قلم سے قسط وار شائع ہو چکی ہے چند خاص خاص باتوں کا یہاں بھی ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اس سفر حج و زیارت کا اس طرح اچانک موقعہ فراہم ہو جانا اور بے دہم دکان اس کا سامان مہیا ہو جانا مولانا کے لیے بڑا ہی باعث سعادت اور انتہائی خوشی کا سبب تھا۔ مولانا کے تاثرات اور قلبی کیفیت کا کسی قدر اظہار واقعہ ذیل سے ہوتا ہے:-

۲۲ ستمبر بروز جمعرات مولانا محمد شفیع صاحب حجۃ اللہ انصاری جو مدرسہ عالیہ ڈھاکہ میں ایڈیشنل ہیڈ مولوی تھے۔ حضرت مولانا نے جب اپنے کام کا چارج ان کے حوالہ کیا تو اس وقت وہاں دوسرے علماء اور مدرسین بھی موجود تھے مولانا محمد شفیع صاحب نے اس موقع پر اپنے تاثرات کا اظہار چند تازہ اشعار میں کیا جو اسی وقت بلا تکلف موزوں ہو گئے ان میں سے تین شعر یہ ہیں:-

طالب حق صدق دل سے سوئے کعبہ جب چلا  
ابر رحمت سر پہ اُس کے سایہ انگن ہو گیا

جاؤ جاؤ منتظر ہیں رحمت اللطیفین  
میزبانی خود کریں گے شاہ ختم المسلمین

آفریں صد افسہیں برہمت یکتائے تو!  
ایں سفر اے کاش باشد داروئے غہائے تو!

مولانا تحریر فرماتے ہیں کہ دوسرے شعر پر میری حالت دگرگوں ہو گئی اور بے ساختہ آنکھوں میں آنسو اُٹھ آئے اور خیال ہوا کیا واقعی رحمۃ اللعالمین کو میرا انتظار تھا۔ میں اس قابل کہاں؟ مگر بے گمان یہ فوری سامان تو کچھ اسی پر اشارہ کر رہا تھا جو بے ساختہ ان اشعار میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی زبان پر آگیا۔

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل

نسیم صبح تیری مہربانی

مولانا تحریر فرماتے ہیں کہ اس واقعہ سے اس پر بھی مسرت ہوئی کہ ڈحا کہ یونیورسٹی اور مدرسہ عالیہ ڈحا کے تعلق سے بحمد اللہ میری نسبت باطنہ میں کی نہیں آئی۔ والحمد للہ علی ذلک حمدا کثیرا۔

(انوار النظیر ص ۲۶ ج ۲)

مولانا لکھتے ہیں کہ ۱۶ اگست ۱۹۴۹ء کو عزت مآب خواجہ شہاب الدین صاحب وزیر داخلہ پاکستان کا گرامی نامہ توسط جناب نور الامین صاحب وزیر اعلیٰ مشرقی پاکستان میرے نام پہنچا۔

۱۶ اگست ۱۹۴۹ء کراچی

مکرمی و معظی جناب مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ! آج میں نے عزت مآب نور الدین صاحب کو ایک تار روانہ کیا ہے جس میں اُن سے استدعا کی گئی ہے کہ وہ آپ درخواست کریں کہ آپ پاکستانی خیر سگالی وفد کے ممبر کی حیثیت سے حج کے موقع پر سعودی عرب تشریف لے جانے کے لیے تیار رہیں۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ

اُب جیسے بزرگ میرے ہمسفر ہوں گے اور میں اُب کی صحبت سے مستفید ہونگا  
ہماری روانگی انشاء اللہ تعالیٰ ۲۴ ستمبر بذریعہ اورینٹ انڈیز کے  
جہاز سے ہوگی۔

کمترین خواہہ شہاب الدین

(سفرنامہ جہاز حصہ دوم ص ۷)

ہوائی جہاز میں نماز باجماعت | حضرت مولانا تحریر فرماتے ہیں کہ دہلی  
سے ٹھیک ۷ بجے جہاز روانہ ہوا۔

مغرب کا وقت ہو گیا تھا میں نے جہاز ہی میں جماعت کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز  
ادا کی۔ ہوائی جہاز میں مجھے خاص طور سے یہ فائدہ محسوس ہوا کہ اللہ تعالیٰ  
کی طرف توجہ کامل رہتی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا فرشتوں کے قریب  
پہنچ گئے اور فرشتے ہی بن گئے ہیں۔ دُنیا کا دسوسہ اور دھیان بھی دل میں  
نہیں آتا۔ بس حضوری اور مشاہدہ کی حالت قائم رہتی ہے۔

(ایضاً ص ۷)

جناب لیاقت علی خاں وزیر اعظم پاکستان کو | حضرت مولانا نے جناب  
لیاقت علی خاں وزیر اعظم  
پاکستان سے اپنی ملاقات  
فائدہ اعظم کا جج بدل کرانے کی ہدایت

کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے :

”چلتے ہوئے میں نے کہا قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر حج فرض تھا جب  
وہ اپنا سب کچھ مال و متاع قوم کو دے گئے ہیں تو ان کی طرف  
سے حج بدل کر دینا چاہیئے۔ انہوں نے پوچھا کیا یہ ہو سکتا ہے کہ

میں اُن کی طرف سے حج کراؤں۔ میں نے کہا بہتر تو یہ ہے کہ اُنکے ترکہ میں سے اُن کی ہمیشہ صاحبہ مس فاطمہ جناح حج بدل کرائیں اور اگر وہ آپ کو بخوشی اجازت دے دیں تو آپ بھی کر سکتے ہیں۔ فرمایا میں ضرور اُس کی کوشش کروں گا۔ (ص ۱)

قربانی کے مسئلہ پر مکالمہ | سفر حج میں کراچی کے قیام کے دوران حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ایک منکر حدیث سے

قربانی کے مسئلہ پر اپنے مکالمے کا ذکر فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں :

میں نے کہا آخر آپ کے اس دعوے کی دلیل کیا ہے ؟ کہنے لگے قرآن میں

ہے ثم معلماط البیت العتیق جس سے معلوم ہوتا ہے کہ

شعار اللہ یعنی قربانی کا محل بیت اللہ ہے۔ میں نے کہا اول تو یہ آیت ہی قربانی

کے متعلق نہیں بلکہ ہدی کے متعلق ہے اور ہدی کے بارے میں ہم بھی یہی کہتے

ہیں کہ اس کو حرم میں ذبح کیا جائے۔ دوسرے اس کو قربانی کے لیے مان

لیا جائے تو لازم ہو گا کہ بیت اللہ کے اندر قربانی کی جائے کیونکہ آیت میں

منہی بیت العتیق کو فرمایا گیا ہے اب اگر کسی دلیل سے البیت العتیق کو بجائے

بیت اللہ کے پورے حرم پر محمول کریں گے تو اسی دلیل سے آپ کو یہ بھی ماننا

پڑے گا کہ آیت ہدی کے ساتھ خاص ہے۔ اضمحیہ کے متعلق نہیں ہے۔ اضمحیہ اور

ہدی میں فرق ہے ہدی وہ ہے جس کو عمرہ یا حج کا احرام باندھ کر ساتھ لیا جائے

یا بطور نذر یا کفارہ مکہ بھیجا جائے اور اضمحیہ وہ ہے جو بغیر حج و عمرہ کے اللہ کے

نام پر ایام اضمحیہ میں ذبح کی جائے۔ کہنے لگے حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے جانور مدینہ سے مکہ حضرت صدیق اکبرؓ

کے ساتھ روانہ کئے تھے۔ "میں نے کہا ہاں یہ ہدیٰ تھی اضحیہ نہ تھی کیونکہ حدیث ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ہر سال عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی کی ہے۔ صرف ایک سال حضرت صدیق اکبرؓ کے ساتھ ہدیٰ کے جانور مکہ بھیجے ہیں۔ اور ایک سال جب آپؐ نے خُود حج کیا تو اپنے ساتھ ہدیٰ لے گئے تھے۔" کہنے لگے میں جو حدیث قرآن کے موافق ہوگی مانی جائے گی اور جو اس کے خلاف ہوگی رد کر دی جائے گی قرآن سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کی جگہ مکہ ہے۔"

میں نے کہا غلط بلکہ بقول آپؐ کے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کی جگہ خاص بیت اللہ ہے۔ مگر اس کو کوئی عاقل بھی تسلیم نہیں کر سکتا کہ بیت اللہ یا مسجد حرام کو قربانی کے جانوروں کے خون اور گوہر و پیشاب وغیرہ سے ملوث کیا جائے تو جس دلیل سے آپؐ اس کو مکہ پر محمول کریں گے اسی دلیل سے ہم اس کو ہدیٰ کے ساتھ مخصوص کریں گے۔" کہنے لگے اگر ایسا ہے تو قرآن میں کسی جگہ تو یہ ہوتا کہ قربانی دوسری جگہ بھی ہو سکتی ہے۔"

میں نے کہا اسی آیت کے بعد دوسری آیت میں ہے وَلِكُلِّ امَّةٍ جَلْتَا مِنْكَ لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقْتَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْاَنْعَامِ دیکھتے ہیں شریعتیں گزری ہیں ان میں ہم نے ہر اُمت کے لیے قربانی کرنا۔ اس غرض سے مقرر کیا تھا کہ وہ ان مخصوص چوپاؤں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو عطا کئے تھے) تو کیا ہر اُمت کے لیے حکم تھا کہ مکہ میں جا کر قربانی کیا کریں؟ آپؐ کے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ پھر قرآن شریف میں مؤسسے علیہ السلام کا قول مذکور ہے ان اللہ یا مرقہ ان تدعوا بقرۃ (کہ اے بنی اسرائیل خدا

تم کو حکم دیتا ہے کہ ایک گلے یا بیل ذبح کرو اور آدم علیہ السلام کے بیٹوں کی قربانی کا بھی ذکر ہے۔ اذقربا قربانا فتقتل من احد صداد ولم یتقبل من الآخر۔ کہ دونوں نے قربانی کی ایک کی تو قبول ہوئی دوسرے کی قبول نہ ہوئی (تو کیا آپ یہ کہیں گے کہ یہ سب قربانیاں مکہ ہی میں ہوا کرتی تھیں؟ کہنے لگے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہر جگہ گھر گھر بلا وجہ قربانی کی جائے اور اتنے جانوروں کا خون کر کے روپیہ ضائع کیا جائے۔ بات یہ ہے کہ اس وقت مکہ والوں کی معاشی حالت خراب تھی۔ ان کا محل وقوع ایسا ہے جہاں پیداوار کم ہوتی ہے۔ نوادغیر ذی زرع اس لیے ان کی امداد کے لیے قربانی مقرر کی گئی کہ لوگ مکہ جا کر قربانی کیا کریں۔“

میں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تو مکہ والے اسلام اور مسلمانوں کے برابر دشمن اور درپے آزار و قتال ہی رہے حتیٰ کہ حضورؐ نے ان کے حق میں قحط کی بددعا کی تو وہ امداد کے لائق کب تھے؟ بلکہ اس وقت تو اہل مدینہ امداد کے قابل تھے کہ ہر طرف سے مسلمان سمٹ سمٹ کر ہجرت کر کے

مدینہ آرہے تھے۔ اگر قربانی کی یہ علت ہوتی تو بجائے ثلثۃ اشھار البیت العتیق کے ثلثۃ اشھار البیت الرسول فرمایا جاتا۔ پھر جو علت آپ فرما رہے ہیں قرآن میں تو ان کے لیے کہ نہیں ہے۔ محض آپؐ کی ہی بات ہے تو حیرت ہے کہ یا تو آپ کو صرف قرآن پر اصرار تھا کہ حدیث تک کو ماننے کے لیے تیار نہ تھے یا اب قیاس کو ماننے لگے جس کا درجہ حدیث اور اجماع کے بعد ہے بشرطیکہ قیاس کسی مجتہد کا ہو۔ مقلد کا قیاس تو کسی درجے میں بھی سمجھ نہیں میں نے بتا دیا ہے کہ قرآن سے قربانی کا ہر امت کے لیے اور ہر جگہ ہونا ثابت

ہے۔ ساتھ ہی حدیث سے یہ بات واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ہر سال قربانی کی ہے اور فرمایا من وجد سعة فلم یضحم فلا یقربن مصلانا (جو شخص وسعت کے باوجود قربانی نہ کرے وہ ہماری عید گاہ میں نہ آئے) اس حکم کے بعد مدینہ میں صحابہ کا قربانی کرنا اور ان کے بعد ہر زمانہ میں ساری اُمت کا ہر جگہ قربانی کرنا برابر متواتر چلا آ رہا ہے تو کیا ساری اُمت قرآن کی اس آیت کو نہیں سمجھی تھی آج آپ ہی اس کو سمجھے ہیں۔ اگر آپ کی فہم کو تسلیم کر لیا جائے تو آیت کا مطلب ایسا ہوگا جسے کوئی بھی عاقل قبول نہیں کر سکتا کہ قربانی بیت اللہ میں ہونی چاہیے۔ حالانکہ اس میں بیت اللہ کی تعظیم نہیں بلکہ سر اسر بے حرمتی ہے کہ سارا بیت اللہ اور اس کے ساتھ مسجد حرام بھی مسہ بانی کے جانوروں کے خون پیشاب اور گوبر سے ملوث ہوا کرے۔“

(ص ۱۳)

## افاداتِ خاصہ

نماز میں لاؤڈ سپیکر کا استعمال | اسی سفر میں کہ اجی میں حضرت مولانا کے سامنے مولانا احتشام الحق صاحب بھٹانوی نے نماز میں لاؤڈ سپیکر کے استعمال کرنے کا سوال اٹھایا اور کہا کہ آپ نے تو جواز کا فتوے دے دیا ہے مگر بہت سے لوگ حضرت حکیم الامت کے فتوے پر قائم ہیں اور نماز میں لاؤڈ سپیکر کے استعمال کو جائز نہیں سمجھتے۔ حضرت مولانا نے فرمایا۔ حضرت حکیم الامت نے اس بارے میں کوئی قطعی فیصلہ نہیں فرمایا بلکہ

جواز و عدم جواز کا مدار اس پر رکھا ہے کہ لاؤڈ اسپیکر سے امام ہی کی آواز بعینہ بلند ہوتی ہے یا صدائے بازگشت کی طرح یہ دوسری آواز ہے۔ پھر حضرت نے سائنس دانوں کے مختلف اقوال نقل فرما کر فیصلہ میں تردد کا اظہار فرمایا اور تردد کی صورت میں احتیاط یہی ہے کہ نماز میں لاؤڈ اسپیکر استعمال نہ کیا جائے۔ مگر مجھے اب ماہرین سائنس سے متفق ہو گیا ہے کہ یہ آواز امام ہی کی آواز ہے صدائے بازگشت نہیں۔ اس لیے مجھے تردد نہیں رہا۔ (ص ۱۵)

پھر حضرت مولانا نے مکہ معظمہ میں حکومت سعودیہ کے شیخ الاسلام عبداللہ بن حسن سے بھی اس سلسلہ میں مزید تحقیق فرمائی چاہی تو انہوں نے کہا کہ ہمارے نزدیک امام کی آواز اور اس کی بازگشت میں کوئی فرق نہیں۔ اگر کوئی صدائے بازگشت ہی کی اقتدار کرنے تو اس میں کیا مضائقہ ہے۔ (ص ۱۶)

## وقوف عرفہ سے پہلے مقاربت کا حکم

حضرت مولانا اپنے سفر نامہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے وقوف عرفہ سے پہلے اپنی بیوی سے مقاربت کر لی تھی جبکہ بیوی بھی احرام میں تھی۔ میں نے کہا عام طور سے متون اور شروح میں تو یہ لکھا ہے کہ اس صورت میں دونوں کا حج فاسد ہو گیا سال اُتندہ قضاء کریں مگر احرام حج بغیر افعال حج کے نہیں کھل سکتا اس لیے دونوں عرفات جائیں اور وقوف عرفہ و مزدلفہ کے منیٰ میں رمی اور ذبح وغیرہ کے بعد احرام کھول دیں لیکن مجھے یاد پڑتا ہے کہ ایک قول یہ بھی ہے کہ دونوں میقات پر جائیں اور وہاں سے دوبارہ احرام حج باندھ کر اُٹیں کیونکہ مقاربت سے صرف احرام سابق فاسد ہوا ہے جس سے دم واجب

ہوگا اور دوسرے احرام سے وقوف عرفہ و مزدلفہ کے حج صحیح ہو جائے گا۔  
 اور سال اُتدہ قضا لازم نہ ہوگی۔ مگر اس روایت کو نقل کر کے علامہ شامی  
 نے تامل بھی کیا ہے۔ مگر میں نے کہا احتیاط اسی میں مٹی کہ میقات سے دوبارہ  
 احرام باندھ لیا جاتا تاکہ کسی ایک صورت پر تو حج صحیح ہو جائے پھر خدا توفیق  
 دے تو اُتدہ بھی حج کر لیا جائے۔ (ص ۷)

اس واقع سے حضرت مولانا مرحوم کی جزئیات فقیہہ پر وسعت نظر  
 کے ساتھ دقت نظر اور شان تفقہ کا اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مولانا جناب  
 خلیل احمد صاحب سہارنپوری اور حضرت حکیم الامت تھانوی کی خدمت  
 میں عرصہ دراز تک علوم حدیث و فقہ کی خدمت کا جو موقع حضرت مولانا  
 مرحوم کو میسر آیا تھا اس کی برکت سے کس قدر گہری مناسبت حضرت مولانا  
 مرحوم کو ان علوم سے حاصل ہو گئی تھی۔ پھر اس کے ساتھ تقویٰ اور  
 احتیاط کے پہلوؤں پر بھی برابر نظر رہتی تھی۔

فوٹو کے بارے میں مولانا کا طرز عمل | وفد پاکستان کے سیکرٹری  
 مسٹر عبدالرشید صاحب نے

ترجمان کے ذریعے اس مجلس کا فوٹو لینے کی اجازت طلب کی جو سلطان بن  
 سعود کی ملاقات کے لیے منعقد کی گئی تھی تو اس وقت حضرت مولانا  
 مجلس سے باہر آ گئے اور جس جس موقع پر فوٹو لیا گیا مولانا مرحوم ہر موقعہ  
 پر الگ ہی رہے اور خود کو فوٹو سے بچانے میں کامیاب رہے البتہ  
 سعودی عرب کے وزیر مالیہ شیخ عبداللہ بن سلیمان سے جب وفد پاکستان  
 ملاقات کر رہا تھا اور حضرت مولانا بھی اس میں شریک تھے اس وقت مولانا

کی بے خبری میں آپ کا فوٹو بھی لے لیا گیا۔ مولانا نے اپنے سفر نامے میں تحریر فرمایا ہے کہ وفد پاکستان کے سیکرٹری یہاں بھی فوٹو گرافی سے نہ چوکے اور نہ معلوم کس وقت میرا فوٹو لے لیا کہ مجھے خبر نہ ہوئی۔ بعد میں بتایا گیا کہ جو وقت میں وزیر موصوف سے گفتگو کر رہا تھا اس وقت وہ باہر برآمدہ میں فوٹو لے رہے تھے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ میرے نزدیک فوٹولین اور اُترانا جائز نہیں۔ اگر کسی نے میرا فوٹو لیا ہے تو یقیناً میری بے خبری میں لے لیا ہے۔

(ص ۴۶)

دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں۔

اگرچہ آج کل ممالک اسلامیہ میں یہ وباد عام ہے کہ وہاں کے بعض علماء اور مفتیان کرام بھی اس سے پرہیز نہیں کرتے مگر علماء محققین نے برابر اس کو لعن اللہ المصورین کی وعید میں داخل سمجھا ہے اور ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا ہے چنانچہ علماء مصر میں علامہ محمد زاہد الکوثری سابق نائب شیخ الاسلام ترکی نے بھی فوٹو کو تصویر کے حکم میں داخل قرار دیا ہے اور ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔

(ص ۴۷)

حالات احرام میں اُگے سے سلی  
ہوئی لنگی پہننا جائز ہے

حضرت مولانا نے حالت احرام میں لنگی اور دھادی دارہ رنگین چادر استعمال کی تھی اور لنگی سامنے سے سلی ہوئی

تھی۔ مولانا مرحوم اس کو جائز سمجھتے تھے اور حضرت مولانا غلیل احمد صاحب کا حوالہ دیتے تھے۔ مولانا شبیر علی تھانوی مرحوم نے جب مولانا سے یہ سوال کیا کہ لنگی میں نیفہ ڈال کر اُگے سے اس کو سینے کی اجازت ہوگی یا نہیں اور

مبسوط کی بعض عبارتوں کا حوالہ بھی لکھا تو حضرت مولانا نے ان کو یہی جواب  
 ادا فرمایا تھا کہ میں نے حالتِ احرام میں خود ایسی لنگی استعمال کی ہے جو  
 آگے سے سلی ہوئی تھی البتہ نیفہ ڈالنا میرے نزدیک اچھا نہیں گونا جائز  
 وہ بھی نہیں۔“ (ص ۳)

احرام میں سفید کپڑا لازم نہیں | مولانا فرماتے ہیں کہ احرام میں لنگی اور چادر  
 کا سفید ہونا بھی ضروری نہیں۔ رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم نے سرخ ملہ یعنی میں احرام باندھا ہے۔ امام سفیان ثوری  
 نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ اس میں سرخ دھاریاں تھیں پورا سرخ نہ تھا بلکہ  
 دھاری دار تھا۔ (ص ۳)

عرفات و منیٰ میں امام کے | اس مسئلہ پر حضرت مولانا مرحوم نے مولانا  
 سید سلیمان ندوی سے اپنی گفتگو اس طرح  
 ساتھ نماز میں قصر کرنا | ادا فرمائی ہے۔ میں نے کہا: حنفیہ،  
 شافعیہ، حنبلیہ کے نزدیک امام مکی کو عرفات میں قصر کی اجازت نہیں  
 کیونکہ ان کے نزدیک مسافر کے سوا کسی کو قصر جائز نہیں اور مکہ سے عرفات  
 تک مسافت قصر نہیں ہے البتہ مالکیہ کے نزدیک عرفات و منیٰ میں قصر جائز  
 بلکہ لازم ہے۔ اہل نجد نے اس بابت میں مالکیہ کا قول اختیار کر لیا ہے  
 اور ان کا امام باوجود مکی اور معین ہونے کے عرفات و منیٰ میں قصر کرتا ہے۔  
 حالانکہ اس کے پیچھے ہر قسم کے مقتدی ہوتے ہیں (وہ بھی جن کے مذہب  
 میں یہ قصر صحیح نہیں) مولانا سید سلیمان صاحب کے خیال میں سب کے لیے قصر  
 جائز تھا۔ فرمانے لگے: بھائی لاکھوں آدمیوں کی نماز کا جو حال ہو گا وہی میری

نمازوں کا بھی یہی "نہیں نے کہا آپ کا خیال صحیح ہے۔ میرے نزدیک بھی اس قصر و جمع سے حنفیہ کی جماعت درست ہو گئی ہے کیونکہ اول تو امام حنفی المذہب ہے جس کے ہاں ایک دن کی مسافت پر قصر جائز ہو جاتا ہے۔ عرفات مکہ سے نو میل یا کچھ زیادہ ہے۔ اور یہ ایک منزل کی مسافت ضرور ہے۔ لہذا اپنے مذہب کے موافق وہ مسافر ہے مقیم نہیں۔

دوسرے جب انہوں نے اس مسئلہ میں مالکیہ کا قول اختیار کر لیا ہے تو یہ قصر مناسک حج کی وجہ سے ہے اپنے مذہب پر ان کی نماز صحیح ہو گئی۔ اور یہیں ان کی اقتدار جائز ہے۔

تیسری بات سب سے اہم یہ ہے کہ عرفات و منی اور مزدلفہ میں قصر کہنا اختلافی مسئلہ ہے اور حنفیہ کا قول ہے کہ مسائل اختلافیہ میں امام وقت کسی ایک قول کو ترجیح دیدے تو وہی جانب راجح ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ایسے مسائل میں امام کا فیصلہ قاطع نزاع ہوتا ہے اور اس وقت شیخ الاسلام حکومت نجد نے حج سے پہلے جمعہ کے خطبہ میں اعلان کر دیا تھا کہ عرفات و منی میں قصر کیا جائے تو میرے نزدیک حنفیہ کی نماز بھی قصر کے ساتھ درست ہو گی۔ البتہ جن لوگوں نے اپنی قیام گاہ یا خیموں میں جماعت کی ہو اور امام کے ساتھ نماز پڑھی ہو ان کو قصر کی اجازت نہیں۔ لیکن چونکہ اس موقع پر شمس الائمہ نے سخت بات لکھ دی ہے اس لیے باوجودیکہ میں وجوہ مذکورہ کی بناء پر قصر کو جائز سمجھتا ہوں اور امام کے ساتھ قصر کیا بھی تھا لیکن بعد میں احتیاطاً نماز کا اعادہ مناسب سمجھا تا کہ نماز مختلف فیہ نہ رہے۔ عمر میں کبھی کبھی توجح کا اتفاق ہوتا ہے

یہاں کی یہ چند نمازیں بھی مختلف فیہ رہیں۔ اس بات کو دل نے قبول نہیں کیا۔ (ص ۹۲)

حضرت مولانا نے اپنے اسی سفر نامے میں حکومت سعودیہ کو مشورہ دیا ہے کہ حکومت کو اس باب میں جملہ مذاہب کی رعایت لازم ہے کیونکہ جو ائمہ مبنی اور عرفات میں مقیم کو قصر کی اجازت دیتے ہیں وہ قمر کو واجب تو نہیں کہتے لیکن جو ائمہ قمر کی اجازت نہیں دیتے وہ مقیم پر اتمام کو واجب کہتے ہیں تو بہتر یہ ہے کہ امام مقیم مبنی و عرفات میں اتمام کرے تاکہ ہر مذہب پر نماز صحیح ہو جائے۔ اور کسی کو خلیجان باقی نہ رہے۔ (ص ۳۶)

حکومت کے روپے سے حج کرنا | حجاز مقدس سے حضرت مولانا کی واپسی پر مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ

اور مولانا ظفر احمد صاحب انصاری ارکان تعلیمات اسلامیہ بورڈ ملنے کے لیے قیام گاہ پر تشریف لائے تو مولانا انصاری نے بتایا کہ بعض اخباروں میں تو بجائے مولانا ظفر احمد عثمانی کے مولانا ظفر احمد انصاری لکھ دیا گیا۔ اس پر بعض دوستوں کے خطوط میرے پاس مبارک باد کے آئے اور بعض نے یہ بھی لکھا کہ حکومت کے روپے سے فرض تو ادا نہ ہو گا آپ کو دوبارہ حج کرنا ہو گا۔ حضرت مولانا نے فرمایا۔ میرا یہ حج تو نفلی ہی تھا فرض تو میں جوفانی میں ادا کر چکا ہوں۔ اس پر مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے فرمایا۔ تو کیا آپ اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ حکومت کے روپے سے فرض ادا نہیں ہوتا؟ حضرت نے فرمایا: میرا یہ جواب بعد تسلیم ہی کے تھا کہ اگر یہ مان لیا جائے تو میرا یہ حج فرض نہ رہتا بلکہ نفلی تھا۔ مفتی صاحب نے فرمایا اس باب میں تحقیق کیا ہے؟

مولانا نے جواب دیا۔ تحقیق تو آپ کو بھی معلوم ہے کہ جب کوئی شخص ایام حج میں مکہ پہنچ جائے خواہ کسی طرح سے بھی پہنچے۔ اگر اس نے پہلے حج نہیں کیا تو اب مکہ معظمہ پہنچ کر اس کے ذمہ حج فسخ ہو جائے گا۔

(ص ۱۸۲)

قبرستان میں نماز پڑھنا | حکومت سعودیہ کے شیخ الاسلام علامہ عبداللہ بن حسن نے بوقت ملاقات مولانا مرحوم سے دریافت فرمایا کہ قبرستان میں نماز پڑھنے کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟

آپ نے فرمایا قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا قطعاً حرام ہے۔ البتہ اگر قبر رابین بائیں یا پشت پر ہو اور نماز پڑھنے والا خصوصیت کے ساتھ قبر کی تحری (قصد) کر کے وہاں نماز نہیں پڑتا بلکہ ویسے ہی اتفاقاً کوئی دوسری جگہ اس سے بہتر نہ ہونے کے سبب نماز پڑھ رہا ہے تو جائز ہے۔ لیکن اگر قبر کی تحری (قصد) کر کے نماز پڑھ رہا ہے تو یہ مکروہ تحریمی ہے۔

شیخ الاسلام نے فرمایا کہ لوگ عام طور پر قبر کی تحری کر کے ہی وہاں نماز پڑھتے ہیں اس لیے ہم اس کو حرام سمجھتے ہیں اور آپ بھی اس کو مکروہ تحریمی فرماتے ہیں اس لیے آپ سے ہمیں کوئی اختلاف نہیں۔

(ص ۱۷۱)

جلالۃ الملک سلطان عبدالعزیز | منی کے راستے میں بہت عالیشان ابن سعود سے ملاقات اور گفتگو  
سلطان کا قصر بنا ہوا ہے جب وفد پاکستان کے ساتھ مولانا مرحوم

وہاں پہنچے تو سلطان کے خاص مقربین نے وفد کا استقبال کیا اور ممبران وفد کو بالائی منزل پر لے گئے جہاں سلطان اپنی محافظ جماعت کے ساتھ ایک کمری پر بیٹھے ہوئے تھے وفد نے السلام علیکم نبی جلالتہ الملک السلطان ابن سعود کہا۔ سلطان کے محافظ دستے نے فوجی قاعدے سے کھڑے ہو کر تلواریں نیام سے نکال کر سلام کا جواب دیا۔ سلطان نے وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ اعلیٰ وسہلاً ذکر جافرمایا اور مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔ ممبران وفد نے مصافحہ کیا اور سب اپنی اپنی کمریوں پر بیٹھ گئے۔ مولانا، سلطان کے سامنے قریب کی ایک کمری پر تشریف فرما ہوئے اور وفد کی نمائندگی کیے ہوئے ارشاد فرمایا :-

جلالتہ الملک ہم ممبران وفد پاکستان	جلالة الملك ! نحن وفد باكستان
جناب والا کی خدمت میں عالی جاہ کے	جئناکم وشد فئنا بظلائر اُنکم
ساتھ عاطفت سے مشرف ہوئے اور	لاستحکام الرباط الاسلامیہ
پاکستان اور حکومت سعودیہ عربیہ کے درمیان	بنینا و بین المملكة السعودیہ
روابط محبت و مروت کو مضبوط و مستحکم	العربیہ خاصۃ لکونہا فی مرکز
کرنے کے لیے حاضر ہوئے ہیں حکومت	الاسلام و قلبہ و بین الممالک
پاکستان تمام ممالک اسلامیہ سے عموماً اور	الاسلامیہ عامۃ لکونہا انخوا
مملکت سعودیہ عربیہ سے خصوصاً روابط	ننا فی الدین ۔
مروت قائم کرنا چاہتی ہے ۔	

کیونکہ مملکت سعودیہ مرکز اسلام اور قلب	و نحن شا کرو ن لما انعمت به علینا من
اسلام میں واقع ہے ہم آپ کے ان	الکرام واللطف الخاص بنا و کذا لک

حکومت پاکستان شاکرۃً لما تغفلتم علی  
 وقدھا من الاعزاز والاحلال لازالت  
 الحکومات متوافقین متعاخذتین  
 متطاعتین خادمین للاسلام والمسلمین  
 ابدًا ابدًا آمین۔ وقد سرنا ما رثینا  
 من اجتہاد المملكة السعودیہ العربیہ  
 فی دأحة الحجاج وامن الطریق و  
 حسن الضبط والنظم والعدل و  
 سعيها الجلیل فی اقامة شرائع الدین  
 وتکمیل ما یمتاجون الیه فی معا  
 یشھم والسلام علیکم ورحمة  
 اللہ وبرکاتہ۔

انعامات کا شکریہ ادا کرتے ہیں جو ہمارے  
 اعزاز میں لطف خاص کی شکل میں کئے گئے  
 ہیں اور حکومت پاکستان بھی انتہائی شکرگزار  
 ہے کہ اس کے دُفدر آپ کی حکومت نے  
 عزت و احترام کے جذبات کا مظاہرہ کیا ہے  
 خدا کے دونوں حکومتیں باہم شیر و شکر  
 ہو کر اور ایک دوسرے کی مدد و معاون بن کر  
 اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کا حق ادا کرتی  
 رہیں۔ ہمیں یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ  
 حکومت سعودیہ کو حجاج کی راحت و سانی  
 اور راستوں کے امن و امان کی حفاظت کا  
 بہت زیادہ اہتمام ہے اور شعائردین اور  
 امور معاش دونوں کی تکمیل و ترقی کا بہت  
 خیال ہے۔“

سلطان مرحوم نے جواب میں ارشاد فرمایا :

ہمیں بھی حکومت پاکستان اور مسلمانانِ پاکست<sup>ن</sup>  
 سے بڑی خوشی حاصل ہوتی ہے ہم ان کے لیے  
 ہر قسم کی خیر کی دعا کرتے ہیں اور سید عبدالمجید  
 خطیب ہماری طرف سے آپ کی تمام ضروریات  
 کی تکمیل کے ذمہ دار بنائے گئے ہیں۔“

عن فرعون بمملكة باكستان واهلها  
 جدا و فرعولهم بكل خير وهذا  
 السيد عبد الحميد الخطيب بنو  
 بنامی قضاء حوا یتحکم۔

ہوتے ہوئے جدہ کے قصر الملک میں ہوئی کیونکہ سلطان اس وقت جدہ میں قیام فرماتے۔ سلطان بہت تپاک سے پیش آئے اور جب رخصت ہونے لگے اور سلطان سے مصافحہ کیا تو سلطان نے تبسم کے ساتھ فرمایا: **انتہم صدیقنا الاول** "آپ تو ہمارے پرانے دوست ہیں۔ مولانا مرحوم نے شکریہ ادا کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:-

**نشکرکم علی ان لم تنفونا** "جناب کا شکریہ گزار ہوں کہ آپ مجھے بھولے نہیں۔" (صفحہ ۱۵۴)

سلطان ابن سعود مرحوم کے علاوہ وزیر مالیہ شیخ عبداللہ بن سلیمان اور نائب وزیر مالیہ شیخ محمد سرور صاحب اور امیر فیصل امیر مدینہ بہت سے مقتدر اعیان حکومت سعودیہ سے حضرت مولانا کی ملاقاتیں اور گفتگو میں ہوئیں رئیس القضاۃ عبداللہ بن مزاحم سے بھی ملاقات ہوئی۔ نیر عالم اسلام کے بڑے بڑے علماء و زعماء کرام سے ملاقاتیں ہوئیں جن میں مفتی اعظم فلسطین، عبدالوہاب عزام بے، امیر حجاج مصر، سفیر مصر، سفیر جیشہ، نمائندگان عراق، نمائندگان شام، مندوبین جرارد مصر، علماء مراکش، علماء شام اور علماء جرین البشیریین قابل ذکر ہیں۔ (صفحہ ۱۵۵)

طائف کے سفر میں منزل میل صغیر پہنچ کر حضرت مولانا مرحوم کو خیال آیا کہ غزوہ حنین انہی میدانوں میں کسی مقام پر پیش آیا ہے۔ جنگ حنین کا منظر آنکھوں کے سامنے آگیا۔ ایسے نازک مقام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ثابت قدمی کو یاد کر کے عشق و محبت رسول کی آگ بھڑک اٹھی اور زبان و قلب سے درود شریف جاری ہو گیا اور اپنے قصیدہ نعتیہ کے یہ اشعار

بے ساختہ زبان پر آگئے۔

اد ائیت فی الدنیا یتیمًا مثله  
ملك القلوب بهكذا التنصير  
او ابصرت یمناك مثل محمد  
من واهب الثمات المہجان غیور

کیا تم نے دنیا میں کوئی اور یتیم بھی دیکھا ہے،  
جس نے دلوں پر قبضہ کر کے انہیں اس  
طرح مسخر کر لیا ہو۔ یا تیری آنکھوں نے محمد کے  
برابر کوئی غیور نہ دیکھا ہے جو سو سو قیمتی اور نٹ  
ایک ایک آدمی کو دے دے۔

اد ائیت یاعین الزمان کا محمد  
من ادلی بالعطاء درود

یا اے چشم زمانہ تو نے احمد علی اللہ علیہ وسلم  
کی برابر کسی کو سخی نہ دیکھا ہے جس کی بخشش  
کا دریا برابر بہتا رہتا ہے۔

کلا و من یجد و کا محمد ماجدا  
جبل الوقاد بحومة العاثر

ہرگز نہیں کسی نے آپ جیسا شریفیت اور بلند  
مرتبہ بھی تو نہیں دیکھا جو ہلاکت خیز حالتوں میں  
کوہ وقار بن کر چلنے والا ہو۔ (ص ۱۲۳)

تبلیغی جماعت کے متعلق  
مولانا کے تاثرات

اپنے سفر نامہ میں حضرت مولاناؒ نے تبلیغی جماعت  
کا تعارف اس کے دستور العمل اور فوائد و  
منافع اور دوسرے ممالک میں اس کی

وسعت و ضرورت پر بہت تفصیل سے تجزیہ فرمایا ہے اور نہایت شاندار  
الفاظ میں اس جماعت کے کام کی تحسین اور جماعت کو خراج تحسین پیش فرمایا  
ہے اور اس کے ساتھ ہی ”مبلغین کی خدمت میں چند معروضات“ کے عنوان  
کے تحت نہایت مفید مشورے اور چند قابل توجہ امور کی نشاندہی فرمائی  
ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی افادیت و اہمیت کے پیش نظر

بعض اہم اور قابل اصلاح امور کا تذکرہ یہاں بھی کر دیا جائے۔ حضرت مولانا فرماتے ہیں :-

”تبلیغ کی ضرورت اور اُس کے فوائد پر روشنی ڈال چکا ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ اس کام کو اصول کے ساتھ کیا جائے تو اس وقت اسلام اور مسلمانوں کی سب سے بڑی خدمت اور وقت کی اہم ضرورت ہے لیکن افراط اور تفریط سے ہر کام میں احتیاط لازم ہے اس لیے چند امور پر تنبیہ ضروری ہے۔

۱۔ تبلیغی گشت کے بعض مواقع پر دیکھا گیا ہے کہ لوگوں کو زبردستی پکڑ کر مسجد کی طرف گھسیٹا جا رہا ہے، کسی کی کمر میں ہاتھ ڈالا جا رہا ہے۔ کسی کے گلے میں کہ بھائی چلو۔ بس اسی وقت سے نماز شروع کر دو کسی نے ناپاکی کا عُذر کیا تو زبردستی کٹوئیں یا تالاب پر لے جا کر منہلایا جا رہا ہے بعض اس سے بچنے کے لیے بھاگتے اور منہ چھپاتے ہیں۔ بعضوں کی زبان سے سخت کلمات نکل جاتے ہیں۔ یہ نازیبا صورتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کے لیے بھی پسند نہیں فرمائیں۔ چنانچہ ارشاد ہے :-

”امامن استغنی غانت له تعدی“

”جو شخص (دین سے) استغنا برتا ہے آپ اس کے درپے ہوتے ہیں“

حالانکہ حضورؐ کے ہاں کسی نازیبا غلو کا نام بھی نہ تھا۔

۲۔ بعض لوگوں کو اس کام کے لیے ایک چلہ یا دو چلہ دینے کی اس طرح ترغیب دی جاتی ہے جو امرار کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ وہ اپنے کاروبار کے نقصان کا غدر پیش کرتا ہے تو دعوے سے کہہ دیا جاتا ہے کہ تبلیغ کی برکت

سے تمہارا کچھ نقصان نہ ہوگا۔ چار ونا چار وہ اپنے کاروبار کو بُری بجلی صورت میں پھوڑ کر ایک دو چمکے کے لیے تبلیغ میں شریک ہو جاتا ہے اور جماعت کیساتھ دورہ کرتا رہتا ہے۔ جب واپس آکر کاروبار میں نقصان دیکھتا ہے تو ادھر ادھر شکایتیں کرتا اور جماعت کو بُرا بھلا کہتا پھرتا ہے۔ یہ بھی نازیبا صورت ہے ہر شخص خود کو مولانا محمد الیاس صاحب نہ سمجھے۔ وہ جن پر ایسا اصرار کرتے تھے ان کے لیے ہمت و توجہ کے ساتھ دعائیں بھی کرتے تھے جن کی برکت سے اس شخص کے دل میں اخلاص پیدا ہو جاتا تھا اور اخلاص کے بعد اللہ تعالیٰ کی مدد شامل ہو جاتی تھی اور تبلیغ میں ایک دو چمکے کی سعی اور مشغولی سے کاروبار میں بھی نقصان نہ ہوتا تھا بلکہ پہلے سے زیادہ برکت ہوتی تھی۔ اس لیے مولانا کو اس قسم کے اصرار کا حق تھا دوسروں کو یہ حق نہیں پہنچتا۔ مولانا پر عاشقانہ رنگ غالب تھا اور اللہ تعالیٰ اپنے عاشقوں کی مُرادیں پوری کرتے ہیں جن کو یہ مقام حاصل نہ ہو اس کو اُن کی نعتی نہیں کرنی چاہیے۔

۳۔ — جن لوگ تبلیغ کے سوا دوسرے تعلیمی شعبے میں مشغول ہیں اسلام کے طریقوں کو بے کار سمجھتے ہیں اور جو حضرات علماء و صلحاء اپنے اپنے طریقہ پر مدرس یا خانقاہوں میں درس حدیث و قرآن و فقہ اور تزکیہ نفوس میں مشغول ہیں ان کی تحقیر کی جاتی ہے اور تبلیغ کی فضیلت اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ سامعین کے قلوب میں دوسرے اسلامی کاموں کے لیے بے قدری اور بے وقعتی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ بھی غلو اور افراط ہے اگر سارے علماء و صلحاء ایک ہی کام میں لگ جائیں اور دوسرے تمام کام معطل کر دیئے جائیں تو علم

قرآن و حدیث و فقہ اور تزکیہ اخلاق و تکمیل ذکر اور تحصیل نسبت باطنہ وغیرہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ حق تعالیٰ نے جہاں یہ فرمایا ہے کہ وَلَتَكُنْ مِنْكُمْ اُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ کہ تم میں ایک جماعت (سب نہیں) ایسی ہونی چاہیئے جو نیکی کی طرف بلائے۔ نیک کاموں کا امر کرے۔ بُرے کاموں سے روکے۔ وہیں یہ بھی ارشاد ہے کہ قُلْ لَّا اَنفِرُ مِنْكُمْ قُلَّةً مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوا اِلَيْهِمْ۔ مسلمانوں کی ہر بڑی جماعت میں سے کچھ لوگ اس کام کے لیے کیوں نہیں نکلتے کہ دین میں تفقہ (اور کمال) حاصل کریں۔ اور جب اپنی قوم میں واپس آئیں تو ان کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرائیں۔ اسی طرح ایک جماعت اہل حکومت کی ہونا ضروری ہے۔ ایک جماعت سپاہیوں کی بھی ہونی چاہیئے۔ غرض اہل حرفہ، ذراعت، پیشہ، تجارت اور ملازمت کرنے والے سب ہی ہونے چاہئیں۔ البتہ ان سب کو اپنے اوقاتِ فرصت میں تبلیغِ احکام کی خدمت بھی جس قدر ہو سکے انجام دینی چاہیئے۔ (ص ۷)

۴۔ بعض دفعہ تبلیغ کے لیے پیادہ پا سفر کرنے کی اس عنوان سے ترغیب دی جاتی ہے کہ بُوڑھے اور کمزور بھی پیدل چلنے کو تیار ہو جاتے ہیں اور ان کو بجائے روکنے کے شاباش دی جاتی ہے یہ بھی نازیبا صورت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو پیادہ چلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا سوار ہو جا۔ اس نے عذر کیا کہ میرے ساتھ جو اونٹنی ہے وہ بدلتا ہے (جبہ اللہ کے نام پر ذبح کرنے کی نیت کر چکا ہوں)۔ کچھ دیر کے بعد آپ

نے پھر فرمایا سوار ہو جا۔ اس نے پھر وہی عُذر کیا۔ آپؐ نے تیسری بار فرمایا  
 ”اے کچھا دیلٹ“ ارے تیرا ناس ہو سوار ہو جا۔ غرض ایسے لوگوں  
 کا پیادہ چلنا اور دوز دراز کا سفر کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گوارہ  
 نہ تھا۔ امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ جن لوگوں پر حج فرض نہ ہو اور مشقت  
 کا تحمل بھی نہ کر سکیں ان کے سامنے حج کے فضائل اس طرح بیان نہ کرو کہ  
 وہ پیدل سفر کرنے پر آمادہ ہو جائیں پھر مشقت کا تحمل نہ کر سکیں تو حج اور  
 بیت اللہ کی عظمت ہی ان کے دل سے جاتی رہے اس سے تو یہی اچھا تھا  
 کہ وہ حج نہ کرتے کہ ان کے ذمہ فرض نہ تھا۔

اسی طرح پیدل سفر کے تبلیغ کے نام بھی فرض نہیں ہے تو اسکی ترغیب  
 اس طرح نہ دی جائے کہ جن کو مشقت کی عادت نہ ہو وہ بھی تیار ہو جائیں  
 اور تکلیف اٹھا کر تبلیغ کو دل میں پڑا کہیں۔

۵۔ بعض دفعہ مجمع عام میں تبلیغ کے لیے ایک چلہ دو چلہ دینے کی ترغیب  
 دی جاتی ہے اور جب کوئی نہیں بولتا تو نام لے کر پکارا جاتا ہے کہ میاں  
 فلانے تم کیوں نہیں بولتے۔ پھر جب لوگ نام لکھواتے ہیں تو یہ نہیں  
 دیکھا جاتا کہ یہ شخص شوق سے نام لکھوا رہا ہے یا لوگوں کی شرماٹھری سے۔  
 ہیں کوئی فوج تو بھرتی نہیں کرنی ہے۔ اس کام میں ان ہی لوگوں کو  
 لینا چاہیے جو خلوص اور شوق سے کام کرنا چاہیں۔ تجربہ یہ ہے کہ  
 جو لوگ شرماٹھری شریک ہو جاتے ہیں اصولوں کی پابندی نہیں کرتے بلکہ  
 بعض تو تبلیغ کے نام سے اپنے لیے چندہ کرتے پھرتے ہیں جس کا اثر  
 اٹنا اور بہت بُرا ہوتا ہے۔

۶۔ بعض حضرات نے تبلیغ کے چھ اصولوں ہی میں سارے دین کو منحصر سمجھ رکھا ہے۔ اگر کسی دوسرے دینی کام کے لیے اُن کو بُلایا جاتا ہے تو صاف کہہ دیتے ہیں کہ یہ کام ہمارے چھ اصولوں سے خارج ہے اس لیے ہم اس میں شریک نہیں ہو سکتے یہ بھی غلو اور افراط میں داخل ہے۔

۷۔ مبلغین عام طور پر تبلیغی گشت ہی کو کافی سمجھتے ہیں۔ مکاتب قرآنیہ اور مدارس دینیہ قائم کرنے کی کوشش نہیں کرتے حالانکہ جہاں قرآنی مکتب اور دینی مدارس نہ ہوں وہاں مکتب اور مدرسہ قائم کرنا بہت ضروری ہے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کو اس کا خاص اہتمام تھا۔

۸۔ دیکھا گیا ہے کہ تبلیغی اجتماعات میں امر و احکام اور وزراء کو شریک کرنے کی بڑی کوشش کی جاتی ہے یہ صورت بھی اچھی نہیں۔ بس ترغیب سے زیادہ کچھ نہ کیا جائے۔ اس کے بعد کوئی خود اپنے شوق سے آئے تو خوشی کی بات ہے زیادہ امر کی ضرورت نہیں۔

میں نے مکہ معظمہ میں مبلغین کو تاکید کی تھی کہ حجاز کے دیہات میں قرآنی مکاتب قائم کرنے کی کوشش کریں تاکہ بدھوں کا جہل دور ہو اور اُن کو علم سے مناسبت ہو جائے۔ امید ہے دوستوں نے اسکا اہتمام کیا ہوگا۔

(ص ۸۸)

جماعت تبلیغ کے لیے نصاب تعلیم و ذکر | مولانا تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دن مولانا محمد الیاس صاحب

نے فرمایا کہ میرا اصل مقصود یہ ہے کہ حضرت مولانا تھانویؒ کے علوم ہوں اور میرا طریقہ تبلیغ ہو تو مسلمانوں کی حالت درست ہو جائے۔ اس کے

بعد مجھے حکم دیا کہ جماعت تبلیغ کے لیے نصاب تعلیم اور نصاب ذکر الگ الگ قلمبند کر دوں۔ چنانچہ میں نے نصاب قلمبند کر کے پیش کئے تو بہت خوش ہوئے۔ اس نصاب میں حضرت حکیم الامتؒ کے رسائل و مواظظ اور تفسیر بیان القرآن کو خصوصیت کے ساتھ لیا گیا ہے اور نصاب ذکر میں بھی حضرت کی کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔ اگر جماعت تبلیغ ان نصابوں کے موافق تعلیم و ذکر کا اہتمام کرتی رہے تو حضرت مولانا محمد الیاسؒ صاحب کی یہ دلی آرزو پوری ہو جائے گی۔ (ص ۸۳)

افسوس کہ حضرت مولانا محمد الیاسؒ صاحب کی یہ آرزو پوری نہیں ہو سکی اور حضرت مولانا کے متوسلین و متبعین نے حضرت کا ندھلوی کے منشاء کے مطابق حکیم الامتؒ مولانا کا تھانویؒ کے علوم کو دنیا میں پھیلانے کی طرف مطلق توجہ نہیں کی۔ چنانچہ ان کی بے توجہی کے باعث اب تو یہ بھی نہیں معلوم ہو سکتا کہ حضرت مرحوم کے حکم سے تعلیم و ذکر کا جو نصاب حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے جماعت تبلیغ کے لیے حضرت حکیم الامتؒ کی ہی کتابوں سے مرتب کیا تھا اور حضرت مولانا محمد الیاسؒ صاحب نے اس پر اپنی پسندیدگی کا اظہار فرمایا تھا وہ کیا تھا؟ اور کیا ہوا؟

۹ ذی الحجہ ۱۲۶۸ھ [میدانِ عرفات میں مسلمانانِ عالم سے خطاب  
بروز اتوار نماز عصر

کے بعد سعودیہ براڈ کاسٹنگ کا پوریشن کے ایک افسر شیخ محمد صالح قزاز تشریف لائے اور حضرت مولانا سے عرض کیا کہ عرفات کے ریڈیو پر جو آپ کے خیمہ سے متصل ہی دوسرے خیمہ میں قائم کیا گیا ہے ادھ گھنٹہ اردو میں

تقریر کریں کیونکہ اب تک سب تقریریں عربی میں ہوئی ہیں۔ ضرورت ہے کہ ہندوستانی اور پاکستانی حجاج کے لیے اُردو میں بھی تقریر کی جائے۔ چنانچہ مولانا مرحوم اسی وقت ایک کاغذ پر مختصر نوٹ لکھ کر ریڈیو شیشن پہنچے اور حسب ذیل تقریر فرمائی :-

السلام علیکم ورحمة الله . لبیک اللہ لبیک : لبیک لا  
شریک لك لبیک ان الحمد والنعمة لك والملك لا شریك  
لك ، بعد الحمد والصلوة -

آج یہ پہلا موقع ہے کہ میں اس مقدس میدان عرفات میں مملکت سعودیہ عربیہ کے براؤ کا شنگ اشیشن سے تقریر کر رہا ہوں اور آج ہی کے مقدس دن سے اس کا افتتاح ہو رہا ہے۔ بندہ اس سال اس وفد کے ساتھ حاضر ہوا ہے جو حکومت پاکستان کی طرف سے حج کے موقع پر حکومت سعودیہ سے خصوصاً اور جملہ ممالک اسلامیہ سے عموماً روابط اتحاد و مروت کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے کے لیے بھیجا گیا ہے۔ حکومت سعودیہ عربیہ چونکہ قلب اسلام اور مرکز اسلام میں واقع ہے اس کے ساتھ روابط اتحاد و اخوت کا استحکام حکومت پاکستان کو بے حد مطلوب ہے اور خدا کا شکر ہے کہ ہم اس مقصد میں پوری طرح کامیاب ہوئے ہیں۔ حکومت سعودیہ عربیہ نے جس عزت و احترام اور لطف و کرم کا معاملہ ہمارے ساتھ کیا ہے ہم اس پر تہ دل سے ہدیہ تشکر و امتنان پیش کرتے ہیں۔

میں اس وقت میدان عرفات میں اس غرض سے تقریر کر رہا ہوں کہ مسلمانانِ پاکستان و ہندوستان کے علاوہ جملہ ممالک اسلامیہ کے مسلمانوں

تک میری آواز پہنچ جائے اور مجھے امید ہے کہ سب اس کو سمجھ بھی لیں گے کیونکہ انگریزی کی طرح اردو زبان بھی تقریباً تمام ممالک اسلامیہ میں پہنچ چکی ہے اور اس کے سمجھنے والے ہر طرف موجود ہیں۔ امید ہے کہ میرے اس بیان سے تمام ممالک اسلامیہ کے ساتھ پاکستان کے روابط اتحاد و اخوت کو تقویت حاصل ہوگی۔ اس تہید کے بعد میں بہت اختصار کے ساتھ اسرارِ حج اور فضائلِ حج کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

۱۔ فریضہ حج اسلام کے فرائض میں اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے۔ جس میں جذباتِ محبتِ الہیہ کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ تمام عبادات کا مقصد اظہارِ عبودیت اور شکرِ نعمت ہے۔ حج سے یہ دونوں مقصد پوری طرح ادا ہوتے ہیں عبودیت سے مراد اپنی بندگی، غلامی اور عاجزی کا اظہار ہے اور حج میں بالخصوص حالتِ احرام میں انتہائی تذلل ہوتا ہے۔ طوافِ کعبہ بیت اللہ کے وقت جب امیر و غریب، شاہ و گدا، عربی عجمی، ہندی سندھی، چینی ترکستانی، برمی جادی، ایرانی شامی، مصری عراقی، مرد و عورت، بچے بوڑھے، جوان اور بوڑھے سب ساتھ مل کر کعبۃ اللہ کے گمہ دھکے لگاتے ہیں تو ایک عجیب عاشقانہ اور والہانہ کیفیتِ قلب پر طاری ہوتی ہے اور اس وقت بے ساختہ بیت اللہ کی شان میں یہ کہنے کو جی چاہتا ہے :

غلامِ نرگس مست تو تاجدارِ اند  
خوابِ بادۂ لعل تو ہوشیارِ اند  
خمن بہ آں گلِ عارضِ غزلِ سرایم و بس  
کہ عندلیبِ تراز ہر طرف ہزارِ اند

حج میں اظہارِ عبودیت اور مظاہرہٴ عشق و محبت کے علاوہ شکرِ نعمت بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔ کیونکہ عبادت و وقف کی ہوتی ہے۔ بدنی جس میں جسمانی مشقت ہو اور مالی جس میں مال خرچ کرنا پڑے۔ حج میں دونوں باتیں جمع ہیں۔ مال بھی خرچ کرنا پڑتا ہے اور جسمانی کلفت و تعب بھی برداشت کرنی پڑتی ہے۔ اسی لیے حج فرض ہونے کے لیے مال اور صحتِ بدن شرط ہے۔ مگر سچ بتائیے گا کہ بیت اللہ پر نظر پڑتے ہی کیا آپ سفر کی تمام تکالیف و معائب کو بھول نہیں گئے تھے۔ بخدا بیت اللہ پر نظر پڑتے ہی ایسا معلوم ہوتا ہے گویا جنت میں پہنچ گئے جہاں قدم رکھتے ہی مسلمان بے ساختہ پیکار اٹھنے لگا الحمد للہ الذی اذهب عنا الحزن ان دینا الغفور الشکور۔ بیت اللہ کو دیکھتے ہی مسلمان راستے کی تمام کلفتوں کو ایک دم بھول جاتا ہے۔ حج میں درد کے ساتھ درماں اور زخم کے ساتھ مرہم بھی اعلیٰ درجہ کا ہے۔

ع۔ درد از یار است و درماں نیز ہم

دل فدائے آو شد و جاں نیز ہم

۲۔ ہر قوم و ملت کا ہر زمانہ میں دستور رہا ہے اور اب بھی ہے کہ لوگ اپنے کسی خاص مقدس مقام پر جمع ہوتے اور اپنی مذہبی روایات کی یاد تازہ کرتے، باہم تبادلہٴ خیالات کرتے۔ ایک دوسرے سے استفادہ کرتے، اپنی قوت و شوکت کا اظہار کرتے اور شعائر مذہب کی تعظیم بجالاتے ہیں۔ چنانچہ مذہب اسلام نے بھی اس دستور کو باقی رکھا اور اس غرض کے لیے بیت اللہ کو جو معظم شعائر اسلام میں سے ہے مقرر کیا ہے تاکہ ہر

سال اطراف و اکنافِ عالم سے یہاں مسلمان جمع ہوں اور باہمی ربط و ضبط اور جذباتِ اخوت کے ساتھ ایک دوسرے سے استفادہ کریں۔ اسلامی قوت و شوکت کا مظاہرہ کریں اور شعائرِ اللہ کی تعظیم بجا لاکر روایاتِ قدیمہ کی یاد تازہ کریں اور سب ایک مرکز پر جمع ہو کر لامرکزیت کے فتنہ سے محفوظ ہو جائیں۔ کیونکہ لامرکزیت سے بڑھ کر کوئی چیز بھی ہماری قومی زندگی کے لیے مضر نہیں۔

۳۔ حجِ باہمی اتحاد و اتفاق اور تعارف کا بہترین ذریعہ ہے جس میں ملتِ اسلامیہ کا عظیم الشان اجتماع اور بے نظیر مجمع ہوتا ہے اور مشرق و مغرب، جنوب و شمال سے مسلمان آتے اور باہمی تعارف کے ساتھ محبت و الفت کے جذبات کو ترقی دیتے ہیں۔ یہ ایسا عظیم الشان اجتماع ہے جس کی نظیر دنیا میں نہیں مل سکتی۔ یورپ والے تو اس کو اسلامی جنرل کانفرنس کے نام سے تعبیر کرتے ہیں اور افسوس کرتے ہیں کہ وہ اپنے یہاں آج تک ایسی اجتماعی کانفرنس قائم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

۴۔ حجِ کوئی نئی چیز نہیں ہے سب سے پہلے آدم علیہ السلام نے ہندوستان سے سفر کر کے حج کیا تھا تو غالباً یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ ہندوستان کو یہ فخر حاصل ہے کہ سب سے پہلے سفر حج کی ابتداء اس سرزمین سے ہوئی ہے جس میں ہندوستان، پاکستان اور لڑکاسب داخل ہیں۔ آدم علیہ السلام نے پیادہ پا چل کر چالیس حج کئے پھر تمام انبیاء علیہم السلام اپنے اپنے زمانے میں حج کرتے رہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے طوفانِ نوح کے بعد حکمِ خداوندی بیتِ اللہ کو دوبارہ تعمیر فرمایا تو اس وقت سے حج کو زیادہ ترقی

ہوئی چنانچہ جاہلیت کے زمانے میں بھی حج برابر ہوتا رہا۔ مگر اہل جاہلیت نے اس میں بہت سی شرکیات و لغویات شامل کر دی تھیں۔ شریعت اسلامیہ نے ان کی اصلاح کر کے اصل حج کو باقی رکھا تاکہ یہ قدیمی عبادت زندہ رہے اور شعائر الہیہ کی عظمت کا اظہار ہوتا رہے۔

۵۔ جن مقامات پر اعمال حج ادا کئے جاتے ہیں وہ ایسے مقدس مقامات ہیں جہاں انبیاء علیہم السلام پر حق تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوئی ہیں۔ جب مسلمان ان مقامات پر انبیاء کے اتباع میں وہ اعمال بجالاتے ہیں جو وہاں مشروع ہیں تو ان پر بھی رحمت الہیہ کا نزول ہوتا ہے۔

۶۔ ان مقامات کی زیارت سے انبیاء علیہم السلام کے واقعات اور ان کے صبر و رضا اور ثبات و تسلیم کا نقشہ سامنے آجاتا ہے اور بے اختیار ان کے اتباع کا داعیہ قلب میں پیدا ہوتا ہے اور اس طرح حج تزکیۂ نفس اور تکمیل ایمان کا بہترین وسیلہ بن جاتا ہے۔ مثلاً طواف کرتے ہوئے یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ بیت اللہ (خانہ کعبہ) بیت المعمور کے محاذات میں ہے اور آدم علیہ السلام زمین پر اترنے سے پہلے فرشتوں کے ساتھ ”بیت المعمور“ کا طواف کرتے اور تجلیات الہیہ سے سرفراز ہوا کرتے تھے۔ دنیا میں آکر انہوں نے ”بیت المعمور“ اور اُس کے انوار و تجلیات کو یاد کیا تو حق تعالیٰ نے عین اس کے محاذات میں خانہ کعبہ بنا دیا۔ تاکہ انسان بھی اس کا طواف کر کے اسی طرح اللہ تعالیٰ کو راضی کرے جس طرح ملائکہ بیت المعمور کا طواف کر کے خدا تعالیٰ کو راضی کرتے ہیں اور ان تجلیات و انوار سے اپنے قلوب و جوارح کو منور کریں جن

سے ملائکہ منور ہوتے ہیں۔ طواف بیت اللہ سے قوتِ ملکِ غالب اور قوتِ ہیمنہ مغلوب ہو جاتی ہے اور انسان کا روحانی معیار بلند درجہ پر پہنچ جاتا ہے۔  
روشن ضمیرِ قلوب کو طوافِ بیت اللہ میں جو کیفیت حاصل ہوتی ہے اس کو الفاظ سے بیان نہیں کیا جاسکتا۔

۵ حجِ مردمِ زیارتِ خانہ بود حجِ ربِ البیتِ مردانہ بود  
صفا و مروہ کے درمیان سچی کمرتے ہوئے حضرت ہاجرہ علیہ السلام کا واقعہ یاد آ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُن کو اپنے شیر خوار بچے حضرت اسمعیل علیہ السلام کے ساتھ وادیِ غیر ذیٰ ذریع میں چھوڑ دیا تھا اور وہ اللہ کی مرضی پر راضی ہو کر مبر و شکر کے ساتھ وادی مکہ میں تنہا رہ گئیں جہاں اس وقت نہ کوئی آدم تھا نہ آدم زاد، نہ چرند تھا نہ پرند، بالکل ہوکا میدان تھا۔ جب ان کا مشکیزہ خالی ہو گیا اور اسمعیل علیہ السلام کے لیے نہ دودھ دہا نہ پانی تو وہ پریشان ہو گئیں اور پانی کی تلاش میں سات دفعہ صفا و مروہ پر چڑھیں کہ شاید کہیں پانی کا نشان ملے۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ اداسند آگئی اور صفا و مروہ کی سعی کو حج و عمرہ میں قیامت تک کے لیے واجب یا مسنون کر دیا گیا۔

پھر حق تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو چشمہ زمزم ظاہر کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ جس جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پیاس سے ایڑیاں رگڑ رہے تھے اسی جگہ سے چشمہ زمزم پھوٹ نکلا جسے حضرت ہاجرہ علیہ السلام نے جلد جلد مٹی اور پتھروں سے گھیر دیا تو وہ کنوئیں کی شکل میں ہو گیا اگر وہ اس کو نہ گھیرتیں تو سارے میدان میں پانی ہی پانی ہو جاتا۔ یہ چار ہزار برس کا چشمہ

قُدْرَتِ اللہ کا کمرہ شہ ہے جس سے ہر سال اس قدر پانی نکالا جاتا ہے کہ دوسرے کنوئیں تک بھی کے ختم ہو جاتے مگر چشمہ زمزم برابر جاری ہے۔ اس واقعہ سے عورتوں اور مردوں کو سبق لینا چاہیے کہ ہاجرہ علیہ السلام کی قدر بلند ہمت بلند حوصلہ اور اللہ کی مرضی پر صابر و شاکر تھیں۔ اس واقعہ کو سوچو اور اپنے کلیجہ پر ہاتھ رکھ کر دیکھو کیا کسی مرد میں بھی ایسی ہمت پائی جاتی ہے جو حضرت ہاجرہ سے ظاہر ہوئی؟ اسی کا یہ صلہ ہے کہ قیامت تک کے لیے ان کی یادگار حج اور عمرہ میں باقی رہ گئی ہے۔ رَضِیَ اللہ تعالیٰ عنہما و عننا و ببلغنا الدرجات العلیٰ۔ من الجنة۔ آمین۔

زمزم چشمہ ہے کنواں نہیں ہے | مسلمانوں کو آب زمزم سے عقیدت ہے وہ اس کو شفا سمجھتے ہیں

تویورپ والوں کو اس میں عیب جوئی کی سوجھی۔ بعض ڈاکٹروں نے دعویٰ کیا کہ دیا کہ چونکہ یہ کنواں اوپر سے کھلا ہوا نہیں بلکہ ایک محفوظ قہر کے اندر ہے جہاں دھوپ کا گزر نہیں۔ اس لیے اس کا پانی صحت کے لیے مضر ہے، ان کو سن لینا چاہیے کہ یہ کنواں نہیں ہے بلکہ چشمہ ہے اور چشمہ کا پانی صحت کو مضر نہیں ہوتا خواہ بند ہو یا کھلا ہوا ہو۔ اور آب زمزم کا شفا ہونا تم کو معلوم نہ ہو لیکن لاکھوں مسلمانوں کا تجربہ اس پر شاہد ہے۔

دوسرے حج میں بمقام منی میرے دونوں بچوں کو سخت پیچش ہو گئی تھی کسی دوا سے فائدہ نہ ہوا تو میرے مطون محبوب مدتی مرحوم نے کہا کہ مکہ میں تو زمزم کے سوا کوئی دوا نہیں۔ چنانچہ اسی روز سے ان کو زمزم پلانا شروع کیا۔ لگے دن اچھے خاصے ہو گئے۔ خود میرا اپنا تجربہ ہے کہ مکہ میں رہتے

ہوئے جس قدر زمزم زیادہ پیا اسی قدر صحت اچھی رہی۔ عام طور سے سب مسلمانوں کا ایسا ہی تجربہ ہے البتہ منافقین اور کمزور ایمان والوں کو فائدہ نہ ہو تو اور بات ہے اور اس میں زمزم کا قصور نہیں۔ عمدہ سے عمدہ دوا بھی اسی وقت نفع کرتی ہے جب مریض کو اس کے نافع ہونے کا اعتقاد ہو اور پراعتقاد ہو۔ جن دواؤں کو نافع یا مضر کہا جاتا ہے ان کے نفع اور ضرر کا مدار تجربہ کے سوا کس چیز پر ہے؟ اب زمزم کے نافع اور شفاء ہونے کا تجربہ بہ ایک دو نے نہیں بلکہ لاکھوں مسلمانوں نے کیا ہے اور سینکڑوں سالوں سے تجربہ کہتے آرہے ہیں۔

میدان عرفات میں پہنچ کر وہ وقت یاد آ جاتا ہے جب اللہ تعالیٰ نے اس جگہ تمام مسلمانوں سے عہد و میثاق لیا، الست برکھہ (کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟) اور سب نے جواب میں عرض کیا تھا جلی شہدا (بے شک آپ ہمارے رب ہیں اور ہم سب اس کی گواہی دیتے ہیں)۔

یہاں پہنچ کر اس عہد و میثاق کی تجدید اور ایمان کی تکمیل ہوتی ہے۔ اسی مقام پر حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی تھی، الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت بکم الاسلام دینا (آج میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور اسلام کو تمہارے واسطے پسندیدہ بنا دیا) ایک یہودی نے یہ آیت سنی تو حضرت فاروق اعظمؓ سے کہا کہ اگر یہ آیت ہم یہودیوں پر نازل ہوتی تو ہم یہودی اس دن ہمیشہ عید منایا کرتے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھے یاد ہے کہ یہ آیت جمعہ کے دن میدان عرفات میں نازل ہوئی تھی جب کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقوف عرفہ کا فرض ادا کر رہے تھے۔ مطلب یہ تھا کہ ہم کو اپنی طرف سے عید منانے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہی اس آیت کو ایسے دن اور ایسے وقت میں نازل فرمایا ہے جو ہماری سب سے بڑی عید ہے کہ اُس کے برابر کسی دن بھی مسلمانوں کا اجتماع نہیں ہوتا اس نعمتِ عظیمہ کو یاد کر کے ہمیں اس کا شکر ادا کرنا اور احکام اسلام پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے کا عہد کرنا چاہیے۔

وقوف عرفہ کے بعد آپ مزولفہ جائیں گے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پوری اُمت کے لیے دُعائے مغفرت فرمائی تھی اور قبول کی گئی۔ اس منظر کو دیکھ کر شیطان ذلیل و خوار ہو گیا اور اپنے سر پر خاک ڈالنے لگا اسی سے مشعر حرام (مزولفہ) کی عظمت و برکت کا سکہ دل پر جتا ہے کہ اس جگہ دُعا قبول ہوتی ہے۔ پھر آپ یہاں سے منیٰ کو جائیں گے راستہ میں وادی محشر ملے گا جہاں اصحاب الفیل کو اللہ تعالیٰ نے ہلاک کیا تھا جو مین کی طرف سے لشکر جبرائیل لے کر ہاتھیوں کے جلو میں کعبہ اللہ کو ڈھلنے کے لیے آئے تھے جس کی طرف سورہ المدثر کیف فعل دبت باصحاب الفیل میں اشارہ کیا گیا ہے۔

اس میدان سے تیزی سے نکل جانے کا حکم ہے۔ اس واقعہ کی یاد سے بیت اللہ کی عزتِ دل میں بڑھ جاتی ہے اور مسلمانوں کو یقین ہو جاتا ہے کہ اللہ اپنے دین اور شعائر دین کا محافظ ہے جو اس کو مٹانا چاہے گا وہ خود مٹ جائے گا۔

پھر آپ منیٰ میں رمی جمار کریں گے۔ یعنی تین مقامات پر گنکریاں مارینگے

یہ وہ مقامات ہیں جہاں شیطان نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بہکایا تھا کہ ابراہیم علیہ السلام ان کو ذبح کرنے کے واسطے لے جا رہے ہیں اپنے کو بچالیں اور باپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا آج تک کسی باپ نے اپنے بیٹے کو ذبح بھی کیا ہے جو وہ مجھے ذبح کریں گے؟ شیطان نے کہا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ خدا نے ان کو حکم دیا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا: کم بخت! پھر تو مجھے خدا کے حکم سے بہکانا چاہتا ہے۔ یہ کہہ کر اُس کے کنگریاں ماریں جن سے وہ زمین میں دھنس گیا۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے خلیل کے بارہ سالہ بچے کی یہ ادالہ پسند آئی۔ اور قیامت تک کے لیے ان مقامات پر کنگریاں مارنا حج میں لازم ہو گیا۔ اس واقعہ کی یاد سے مسلمانوں میں قربانی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ اللہ کے راستہ میں اپنی جان و مال قربان کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ پھر جس طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام کے عوض جنت کا ذنبہ ذبح کیا گیا تھا اسی طرح ہر مسلمان صاحب استطاعت اپنی جان کے نذیر میں ایک جانور کی قربانی کرتا ہے۔

غرض اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے والوں کے لیے حج بڑا امتحان ہے جو سچے عاشق ہیں وہ سب چیزوں کو چھوڑ چھاڑ کر مستانہ وار کھڑے ہو جاتے ہیں اور تکالیف سفر کی پرواہ نہیں کرتے اور جو نام کے مسلمان ہیں وہ باوجود استطاعت کے سینکڑوں پہلے کر کے حج جیسی دولت سے محروم رہ جاتے ہیں۔

۱۔ سفر حج دینی اور دنیوی ہر لحاظ سے بہترین سفر ہے۔ اس سے

اقوام عالم کے اخلاق و عادات و اطوار کا پتہ چلتا ہے۔ مختلف تجربات اور منافع ہوتے ہوتے ہیں۔ موجودہ اور گزشتہ اقوام کے مقامات و حالات کو دیکھ کر خاص عبرت حاصل ہوتی ہے۔ مقامات مقدسہ مکہ و مدینہ کی زیارت مسلمانوں کے لیے خصوصیت کے ساتھ قابل اہتمام ہے کہ اس جگہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مولود و مسکن اور ہجرت گاہ و مدفن ہے۔ دینی حیثیت سے ان مقامات کو مرکزی شان حاصل ہے۔ بیت اللہ مسلمانوں کا قبلہ ہے جس کی زیارت اور طواف کرنا اور وہاں نماز ادا کرنا گویا دربار الہی میں حاضر ہونا ہے۔ ان مقامات کی زیارت سے عروج اسلام کا نقشہ سامنے آ جاتا ہے اور مسلمانوں کو اپنے زوال کے اسباب پر غور کرنے کا موقع ملتا ہے۔

۸۔ سفر حج، سفر آخرت کا نمونہ ہے۔ جب حاجی اپنے گھر سے چلتا ہے تو احباب و اقارب سے رخصت ہوتا اور سب سے معافی چاہتا اور ضروری امور کے متعلق وصیت کرتا ہے کیونکہ اُس کو خیال ہوتا ہے کہ شاید وہاں سے واپسی نہ ہو اور اس مقدس زمین میں آخری وقت آجائے جس کی تمنا ہر قلبِ مومن میں موجزن ہے۔ احرام کا لباس پہنتے ہوئے کفن یاد آ جاتا ہے کہ ہر امیر و غریب کے ساتھ مرتے وقت دو کپڑوں سے زیادہ کچھ نہ جائے گا۔ میدانِ عرفات میں اطرافِ عالم سے انسانوں کا اجتماع، آفتاب کی تمازت، دھوپ کی شدت روزِ محشر کا نمونہ ہوتا ہے جس طرح قیامت کے دن ہر شخص کو اپنی فکر ہوتی ہے دوسروں سے بات کرنا ہی گراں گزرتا ہے۔

۹۔ حج میں توحید اور کمال اطاعت و انقیاد کا مظاہرہ ہے۔ بار بار لبیک اللہم لبیک لبیک لا شریک لک لبیک پکارنا توحید کا زبردست اعلان ہے

پھر حج کے افعال و اعمال تمام ترتیبی ہیں۔ قیاسی و عقلی نہیں۔ بندہ ان اعمال کو محض حکم کی وجہ سے ادا کرتا ہے خواہ ان کی حکمت اُس کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ جہاں طواف کا حکم ہے چکر کاٹتا ہے جہاں دوڑنے کا حکم ہے دوڑتا ہے جہاں ٹھہرنے کا حکم ہے ٹھہرتا ہے جہاں کنکریاں مارنے کا حکم ہے کنکریاں مارتا ہے عقل کو تابع فرما کر بنا کر محبت و عبودیت کی بناء پر ہر حکم کی تعمیل کرتا ہے جس سے عبدیت کامل اور ایمان مکمل ہو جاتا ہے۔

۱۔ اب میں اس خطبہ پر اپنی تقریر ختم کرتا ہوں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میدانِ عرفات اور یوم النحر میں اسی مقام پر دیا تھا۔ آپ نے یومِ عرفہ میں فرمایا تھا :-

الاکل بنی قدمفت دعوتہ الا

دعوتی او حرثتھا عذربی

یوم القیمہ اما بعد فان الانبیاء

مکاثرونی فلا تخزونی فانی

جامس لکم علی باب الخوض

وفی روایۃ ولا قالوا علی اللہ فانه

من قال علی اللہ یکذبہ (طبرانی

فی الکبیر عن ابی امامہ) ان

النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

قال یوم حجة الوداع ان اللہ

یقول یا ایہا الناس اما خلعتکم

دعا کے کہ میں نے اس کو قیامت تک کے لیے اللہ تعالیٰ کے پاس ذخیرہ کر کے رکھ چھوڑا ہے۔ اما بعد انبیاء کا مجھ سے مقابلہ ہو گا تو مجھے ان کے سامنے رسوا نہ کرنا۔ میں تمہارے انتظار میں اپنی حوض کے دروازہ پر بیٹھا ہوں گا تو ایسے کام نہ کرنا کہ میرے پاس پہنچ جاؤں ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے اوپر قسم نہ کھاؤ کہ خدا کی قسم ایسا ضرور ہو گا کیونکہ جو اللہ پر قسم کھاتا ہے خدا اس کو مجھوٹا کر دیتا ہے۔ نیز فرمایا کہ اللہ تعالیٰ

من ذکر و انشی وجعلناکم شعوبا  
 و قبائل لتعارفوا ان اکر مکم عند اللہ  
 اتقا کہ فلیس لعربی علی عجمی فضل  
 ولا لجمی علی عربی فضل ولا لاسود  
 علی ابیض فضل ولا لابیض علی اسود  
 فضل الا بالتقویٰ - یا معشر قریش  
 لیجئیکو بال دنیا تمحلونها علی رقابکم و  
 یجئئ الناس بال آخرۃ فانی لا اغنی  
 عنکم من اللہ شیئاً (طبرانی من  
 الکبیر عن الحداد بن خالد عن عمرو بن  
 الاحوص قال شهدت حجة الوداع  
 مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فعبد  
 اللہ واشتفی علیہ و ذکر و بعظائم قال  
 ثلاثا ای یوم احرم؟ قالوا یوم العجم الذکیر  
 قال فان و ما یرکم و اموالکم و اعداؤکم  
 علیکم حرام کم مة یومکم هذا فی بلدکم  
 هذا فی شہرکم هذا الا لایغنی جان الا  
 علی نفسه ولا لجن و الوعلی ولد لا  
 ولا ولد علی والدہ - الا ان المسلم اخا  
 المسلم فلیس علی المسلم من امیہ شیئ ولا ما اهل

فرماتے ہیں۔ اے لوگو! ہم نے تم کو ایک  
 مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو خاندانوں  
 اور قبیلوں میں اس لیے تقسیم کر دیا کہ آپس میں  
 ایک دوسرے کی شناخت کر سکو اور یقیناً اللہ  
 کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزیز وہ  
 ہے جس سے زیادہ متقی ہو۔ پس عربی کو عجمی  
 پر بھی کو عربی پر کالے کو گورے پر گورے  
 کو کالے پر کچھ فوقیت نہیں مگر تقویٰ سے  
 (البتہ فضیلت ہوگی) اے گروہ قریش! دیکھو  
 ایسا نہ ہو کہ تم تو دنیا کو اپنی گمراہیوں پر لاد  
 کر لادو اور دوسرے لوگ آخرت کو لائیں۔  
 (تم دنیا کے طالب بنو اور دوسرے آخرت  
 کے طالب ہوں) کہ اس صورت میں تم کو اللہ  
 (کے عذاب) سے کچھ نہ بچا سکوں گا۔ اپنے  
 حج و راع میں اللہ کی حمد و ثنا کی اور تذکیر و  
 نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کون سا دن سب  
 سے زیادہ حرمت والا ہے؟ لوگوں نے کہا  
 حج اکبر کا دن (زیوم عرفہ) فرمایا تو سن لو کہ  
 تمہاری جان تمہاری آبرو، تمہارے اموال  
 کی حرمت آپس میں ویسی ہی ہے جیسے

مِنْ نَفْسِ الْاَوَانِ كُلِّ رِبَافِي الْجَاهِلِيَّةِ  
 مَوْضُوعَ لَكُمْ رُؤُوسِ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ  
 وَلَا تَظْلَمُونَ غَيْرَ رِبَا الْعِبَاسِ ثَانِي مَوْضِعُ  
 كُلِّهِ الْاَوَانِ كُلِّ دِمِ كَانِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ  
 مَوْضُوعَ وَاوَّلِ دِمِ اَضْعَ مِنْ دِمِ الْجَاهِلِيَّةِ  
 دِمِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمَطْلَبِ وَكَانَ مَسْتَرِ  
 مُعَاوِيَةَ بْنِ لَيْثٍ فَفُتِلَ هَذَا  
 الْاَوَانِ اسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا فَاَنْهَن  
 عَوَانَ عِنْدَكُمْ لَيْسَ تَطْلُكُونَ شَيْئًا  
 غَيْرَ ذَلِكَ الْاَوَانِ يَاسِينَ بِفَاحِشَةٍ  
 مَبِينَةٍ فَاَنْ فَعَلْنَ فَاهَجَبْنَ وَهْنُ  
 فِي الْمَضَاجِعِ وَاحِدٌ يَوْهَنُ  
 مِنْدٍ بِغَيْرِ مَبْرَحٍ فَاَنْ اطْعَنَكُمْ  
 فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا الْاَوَانِ  
 لَكُمْ عَلَى نِسَائِكُمْ حَقٌّ وَنِسَائِكُمْ  
 عَلَيْكُمْ حَقٌّ فَاَمَّا حَقُّكُمْ عَلَى نِسَائِكُمْ  
 فَلَا يُوْطِئَنَّ فَرْشَكُمْ مِنْ تَكْرِهٍ هَوْنٍ  
 وَلَا بَازَنَةٍ فِي بَيْتِكُمْ لَمْ يَنْ  
 تَكْرَهُنَّ الْاَوَانِ حَقُّنَّ عَلَيْكُمْ  
 اِنْ عَمَسُوا اِلَيْهِنَّ فِي كَسْوَتِهِنَّ

اس دن کی حرمت اس زمین میں اس  
 مہینہ میں ہے سن لو! ہر شخص کا جرم اسکی  
 ذات کے ساتھ جاری ہے کوئی باپ اپنے بیٹے  
 کے جرم میں اور کوئی بیٹا اپنے باپ کے جرم  
 میں گرفتار نہ کیا جائیگا۔ سن لو ہر مسلمان مسلمان  
 کا بھائی ہے کسی مسلمان کو اپنے کسی بھائی  
 کی کوئی چیز حلال نہیں سوا اس کے کہ جو  
 وہ حلال کر دے (ہبہ کر دے یا بیع کر دے)  
 سن لو جاہلیت کا سود سب ساقط ہے  
 بس تم کو اصلی مال ملے گا۔ نہ تم کسی پر ظلم کر دو  
 نہ تم پر ظلم کیا جائے گا اور حضرت عباسؓ  
 کا سود پورا کا پورا ساقط ہے (ان کو اصل  
 مال بھی نہ ملے گا) جاہلیت کے خون سب  
 ساقط ہیں (اب ان کا مطالبہ نہیں ہو سکتا)  
 اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کے  
 خون کو ساقط کرتا ہوں جو جاہلیت میں ہوا  
 تھا۔ یعنی حارث بن عبدالمطلب کا خون جن کو  
 ہنزہل نے مار ڈالا تھا۔ سن لو عورتوں کے  
 ساتھ اچھا سلوک کرنا کیونکہ وہ تمہارے  
 پاس بمنزلہ قیدی کے ہیں۔ اس کے سوا تم کو

دطعامهن - وفي رواية الادان  
 الشيطان قد است - ان يعبد  
 في بلدكم هذا ولكن ستكون  
 اطاعة فيما تحتقرون من  
 اعمالكم وسيوفى به -  
 (المترمزي وللشيخين نحوه)  
 عن ابن عمر (ان الزمان  
 قد استداركم حيثكم يوم خلق  
 الله السموات والارض السنة  
 اثنا عشر شهرا منها اربعة  
 حرم ثلاث متواليات ذو  
 القعدة وذو الحجة والمحرم  
 ورجب منصر الذی بین  
 جمادى وشعبان ای شهر  
 هذا قلنا الله ورسوله اعلم  
 فسكت حتى قلنا انه سيمنه  
 بغير اسمه فقال اليس ذلك  
 ذو الحجة؟ قلنا بلى قال اے  
 بلد هذا؟ قلنا الله ورسوله  
 اعلم فسكت حتى قلنا انه

ان پر اور کچھ حق نہیں۔ البتہ اگر وہ کھلی  
 بے حیائی پر اتر آئیں تو (اول) ان کے  
 پاس لیٹا جھوڑو اور (اس سے بھی  
 درست نہ ہوں) تو ہلکی مار مارو جس سے  
 خون نہ نکلے، پھر اگر وہ تابعدار ہو جائیں  
 تو ان پر زیادتی کے لیے پہلے زمت  
 ڈھونڈو۔ سن لو! ایک حق تمہارا غمخوار  
 پر ہے ایک حق اُن کا تم پر ہے۔ تمہارا  
 حق تو یہ ہے کہ تمہارے بستر پر ایسے  
 آدمیوں کو نہ لیٹنے دیں جن سے ان کو ناگواری  
 ہے اور تمہارے گھر میں ایسے لوگوں  
 کو نہ آنے دیں جن کو تم پسند نہیں کرتے  
 اور ان کا حق اور تمہارے یہ ہے کہ  
 کھانے پکڑے میں ان کے ساتھ احسان کرو  
 (تنگ نہ رکھو) سن لو! شیطان اس سے  
 مایوس ہو چکا ہے کہ تمہاری سرزمین میں  
 اس کی عبادت کی جائے لیکن محض کاموں میں  
 اس کی اطاعت کی جائیگی جن کو تم معمولی بات  
 سمجھو گے اور وہ اس سے خوش ہو جائیگا  
 نیز فرمایا زمانہ اسی حالت پر گردش و انقلاب

نَسِیمِیۃٌ بَغِیرَ اسْمِہِ فَقَالَ  
 اَلِیْسَ ذَٰلِکَ ذُو الْحِجَّہِ ؟  
 قُلْنَا بَلٰی قَالَ اَیُّ بِلَدٍ هٰذَا  
 قُلْنَا اللّٰہُ وَرَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی عَلَیْہِ  
 اَعْلَمُ فَکَسَتْ حَتّٰی قُلْنَا اِنَّہُ  
 سَلِیْمِیۃٌ بَغِیرَ اسْمِہِ قَالَ اَلِیْسَ  
 الْبِلَادُ الْحَرَامُ ؟ قُلْنَا بَلٰی  
 قَالَ فَاَیُّ یَوْمٍ هٰذَا ؟ قُلْنَا  
 اللّٰہُ وَرَسُولُہُ اَعْلَمُ فَکَسَتْ  
 حَتّٰی قُلْنَا اِنَّہُ نَسِیْمِیۃٌ  
 بَغِیرَ اسْمِہِ قَالَ اَلِیْسَ  
 یَوْمُ النَّحْرِ ؟ قُلْنَا بَلٰی قَالَ فَاَن  
 دِمَاءُکُمْ وَ اَمْوَالُکُمْ وَ  
 اَعْرَاضُکُمْ عَلَیْکُمْ کَحِ مَتِّ یَوْمِکُمْ  
 هٰذَا فِی بِلَدِکُمْ هٰذَا فِی شَہْرِکُمْ  
 هٰذَا وَ سَتَلْقَوْنَ دِیْکُمْ فِی سَبَیْلِکُمْ  
 عَنْ اَعْمَالِکُمْ اَلَا قُلْنَا  
 تَرْجِعُوْا بَعْدَیْ کِفَارٍ اِلَیْہِمْ  
 بِعَقْلِکُمْ رَتَابٌ بَعْضُہُ اِلَیْہِمْ  
 الشَّہَادَةُ الْغَائِبَةُ

کے بعد آگیا ہے جس پر اس دن تھا اس نے  
 آسمان وزمین کو پیدا کیا تھا۔ سال کے بارہ  
 مہینے ہیں جن میں سے چار مہینے محترم ہیں ذیقعدہ  
 ذوالحجہ، محرم اور رجب۔ پھر فرمایا کہ کون سا  
 مہینہ ہے؟ صحابہ نے کہا اللہ ورسول ہی زیادہ  
 جانتے ہیں۔ انکو یہ گمان ہوا کہ شاید آپ کوئی  
 دوسرا نام رکھنا چاہتے ہیں فرمایا کیا یہ ذی الحجہ نہیں  
 ہے؟ صحابہ نے کہا بیشک پھر تو چاہیہ کوئی بستی جو  
 صحابہ نے کہا اللہ ورسول اعلم۔ فرمایا کیا یہ بلالہولم  
 نہیں ہے؟ عرض کیا گیا بیشک فرمایا یہ کون سا دن ہے؟  
 صحابہ نے کہا اللہ ورسول اعلم فرمایا کیا یوم النحر  
 نہیں ہے؟ عرض کیا بیشک فرمایا تو سن لو کہ تمہاری  
 جان و مال و آبرو کی ہر شے ہر شخص پر دی ہی ہے  
 جیسے اس دن کی خدمت اس سرزمین میں اس  
 مقدس میدان میں ہے تم اپنے رب سے  
 ضرور ملو گے اور وہ تمہارے اعمال کی  
 باز پرس کرے گا۔ تو دیکھو میرے بعد  
 کافروں کی طرح ایک دوسرے کی  
 گردن نہ مارنا۔ خبردار! جو یہاں  
 موجود ہے وہ غائبین کو پہنچا دے۔

فَلْعَلْ بَعْضُ مَنْ يَبْلُغُهُ اِنْ يَكُوْنُ      كِيُوْنَكُم مَّكُنْ هَيَّ كَهَيَّ كُوْنِيْهَ بَاتِ بِنِجَانِيْ جَانِيْ  
 اَوْحٰى مِنْ بَعْضِ مَنْ سَمِعَهُ ثُمَّ      وَهْ مَنْ سَمِعَهُ وَالْوَدَّ سَيَّادَهُ سَمْعُهُ بُوْمِ  
 قَالَ الْاَهْلُ بَلَّغْتَ الْاَهْلَ بَلَّغْتَ      دَوْتِيْنَ بَارُوْجَا كَهَيَّ بَلَّغْتَ مِيْنَ نِيْ تَمَّ كُوْدِيْنَ  
 قُلْنَا نَعَمْ قَالَ اَللّٰهُمَّ اَشْهَد      بِنِجَانِيْ دِيَا سَبَّ نِيْ كِهَا بِيْ بِيْ شَكَّ بِنِجَانِيْ  
 (لِلْبَخَارِيِّ) وَدَلَّسْتُ كُلَّهُ      دِيَا اَبِيْ نِيْ فَرِيَا اِيْ اَللّٰهُ اَبِيْ كُوَاهِ رِيْ  
 بِزِيَادَةٍ وَزَادَ اِزْنِيَا فِيْ اَخْرَجَتْ      اِيْكَ رُوَايَتِيْ يِيْ هَيَّ كِهَا اَبِيْ نِيْ فَرِيَا  
 ثَلَاثٌ لَا يَغْلِبُ عَلَيْهِمْ قَلْبُ      تِيْنَ جِيْزُوْدِيْ مِيْنَ سِلْمَانِ كَادِلْ خِيَانَتِيْ هَيَّ  
 مُسْلِمٌ اَخْلَصَ الْعَمَلُ لِلّٰهِ وَمَنَاجِعَةٌ      كَرْتَا اِيْكَ اَللّٰهُ كِهَيَّ عَمَلِيْ كُوْخَالِيْ كِهَيَّ  
 وَلاَقَةُ الْمَامِرِ وَنَزْدَمُ جَامِعَةُ الْمُسْلِمِيْنَ      مِيْنَ دُوْصَرِيْ اَحْكَامِ مُسْلِمِيْنَ كِيْ خَبَرُ خَوَا بِيْ كِهَيَّ  
 فَاِنْ دَعَوْتَهُمْ تَحِيْطُ مِنْ      هَيَّ تَمِيْرِيْ مِلْمَانُوْ كِيْ جَامِعَتِيْ كِهَيَّ  
 وَرَاثَتُهُمْ -      رَهْنِيْ مِيْنَ كِيُوْنَكُم اِنْ كِيْ دُعَايِيْ اِنْ كِهَيَّ

پشت پناہی کرتی ہیں۔

اب میں اپنا بیان ختم کرتا ہوں اس دن کا جتنا حصہ باقی ہے اس کو  
 غنیمت سمجھئے۔ غروب آفتاب کے ساتھ ساتھ یہ محفل مقدس ختم ہو جائے گی۔  
 ان ساعتوں کو دُعا اور توبہ و استغفار اور تضرع و زاری میں گزار بیٹے  
 اور جو مانگنا ہے مانگ لیجئے۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل عرفات  
 سے فرشتوں کے سامنے مباہات فرماتے ہیں یعنی اپنی خوشی کا اظہار فرماتے  
 ہیں کہ اے فرشتو! دیکھو یہ میرے بندے دُور دروازے میرے گھر کی  
 زیارت کے لیے آئے ہیں۔ وہ بلیک پکارتے ہوئے یہاں جمع ہوئے ہیں  
 تم گواہ ہو میں نے ان سب کو بخش دیا۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ میرے بندو!

واپس جاؤ۔ میں نے تم کو بخش دیا ہے۔ دُعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو ان لوگوں میں شامل فرمائیں جن کے ساتھ ملائکہ کے سامنے مباہات کی جائے گی۔ اور یہ بھی دُعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ پاکستان کو مضبوط بنائے۔ اس میں قانون شرعی کا جلد نفاذ ہو جائے اور کشمیر و فلسطین دونوں فتح ہو جائیں۔ یہود و ہندو کی سلطنت تباہ و برباد ہو جائے جو مسلمانوں پر ظلم و ستم ڈھا رہے ہیں۔ آمین و صلے اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد دعلی آلہ و اصحابہ اجمعین۔ لبیک اللہم لبیک لبیک لا شریک لک لبیک ان اللہ الحمد والنعمه لک والمثلک لا شریک لک۔ (از ص ۲۶ تا ۳۰)

### جدہ ریڈیو اسٹیشن سے عربی تقریر

حضرت مولانا مرحوم کی وہ عربی تقریر جو ۴ مہرم ۱۳۶۹ھ کو جدہ براڈ کاسٹنگ اسٹیشن پر ریکارڈ کی گئی تھی۔ حسب ذیل تھی :-

الحمد لله الملك المحسن الديان	یہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں جو بڑا
الذی شرفنا بالاسلام و کرمنا	مُحْسَنِ کریم اور جزا دینے والا بادشاہ ہے
بالایمان و فضلنا علی العالمین	جس نے ہمیں اسلام سے شرف دیا اور ایمان
بِأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَا الزَّكَاةَ وَ	سے عزت دی اور تمام جہان پر نماز قائم
الْعَمَّ وَصَوَّمَ دِمَقَاتَ وَآتَا نَامُوسَ	کرتے زکوٰۃ ادا کرنے، حج کرنے،
فَضْلَهُ سُلْطَنَةَ الْإِسْلَامِ عَلَيْهِ عَظِيمَةً	اور رمضان کا روزہ رکھنے سے فضیلت
پاکستان۔ نذر لا پاکستان کانت	دی اور ہمیں اپنے فعل سے ایک بڑی

الهند كلها مملكة كافرة مشرقة  
 لكثرة الهند وغلبيتهم عليها  
 فقطعنا منها قطعة سميناها باكستان  
 مملكة اسلاميه عظيمه الشان  
 قويه البنیان - محمد سبحانہ  
 و تعالیٰ علیٰ هذه النعمة العظيمة  
 والخصیمة الباردة الفخیمة ،  
 ودن بل التیقن فان المسلمين  
 عامة قد فرحوا بوجود هذه  
 المملكة الاسلاميه عدد اعداد  
 وسعة ، فعیون المسلمين شاحته  
 السیما ظل المشكلات التي قد  
 افلقتهم من زمان وان شاهد  
 دینا سیجدون بالکسان کما یحبون  
 ویشادون ومع ذلك فیحین اهل  
 بالکسان ننظر الی اخواننا المسلمين  
 کما هم ینظرون الی منافات  
 بالکسان وان کانت لمملكة عظیمه  
 فی ذاتها فهي فی جنت المدرتها  
 صغیرة جدا فلو لاقیها بنصر الله تعالیٰ

اسلامی سلطنت پاکستان عطا فرمائی۔ اگر پاکستان  
 نہ ہوتا تو ہندوستان کی حکومت سرسامر  
 حکومت کافر غیر شرعی ہوتی کیونکہ اس میں ہندو کی  
 کثرت ہوتی اپنی کا حکومت پر قبضہ ہوتا اس لیے  
 ہم نے ہندوستان کے ایک حصہ کو اپنے لیے  
 الگ کر لیا اس کا نام پاکستان رکھا جو ایک اسلامی  
 عظیم الشان اور مضبوط سلطنت ہے۔ ہم اس نعمت  
 عظیمہ اور غنیمت بارہ ضخیمہ پر اللہ تعالیٰ کا  
 شکر ادا کرتے ہیں، میرا گمان بلکہ یقین ہے کہ  
 عام طور پر سب مسلمانوں کو پاکستان کے بنانے  
 سے بہت خوشی ہوئی ہے کیونکہ اسلامی مملکتوں  
 میں وہ سب سے بڑی سلطنت ہے آبادی کے  
 لحاظ سے بھی، ساز و سامان کے اعتبار سے بھی  
 اور رقبہ کی وسعت میں بھی تمام مسلمانوں کی  
 نگاہیں پاکستان پر ہیں کہ وہ ان مشکلات  
 کو حل کرے گی جنہوں نے مدت سے مسلمانوں کو  
 پریشان کر رکھا ہے اور اللہ نے چاہا تو  
 پاکستان کو ایسا ہی پائیں گے جیسا کہ چاہتے  
 ہیں مگر ساتھ ہی میں یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں  
 کہ ہم اہل پاکستان بھی اپنے بھائیوں کی طرف

و باتحاد الممالک الاسلامیہ معاہدتی  
 یكون المسلمین کلمہ جماعہ واحدہ  
 وعسک او احد الم یقہ بہا شان و  
 عسکر او احد لباکستان نصر اللہ  
 من اللہ و تائید من الممالک  
 الاسلامیہ متفقہ علیہ اذناء  
 ان شاء اللہ و علی مشکلاتی  
 الترخ زمان و هذا هو الغرض من  
 الوحید الذی جاء وفد پاکستان  
 لاجلہ الی المملکۃ السعودیہ  
 العربیہ فی موسم الحج لتقوی  
 بذلک الروابط و بین المملکۃ  
 السعودیہ خاصۃ لکونہا فی  
 مرکز الاسلام و بالممالک الاسلامیہ  
 عامۃ لاجتماع عظماء الاسلام و  
 زعمائہ و امر اثر بنسکۃ فی ہذہ الایام  
 و ما احدث حزیل الشکر  
 و حزیل الشناہ معہ و من  
 اهل پاکستان کافۃ الی  
 جلالتہ المملک سلطان

دیکھ رہے ہیں جس طرح وہ ہم کو دیکھ رہے  
 ہیں کیونکہ پاکستان اگرچہ فی نفسہ بڑی سلطنت  
 ہے مگر اپنے دشمنوں کے سامنے بہت چھوٹی ہے  
 اگر اللہ تعالیٰ اور ممالک اسلامیہ کا اتحاد اُس کے  
 ساتھ نہ ہو کہ سب بلکہ ایک جماعت اور ایک لشکر  
 بن جائیں تو پاکستان کچھ نہ کر سکیگا البتہ اگر پاکستان  
 کو اللہ کی مدد اور ممالک اسلامیہ کی تائید حاصل  
 ہو گئی تو انشاء اللہ ہم اپنے مقاصد میں کامیاب  
 ہو کر تمام مشکلات پر جلد قابو پالیں گے۔  
 یہی وہ واحد غرض ہے جس کے لیے وفد  
 پاکستان موسم حج میں مملکت عربیہ سعودیہ  
 کے پاس حاضر ہوا ہے تاکہ ہم میں تا اور  
 مملکت سعودیہ میں روابط مودت خاص طور  
 سے مستحکم ہو جائیں کہ وہ مرکز اسلام میں واقع  
 ہے اور عموماً تمام ممالک اسلامیہ سے بھی  
 اتحاد قائم ہو جائے کہ ان ایام میں مسلمانوں  
 کی بڑی بڑی ہستیاں، ان کے نمائندے  
 اور علماء و امراء مکہ میں جمع ہو جاتے ہیں۔  
 اس کے بعد میں اپنی طرف سے اور تمام  
 اہل پاکستان کی طرف سے جلالتہ المملک

سلطان عبدالعزیز آل سعود اور

ان کے صاحب زادگان امیر فیصل

اور امیر منصور اور جملہ امراء و وزراء

دولت کا بہت بہت شکریہ ادا کرتا

ہوں کہ انہوں نے وفد پاکستان کا

بہت زیادہ اکرام و احترام فرمایا اور

اخوت اسلامیہ و محبت ایمانیہ

کے روابط کو مستحکم کر کے ہمیں

اپنے مقصد میں کامیاب فرمایا۔

اللہ تعالیٰ ان سب کو زندہ و سلامت

رکھے اور اپنی مدرسے ان کو طاقت

دے۔ دین و دنیا کی ترقی عطا

فرمائے اور ان کے ذریعہ سے اسلام

و مسلمین کی قوت میں اضافہ کرے۔ آمین۔

عبدالعزیز آل سعود ولی

السنو الامیر فیصل والامیر

منصور واصر اُحتم ووزارم

فانہم قد اکسوا وفد پاکستان

غایۃ الاحرام و احکمو

اخوة الاسلامیہ والمودۃ

الایمانیۃ بیننا و بینہم

حیاہم اللہ تعالیٰ و البقا

م وایدہم بنقرۃ

ودزقہم الخلو فی الدنیا

والدین وبقوعہم

الاسلام والمسلمین آمین۔

وصلی اللہ علی خیر

خلقہ سیدنا محمد وآلہ

وامحابہ اجمعین۔

لفد احمد عثمانی عضو

الوفد الباکستان فی سنتہ

الفت وثلثاتہ وثمانین و

ستین من الحجۃ۔

۱۳۶۹ھ

مجمع المرام

حجاز سے واپسی پر وفد پاکستان  
کراچی ریڈیو پر تقریر | اور مملکت سعودیہ عربیہ کے متعلق

مولانا مرحوم کے تاثرات و خیالات براڈ کاسٹنگ اسٹیشن کراچی سے نشر ہونا  
طے پایا تھا۔ چنانچہ ۱۲ محرم ۱۳۶۱ھ کو بعد نماز مغرب ٹھیک آٹھ بجے ریڈیو پر آپ  
نے تقریر شروع فرمائی جس کی نقل مطابق اصل حسب ذیل ہے :-

بعد الحمد والصلوة میں اس سال اس وفد خیر سگالی میں شامل تھا جو حکومت

پاکستان نے حج کے موقع پر حکومت سعودیہ عربیہ کی طرف حجاز بھیجا تھا۔ اس وقت  
میں اپنے مشاہدات کو بیان کرنا چاہتا ہوں جو اس سوا مہینے کی مدت میں  
میری نگاہ سے گزرے۔ سب سے پہلے ۲۴ ستمبر کو ہم (کراچی کے) ہوائی

اڈے پر پہنچے تو عجیب منظر یہ سامنے آیا کہ عزت بآب خواجہ شہاب الدین  
رئیس وفد اور وزیر داخلہ پاکستان احرام پہنے ہوئے لبیک اللہم لبیک  
پکار رہے تھے حالانکہ وہ راستہ میں طہران سے احرام باندھ سکے تھے۔ مگر

یہ اُن کی بلند ہمتی تھی کہ گھر سے ہی احرام باندھ کر نکلے۔ میں نے اس تمام سفر  
میں خواجہ صاحب کی بلند ہمتی کا ہر موقع پر مشاہدہ کیا ہے۔ وہ ہم سب سے  
پہلے حرم شریف میں پہنچنے کی کوشش کرتے اور حتی الامکان نماز میں امام کے

قریب رہتے تھے۔ اکثر اوقات ادھی رات کو یا اس کے بعد طواف کرنے کی  
ہمت کرتے تھے تاکہ قلت اذہام کے وقت سکون و اطمینان کیساتھ طواف  
کر سکیں۔ حرم میں تلاوت قرآن کا بھی آپ کو بہت شوق تھا کئی قرآن ختم کئے

اور برابر شوق میں ترقی ہوتی رہی۔ مدینہ منورہ میں روضہ شریف کے اندر  
نماز اور تلاوت قرآن کریم کا بہت اہتمام تھا اور بحمد اللہ وہ اس میں کامیاب

رہے۔ کیونکہ خادمِ روضہ سے آپ نے رابطہ محبت قائم کر لیا تھا۔ آپ کی اس ہمت اور شوق کا اثر مسلمانوں پر ہی پڑ رہا تھا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ خواجہ صاحب کی اس ہمت اور دینداری پر عام مسلمانوں کی نظریں جم رہی تھیں اور خوش تھے کہ اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو ایسے دین دار وزیر دیئے ہیں جن کے دلوں میں اللہ اور رسول کی محبت کا جذبہ موجزن ہے اور حرم مکہ و حرم مدینہ سے بہت زیادہ دلہانہ تعلق ہے۔

دوسرا منظر جلالتہ الملک سلطان ابن سعود اور ان کے وزراء و امراء کا اس وفد کے استقبال اور پُر تپاک خیر مقدم میں اسلامی اخوت اور روابطِ محبت اور عربی حق منیت کا مظاہرہ تھا جو ہر قدم پر ہمارے دل میں مسرت و انبساط کی موجیں پیدا کرتا اور اپنی لہروں سے دل و دماغ کو فرحت بخشا تھا۔ حق یہ ہے کہ جلالتہ الملک کی شاہانہ نظراتِ التفات اور مدبرانہ شان نے ہمارے دلوں پر گہرا اثر کیا ہے۔ وہ ایک طرف حکومتِ پاکستان سے اپنی محبت و مودت اور ربط و اخلاص کو بیان فرماتے اور دوسری طرف اس بات کی تاکید فرماتے تھے کہ مسلمانوں کی قوت و طاقت اور فلاح و کامرانی کا تمام تر دار و مدار دین کی قوت پر ہے۔ مملکتِ پاکستان کو دنیا سے زیادہ دین کا اہتمام کرنا چاہیئے۔ تاکہ نصرتِ الہی اس کے ساتھ ہو۔ جب ہم نے عرض کیا کہ حکومتِ پاکستان نے اعلان کر دیا ہے کہ اس کا آئین شرعی ہو گا تو خوش ہو کر فرمایا جس دن ہم اس کو دیکھ لیں گے بہت خوش ہوں گے اور ہماری مسرت و محبت کا پہلا دن ہو گا۔ ہم نے جذبہ سے روانہ ہوتے ہوئے سلطان کی عنایات و الطاف کا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور اب پاکستان پہنچ کر ہم صمیم قلب سے تمام مسلمانوں کی طرف

سے عموماً اور حکومت پاکستان کی طرف سے خصوصاً مکرر شکریہ ادا کرتے ہیں۔ ہمارے دلوں میں جلالتہ الملک کی عنایات اور لطافت شاہانہ نے ایسا گہرا نقش قائم کیا ہے جو ہمیشہ تازہ رہے گا۔ جلالتہ الملک سے جب میں نے آخری مصافحہ کیا تو قبضہ ہو کر فرمایا انتہہ مدینۃ الاولیاء (آپ تو ہمارے پرانے دوست ہیں) سلطان کا یہ فقرہ میرے دل سے کبھی محو نہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ جلالتہ الملک کی عمر دراز فرمائیں۔ ان کو صحت و سلامتی کے ساتھ خدمت اسلام و مسلمانین کے لیے زندہ سلامت رکھیں۔ ان کی مملکت کو دن و رات چوگنی ترقی و استحکام عطا فرمائیں جس میں دنیا کے ساتھ دینی ترقی کا قدم بھی آگے بڑھتا رہے۔ ان کے شہزادوں اور اعمال و حکام کو بھی اپنی نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں کہ وہ ہمیشہ دین کو دنیا پر مقدم رکھیں۔ آمین۔

اس موقع پر ہم سعود الملک امیر فیصل والی حجاز امیر عبداللہ فیصل ثالث والی حجاز اور امیر منصور وزیر دفاع (جن کا افسوس کہ اب انتقال ہو چکا ہے) اور ستید عبداللہ بن سلیمان وزیر مالیہ، شیخ محمد صالح قزاز مدیر ادارۃ الحج اور شیخ محمد سرور نائب وزیر مالیہ اور امیر جدہ و امیر مدینہ کا مصیم قلب سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ ان حضرات نے وفد پاکستان کی عزت افزائی اور مہمان نوازی غایت خلوص اور محبت کا مظاہرہ فرمایا۔ جزاۃ اللہ

ناشکری ہوگی اگر ہم اپنے کرم فرما شیخ محمد سمیع دہلوی کو یاد نہ کریں جو حکومت سعودیہ کی طرف سے اس وفد کی میزبانی (اور ترجمانی) اور راحت رسانی کے لیے مقرر کئے گئے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے جس محبت و خلوص سے ہماری راحت رسانی کا حق ادا کیا ہے وہ آپ ہی کا حق تھا۔ شیخ عبداللہ اور شیخ مطہری کے بھی ہم شکر گزار

ہیں کہ ان دونوں نوجوانوں نے حق ضیافت کو بڑی خوبی سے ادا کیا اور وفد پاکستان کو بہت آرام پہنچایا۔

تیسرا منظر حکومت سعودیہ عربیہ کے ان انتظامات کا نظارہ تھا جو ملک کی ترقی اور حجاج کی راحت و سہولت کے لیے وہ آج کل کر رہی ہے۔ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ جدہ سے مکہ تک اور مکہ سے عرفات تک ٹرام کی پختہ سڑک بن گئی ہے جس پر لاریاں اور موٹر کاریں بے تکلف چلتی رہتی ہیں۔ جدہ اور مکہ سے مدینہ تک کے لیے بھی اسی قسم کی سڑک کاٹھیکہ دیدیا گیا ہے جو امید ہے آئندہ سال حج سے پہلے تیار ہو جائے گی اور جدہ و مکہ سے مدینہ تک بھی لاریاں اور موٹر کاریں ڈامر کی سڑک پر چلتی پھرتی نظر آئیں گی۔ جدہ میں میٹھے پانی کی ہمیشہ سے قلت تھی مگر اب حکومت سعودیہ نے وادی فاطمہ سے نہر زبیدہ میں آٹھ چشموں کا پانی شامل کر کے اس کمی کو پورا کر دیا ہے۔ پچاس میل کے فاصلہ سے نل کے ذریعہ جدہ میں میٹھا پانی پہنچایا ہے۔ ہر پانچ کلومیٹر پر راستے میں نل لگا دیئے ہیں تاکہ پیدل چلنے والے مسافروں کو بھی پانی کی تکلیف نہ ہو۔ حکومت سعودیہ پانی کی قلت رفع کرنے کے لیے خاص توجہ دے رہی ہے۔ ان چشموں کو دوبارہ زندہ کر کے کوشش کر رہی ہے جو پہلے جاری تھے مگر غفلت کے باعث عرصہ دراز سے بند پڑے ہیں۔ اگر یہ سکیم مکمل ہو گئی اور چار سو مردہ چشمے زندہ ہو گئے تو حقیقت میں یہ بڑا کارنامہ ہوگا جو حکومت سعودیہ کی تاریخ میں آب زر سے لکھا جائیگا۔ پانی کی افراط سے اب جدہ میں سرسبز شاو آب باغات اور کھیت نظر آنے لگے ہیں جو اس سرزمین میں عجائبات سے کم نہیں۔

جدہ میں گودی (بندرگاہ) کا کام بھی بڑی سرعت سے ہو رہا ہے امید ہے کہ

آئندہ سال حاجیوں کے جہاز کنارہ سے دور نہیں ٹھہریں گے بلکہ کراچی اور بمبے کی طرح گودی میں ٹھہرا کریں گے جس سے مسافروں کو جہاز پر چڑھنے اُترنے میں سہولت ہو جائیگی۔ یقیناً یہ بھی حکومت سعودیہ کا ہٹا کارنامہ ہوگا جس پر اس سے پہلے کسی حکومت نے توجہ نہیں کی تھی۔

ہمیں بتایا گیا ہے کہ حکومت سعودیہ حجاز، نجد اور شام میں ریلوں کا سلسلہ بھی قائم کرنا چاہتی ہے۔ اگر یہ سکیم مکمل ہوگئی اور حکومت پاکستان ایران و عراق کے راستے سے اپنی ریل کا سلسلہ اس سے ملادے اور بصرہ سے نجد و مدینہ ہوتے ہوئے مکہ تک ریل ہو جائے تو زائرین کو تمام بلاد اسلامیہ کی سیر کے ساتھ تمام مقامات مقدسہ کی زیارت کا خوشی کے راستہ موقع مل جائیگا۔ جس سے روابط اسلامیہ کو بھی بڑی تقویت ہوگی۔

حکومت سعودیہ کا امن و امان تو بے نظیر ہے اس وقت مکہ سے مدینہ اور مکہ سے طائف اور طائف سے نجد تک تنہا آدمی سفر کر سکتا ہے اور چاندی سونا لجا سکتا ہے کسی کی مجال نہیں کہ اس کی جان و مال کو بُری نگاہ سے دیکھ سکے نماز کے وقت جب پولیس کا آدمی الصلوٰۃ الصلوٰۃ پکارتا ہے کہ نماز کو چلو تو بہت سے دکاندار اسی طرح اپنی دکان کو کھلا ہوا چھوڑ کر چل دیتے ہیں۔ ان کو چوری کا ذرا بھی خطرہ نہیں ہوتا کیونکہ حکومت سعودیہ نے شرعی قانون جاری کر دیا ہے کہ جس پر چوری کا ثبوت ہو جائے اُسکا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ اس وقت تک مملکت سعودیہ کی تمام مدت حکومت میں پندرہ سولہ ہاتھ سے زیادہ نہیں کاٹے گئے اور تین سال سے تو ایک بھی ہاتھ کاٹنے کی نوبت نہیں آئی مگر چوری کی وارداتیں بند ہوگئی ہیں۔ اس سے ان لوگوں کو سبق لینا چاہیے جو دوسرے

طریقوں سے جرائم کو بند کرنا چاہتے ہیں مگر بجائے بند ہونیکے جرائم کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

چوتھا منظر وہ عام اخوت و مساوات کا نظارہ تھا جو حج کی خصوصیات میں سے ہے۔ بیت اللہ کے گرد شاہ و گدا، امیر و غریب، عرب، ترک، ایرانی، افغانی، عراقی، شامی، مصری، ہندوستانی، پاکستانی، جوان، بوڑھے، بچے اور بڑے طوائف کہتے ہوئے ایک شان، ایک لباس میں احرام باندھے نیچے سرنگے کتے ہیں تو دل پر عجیب کیفیت طاری ہوتی ہے۔ اس وقت بے ساختہ یوں کہنے کو دل چاہتا ہے کہ

غلام دگر بست تو تاجدار اند      خراب بادۂ لعل تو ہوشیار اند  
نہ من برائ گل عارض غزل سدا مونس      کہ عندلیب تو از ہر طرف ہزار اند  
ایک لحاظ سے دیکھئے تو حج بڑی عبارت ہے۔ خدا کی محبت انسان کے دل میں نہ ہو تو وہ اپنے کا دوبار چھوڑ کر، عزیزوں اور دوستوں سے جدا ہو کر اتنے لمبے سفر کی زحمت کیوں برداشت کرتا۔ اس لیے حج کا ارادہ ہی خود محبت الہی اور خلوص کی دلیل ہے۔ پھر انسان جب اس سفر کے لیے نکلتا ہے تو اس کی کیفیت عام مسافروں جیسی نہیں ہوتی بلکہ اس سفر میں اس کی توجہ زیادہ تر خدا کی طرف رہتی ہے اس کے دل میں شوق اور ولولہ بڑھتا جاتا ہے۔ جو کہ کعبہ قریب آتا جاتا ہے محبت کی آگ اور زیادہ بھڑکتی ہے۔

ع      وعدہ وصل چوں شود نزدیک      آتش شوق تیز تر گہر درد

گناہوں اور نافرمانیوں سے دل خود بخود نفرت کرنے لگتا ہے پھلے گناہوں پر شرمندگی ہوتی ہے۔ آئندہ کے لیے فرماں برداری کا عہد کرتا ہے۔

عبادت اور ذکرِ الہی میں لُطف آتا ہے، سجدے لمبے لمبے کرتا ہے۔ دیر تک سر اٹھانے کو دل نہیں چاہتا۔ قرآن پڑھتا رہے تو اُس میں کچھ اور ہی لُطف آتا ہے۔ جب سر زمین حجاز میں قدم رکھتا ہے تو اسلام کی پوری تاریخ نگاہوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔ چپہ چپہ پر خدا سے محبت کرنے والوں اور اُس کے نام پر جان و مال قربان کرنے والوں کے آثار نظر آتے ہیں۔ سفرِ مدینہ میں ہجرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منظر سامنے آ جاتا ہے۔ مدینہ پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضراتِ مہاجر و انصار کی مدنی زندگی نگاہوں میں پھرتی ہے۔ جبلِ احد کی زیارت سے غزوہ احد اور غزوہ خندق کی تاریخ سامنے آ جاتی ہے جس میں مسلمانوں کے لیے بہت بڑا درسِ عبرت ہے۔ غرض مکہ، مدینہ، منیٰ اور عرفات کا ذرہ ذرہ عظمتِ اسلام کی گواہی دیتا ہے اور وہاں کی ہر لنگری پکارتی ہے کہ یہ ہے وہ سرزمین جہاں سے علمِ اسلام اور کلمہ حق بلند ہوا۔ اس طرح مسلمانوں کا دل خدا تعالیٰ کے عشق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اسلام کے ساتھ والہانہ تعلق سے بہرہ ور ہو جاتا ہے۔ وہاں سے وہ ایسا گہرا اثر لے کر واپس ہوتا ہے جو مرتے دم تک اس کے دل سے محو نہیں ہوتا۔ پھر حج کی وجہ سے مکہ تمام دینائے اسلام کا مرکز ہے ہر گوشہ سے اللہ کے نام لیوا ایک ہی زمانہ اور ایک ہی وقت میں وہاں جمع ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ آپس میں اسلامی محبت و اخوت قائم ہوتی ہے اور یہ نقشِ دل پرچم جاتا ہے کہ مسلمان خواہ کسی ملک اور کسی نسل کے ہوں سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ ایک ہی ملت کے افراد ہیں۔ اسی بنا پر حج اگر عبادت ہے تو اس کے ساتھ تمام دنیا کے مسلمانوں کا ایک ایسا عظیم الشان اجتماع بھی ہے جو مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنے اور بڑھانے

کاسب سے بڑا ذریعہ بن سکتا ہے۔

میں حکومت پاکستان کو مبارک باد دیتا ہوں کہ اس نے ایسے مبارک وقت پر اپنا وفد حجاز بھیجا تاکہ اس مقدس مکان و زمان سے محبت و اتفاق کا وہ فائدہ حاصل ہو جس کی طرف بہت کم لوگوں کی توجہ مبذول ہوتی ہے۔ الحمد للہ کہ وفد اپنے مقاصد میں پوری طرح کامیاب ہوا اور مملکت سعودیہ عربیہ سے خصوصاً اور تمام ممالک اسلامیہ سے عموماً اپنے روابط کو مضبوط کر کے کامیابی کے ساتھ واپس آیا۔ عراق و شام، مصر و افریقہ، مراکش و انڈونیشیا وغیرہ تمام اطراف کے زعماء و امراء و عمائد و علماء و مشائخ سے ملنے کا یہیں موقع ملا۔ سب کو حکومت پاکستان کے قیام سے فرحان و شاداں پایا۔ سب کے سب قرارداد و مقاصد پاس ہونے سے بہت زیادہ خوش ہیں اور منتظر ہیں کہ پاکستان میں بہت جلد نظام شرعی نافذ ہو جائے۔ عالم اسلام مسئلہ کشمیر کے حل کا بے چینی کے ساتھ انتظار کر رہا ہے کہ جلد سے جلد اس کا فیصلہ پاکستان کے حق میں ہو جائے۔ اگر مسلمانان پاکستان و کشمیر باہم متحد و متفق رہے جیسا کہ اب تک ہیں تو انشاء اللہ کشمیر کا مسئلہ بہت جلد حل ہو جائے گا۔

اب میں اپنی تقریر کو ختم کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ پاکستان کو استحکام و غلبہ و سطوت اور طاقت و قوت اور ترقی و دام عطا فرمائیں اور پاکستان میں نظام شرعی جلد نافذ ہو جائے۔ آمین

ظفر احمد عثمانی عفی عنہ ۵ نومبر ۱۹۴۹ء

(ازم ۱۸۹ نمائے ۱۹۳)

آلہ مکبر الصوت کے بارہ میں استفتاء کا جواب | علامہ سید سلیمان ندویؒ نے  
آلہ مکبر الصوت پر نماز کی ادائیگی

کے بارے میں ایک استفتاء مرتب فرما کر علماء حجاز سے اس پر فتوے طلب فرمایا تھا  
علماء حجاز کی طرف سے جواز کے فتاویٰ تو آگئے مگر ان کے دلائل علامہ ندویؒ کے  
گمان کے مطابق نہایت ناقص تھے۔ اس لیے علامہ موصوف نے جو خود بھی اس سال  
حج کے لیے تشریف لے گئے تھے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کو پاكستانى وفد کے  
رکن رکن کی حیثیت سے حج میں شریک تھے فرمائش کی کہ مذکورہ استفتاء کا جواب  
وہ تحریر فرمائیں۔ چنانچہ مولاناؒ نے جواز کا فتوے اس کے فقہی دلائل کے ساتھ  
لکھا تو حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ نے یہ فتوے علماء حجاز کی خدمت میں پیش  
کر کے فرمایا کہ آپ حضرات مرکز اسلام میں رہتے ہیں۔ عالم اسلام کی نظریں آپ  
کے عمل پر لگی رہتی ہیں۔ اس لیے فقہی مسائل میں آپ حضرات کو زیادہ  
محتاج ہونا چاہیے۔

(تذکرہ سلیمانی ص ۲۰)

پانچواں حج | مدرسہ عالیہ ڈھاکہ کی مدت ملازمت ختم ہونے کے بعد ۱۹۵۲ء  
میں پانچویں مرتبہ حضرت مولانا حج کعبہ اللہ اور زیارت مدینہ سے مشرف  
ہوئے اور یہ آپ کا آخری حج اور مدینۃ الرسول میں آپ کی آخری حاضری تھی۔

پہلا نکاح اور اولاد امجاد | پہلے حج سے فراغت کے بعد مولانا کی پہلی شادی  
۳۰ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ بمقامہ مہون میں ہوئی۔ آپ کی

رفیقہ حیات نے حضرت تھانویؒ سے تعلیم حاصل کی تھی اور وہ حضرت تھانویؒ  
کی اہلیہ صغریٰ کی بڑی بہن اور پیر جی ظفر احمدؒ کی بڑی صاحبزادی تھیں۔

اس زمانہ میں ان اطراف میں مہر کے زیادہ مقرر کرنے کی عادت تھی۔  
**صہر** مگر حضرت تھانویؒ نے گیارہ سو مہر مقرر کر لیا۔ آپ فرماتے ہیں یہاں  
 بھی پہلے بڑے بڑے مہر ہوتے تھے۔ اب غنیمت ہے ڈھائی ہزار پر آگئے ہیں۔  
 گھر میں میں نے اپنے بھائیوں کا گیارہ سو مہر مقرر کر لیا۔ یہ حساب سے حضرت ام حبیبہؓ  
 کے مہر کے برابر ہوتا ہے۔ کچھ کسر کا فرق ہے۔

(اشعث السواح ص ۵۴۲ جلد ۳)

اس طرح حضرت مولانا مرحوم کو مہر کی رقم میں سنت کی موافقت  
 حاصل ہو گئی۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کا عطیہ جب مولانا شادی کے لیے  
 سہارنپور سے تھانہ بھون جانے لگے تو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے مولانا کو اپنی ایک قیمتی صدی مرحمت فرمائی  
 تھی جو ان کے شادی کے دوسرے تمام لباس سے زیادہ قیمتی تھی۔  
 (از تذکرہ اہل خلیل)

پہلی اہلیہ محترم سے مولانا مرحوم کے دو صاحبزادے مولانا عمر احمد عثمانی  
 اور مولانا قمر احمد عثمانی ہیں اور تین صاحبزادیاں ہیں جو بفضلہ تعالیٰ بقید  
 حیات اور صاحب اولاد ہیں۔ دونوں صاحبزادے بفضلہ تعالیٰ بڑے ذہین و  
 ذی استعداد اور صاحب تحریر و تصنیف دینی و دنیوی دونوں ہی علوم  
 کے حامل ہیں۔

مولانا عمر احمد سلمہ نے مظاہر علوم سہارنپور میں درس نظامی کی تکمیل  
 کے بعد وہیں درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کر دیا تھا

پھر چنانچہ مدرسہ عالیہ میں عرصہ تک حدیث کی بڑی کتابوں مسلم شریف اور  
ابوداؤد شریف کا درس بڑی قابلیت کے ساتھ دیتے رہے۔ آجکل گورنمنٹ  
کالج ناظم آباد کراچی میں دینیات کے استاد ہیں۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے بھی موصوف کو تبرکاً سند حدیث سے  
نوازا تھا اور ایک مقام سے استاذ حدیث کی طلبی پر وہاں کے لیے حضرت تھانویؒ  
نے مولانا عمر احمد صاحب کا نام تجویز فرمایا تھا۔ درس حدیث کے لیے حضرت تھانویؒ  
کا مولانا عمر احمد صاحب کو منتخب فرمانا مولانا مدوح کی قابلیت کی بہت بڑی شہادت  
ہے۔ دُعا ہے کہ مولانا موصوف کو اپنے اسلاف کے طریقہ پر ہمیشہ کامزن رہنے  
کی توفیق عنایت ہوتی رہے اور خدا کے نمانہ پھر یہ رنگ دکھائے اور برادر  
محترم حب سابق علوم اسلامیہ اور احادیث نبویہ کی خدمت میں مشغول ہو کر اس کے  
ثمرات سے دنیا اور آخرت میں بہرہ ور ہوں۔ آمین۔

مولانا عمر احمد عثمانی کی تصانیف | مولانا عمر احمد عثمانی نے زمانہ تدریس  
مظاہر علوم سہارنپور میں فضائل الایام

والشہور کے نام سے ایک رسالہ تصنیف کیا تھا جس میں بارہ مہینوں کے فضائل اور  
احکام ایک جگہ جمع کر دیئے اور بوجہ بے علمی یا کم علمی جو رسومات مسلمانوں میں متروج  
تھیں ان کی تردید کی گئی ہے۔ یہ رسالہ پہلے ماہنامہ اشرف العلوم سہارنپور میں  
مولانا ظہیر الحسن کے کچھ اضافات کے ساتھ جو رسالہ کے مدیر تھے شائع ہوا  
تھا پھر بمبئی سے کتابی شکل میں ایک سو ستر صفحات پر شائع ہوا۔ یہ رسالہ  
اب بھی ملتا ہے۔

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ کا ایک مکالمہ اپنے ایک شاگرد کے

ساتھ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں ہوا تھا۔ وہ جنوری ۱۹۶۸ء کے ماہنامہ ”البلagh“ کراچی میں شائع ہوا تو غیر مقلدین کے ترجمان مدیر ”الاعتصام“ لاہور نے اسکو ہدف تنقید بنایا۔ اس کے جواب میں مولانا عمر احمد صاحب نے ایک مفصل مضمون تحریر کیا اور اس میں بڑی سنجیدگی اور متانت کے ساتھ جوابدہی کا فرض انجام دیا۔ یہ تحریر بھی ”خاتمہ الکلام“ کے نام سے علیحدہ کتابی شکل میں شائع ہو چکی ہے۔ مدیر ”الاعتصام“ نے بحث میں علمی انداز اختیار کرنے کی بجائے اپنی عاقبت نااندیشی سے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ پر یہ طعن کیا تھا کہ ان کے پیڑوں نے حدیث کی مخالفت شعاع کر لی ہے اس لغو بے بنیاد الزام کی حقیقت و اصلیت واضح کرنے کے لیے مولانا عمر احمد عثمانیؒ کی مذکورہ صدر تحریر کا ایک اقتباس درج کیا جاتا ہے جس سے حدیث کے بارے میں مولانا عمر احمد صاحب عثمانیؒ کا مسلک واضح ہو جاتا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:-

”ہم ہر فقہی مسئلہ میں سب سے پہلے قرآن کو دیکھتے ہیں اگر احادیث نبویہ میں ہمیں اس مسئلہ کے متعلق قرآن کے خلاف ملتا ہے۔ تو ہم قرآن کریم کو سرچشمہ قانون قرار دے کہ حدیث میں تطبیق و توجیہ کے ذریعہ اس کا کوئی ایسا محل متعین کرتے ہیں کہ وہ قرآن سے متصادم نہ رہے۔ احادیث میں اگر اختلافات ہوتا ہے تو ہم اس حدیث کو ترجیح دیتے ہیں جو اوفق بالقرآن ہو اور اس ضمن میں ہر مرسل منقطع بلکہ بعض اوقات ضعیف احادیث تک کو بھی سرانگھوں پر رکھ لیتے ہیں۔“ (خاتمہ ص ۱۳)۔

اس اقتباس سے مدیر ”الاعتصام“ کے تعصب و عناد اور بہتان طرازی کی اصلیت بے نقاب ہو جاتی ہے۔ مولانا موصوف نے اپنے سفر حج کے مشاہدات و

تاثرات کو ”ارمغان حجاز“ کے نام سے سپرد قلم کیا تھا یہ تحریر بھی شائع ہو چکی ہے۔

**تاریخی نام** | مولانا عمر احمد کا تاریخی نام حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نے ”مرغ محمد“ تجویز فرمایا تھا۔ اس کی تفصیل ”تذکرۃ الخلیل“ میں اس

طرح لکھی ہے۔ مولانا نے فرمایا۔ مولوی ظفر احمد صاحب نے بچے کا تاریخی نام سوچا ہے مرغوب محمد مگر حساب کہ کے تم دیکھ لو کتنے عدد ہوئے ہیں؟ انہوں نے حساب لگا کر عرض کیا کہ حضرت آٹھ عدد زیادہ ہیں۔ بے ساختہ فرمایا۔ بس ب اور ن کو حذف کر دو۔ ”مرغ محمد“ تاریخی نام ہے۔ اسکے ۱۳۳۲ عدد بنتے ہیں اور سن ہجری کے مطابق یہی ان کا سن پیدائش ہے۔

(از تذکرۃ الخلیل)

**مولانا حسین احمد مدنی کا مزاج** | شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ذکریا صاحب کاندھلوی تحریر فرماتے ہیں کہ:

”ایک مرتبہ اسی دور میں مولانا ظفر احمد صاحب زاد مجدہم و دام ظلہم تشریف فرما تھے۔ میں دارالطلبہ گیا ہوا تھا۔ ایک لڑکے نے مجھے جا کر اطلاع دی کہ حضرت مدنی قدس سرہ آئے ہیں میں کچے گھر حاضر ہوا۔ میری گفتگو حضرت سے ہو رہی تھی کہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب بھی کچے گھر پہنچ گئے۔ حضرت اُن کو دیکھ کر بہت مسرت سے اُٹھے۔ کھڑے ہو کر مصافحہ فرمایا اور ارشاد فرمایا۔ اچھا یہ ابو الدیک صاحب بھی یہاں تشریف فرما ہیں۔ اس کی شرح یہ ہے کہ جب عزیز مولوی عمر احمد ابن مولانا ظفر احمد صاحب پیدا ہوئے تو انکی تاریخ ولادت ”مرغ محمد“ تجویز کی گئی تھی۔ اس وقت سے حضرت مدنی قدس سرہ نے تقریباً مولانا ظفر احمد صاحب کی کنیت ”ابو الدیک“ تجویز کر رکھی تھی اور اکثر ملاقات میں اسی لفظ سے مخاطب ہوتی تھی۔“

(آپ بیچ ص ۷)

حضرت مولانا کے دوسرے صاحبزادہ مولوی قمر احمد عثمانی سلمہ ہیں۔ انہوں نے عربی کتب و رسمیت تھانہ بھون، دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور میں پڑھیں۔ پھر دورہ حدیث کی تکمیل جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں اپنے والد محترم، حضرت مولانا شمس الحق افغانی اور مولانا منتخب الحق سے کی۔ اور اس کے بعد سرکاری مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ آج کل گورنمنٹ نارمل اسکول کمالیہ ضلع لائل پور میں مدرس ہیں۔ موصوف بھی نہایت ذہین، ذی استعداد اور صاحب تحریر ہیں۔

مولانا قمر احمد عثمانی کی تصانیف | حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نے مودودی صاحب کی کتاب ”خلافت و ملوکیت“

کے جواب میں جب ”برائۃ عثمان“ کے نام سے مفصل مضمون تحریر فرمایا اور دوسری طرف سے مودودی صاحب کے مسلک کی وکالت میں جوابی مضمون تبصرہ کے عنوان سے ماہنامہ ”قاران“ کراچی میں شائع کیا گیا تو فاران کے اس تبصرہ کے جواب میں عزیزم مولانا قمر احمد عثمانی نے نہایت مسکت مضمون لکھا۔ یہ مضمون ۱۴۱۱ھ صفحات پر مشتمل ہے اور کتابی شکل میں ”تذکرہ یاراں“ کے نام سے شائع ہوا ہے۔ ان کی دوسری تصنیف ”ہماری مذہبی جماعتوں کا فکری جائزہ“ کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب میں برصغیر کی مختلف علمی و فکری تحریکات اور مذہبی جماعتوں کا فکری جائزہ پیش کیا گیا ہے اور فقہ انکار حدیث کے رد میں پورے ۳۲ صفحات سپرد قلم کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب ”مطبوعات مشرق“ کراچی کی طرف سے شائع کی گئی ہے۔

امام راشد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی | مولانا قمر احمد سلمہ نے اس کتاب میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث

دہلوی کی زندگی ان کے علمی نظریات اور مجتہدانہ کارناموں کا اجمالی جائزہ پیش کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ اسلامی ہند کی تاریخ میں شاہ ولی اللہ ہی پہلی شخصیت ہیں جن سے اسلامی علوم و معارف کا سلسلہ شروع ہو کر تاریخی تسلسل کیساتھ جاری رہتا ہے اور جن لوگوں نے فکر ولی اللہ کے ساتھ دین اکبری یا متحدہ قومیت کے نظریہ کو جوڑنے کی کوشش کی ہے۔ اس کتاب میں سختی کے ساتھ ان کا محاسبہ کیا گیا ہے۔ ۴۴ صفحات کی یہ کتاب بڑے تحقیقی اور تاریخی مواد پر مشتمل ہے۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی مرحوم نے اس کتاب کی اشاعت پر دہلی مسرت کا اظہار فرمایا تھا اس پر حضرت مولانا کی تقریظ بھی ثبت ہے۔

مجاہد کبیر سید احمد شہید | مولانا قمر احمد سلمہ نے یہ کتاب سید احمد شہید بریلوی اور ان کے رفقاء کرام کے مجاہدانہ کارناموں اور تبلیغی

مسابی نیز دیگر حالات و سوانح پر مرتب کی ہے۔ حضرت مولانا مرحوم نے اس کو حرفا حرف سنا اور اس پر بھی اپنی تصدیق و تقریظ ثبت فرمائی۔ یہ کتاب ابھی زیر طبع ہے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس خاندان کو ہمیشہ اپنے بزرگوں کے طریقہ کے مطابق علوم دین کی بیش از بیش خدمت کرنے کی توفیق و سعادت عنایت فرماتے رہیں۔ (آمین)

مولانا مرحوم کی پہلی اہلیہ محترمہ کی وفات | حضرت مولانا مرحوم کی پہلی

رفیقہ حیات جب ہندوستان سے پاکستان آئیں تو ان کی حالت یہ تھی کہ ان کو مستقل بنیاد نہ تھی جو بعد میں

تپ دق ثابت ہوا۔ بہت کچھ علاج معالجہ ہوا مگر صحت نہ ہوئی۔ بالآخر اکتالیس سال کی رفاقت کے بعد دورہ تنفس کی حالت میں ۱۳ ماہ محرم ۱۳۷۱ھ مطابق ۱۹۵۰ء جمعرات کے دن مغرب کے وقت واصل بحق ہو گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون  
 یتقر اللہ لنا ولہا ویرحمنا وایاہا ویدخلنا دایاہا الجنة آمین مولانا مرحوم نے اس مرحومہ کی وفات پر ایک عربی مرثیہ ارشاد فرمایا تھا جس کے دو شعر درج ذیل ہیں :-

افت لفرقتہ مونسى والیسى بدد البود نغد وشمس شمس

لا یبتعدى فلاق ت بین قلوبنا وصدورنا و عیدنا و دوش

مرحومہ بڑی عابدہ، زاہدہ غیر معمولی طور پر ذہین اور سلیقہ شعار و خوش اطوار تھیں۔ قرآن کیم مع ترجمہ اور ضروری دینی تعلیم حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ سے حاصل کی۔ موصوفہ خاندان کی ان چند محترمات میں سے ایک ہیں جنہیں حضرت حکیم الامت سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ آپ مولانا تھانویؒ کی چھوٹی اہلیہ محترمہ کی بڑی بہن تھیں۔ حضرت تھانویؒ اپنے گھریلو معاملات میں ان مرحومہ سے مشورہ فرماتے تھے۔

**دوسرا نکاح** پہلی اہلیہ محترمہ کی وفات کے بعد مولانا نے دوسرا نکاح کیا مگر ان سے کوئی اولاد نہ ہوئی اور کچھ ہی عرصہ بعد ان کا انتقال ہو گیا۔

**تیسرا نکاح** مولانا کا تیسرا نکاح مولانا حکیم محمد مصطفیٰ صاحب بجنوریؒ کی بیوہ صاحب زاری سے ہوا۔ وہ اب بھی بقید حیات ہیں۔ حضرت مولانا مرحوم کے سب سے چھوٹے صاحبزادے عزیزم مولوی

محمد مرقیٰ سلمہ ان ہی کے لطن سے ہیں۔ اس وقت عزیز موصوف کی عمر تقریباً بیس سال ہے۔ انہوں نے دارالعلوم ٹنڈوالہیار میں اپنے والد محترم کے زیر سایہ پرورش اور تعلیم پائی ہے۔ درس نظامی کی تکمیل کر لی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُس عزیز کی عمر دراز فرمائے اور اپنے والد محترم اور پیش رو بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین۔

### چوتھا نکاح

حضرت مولانا مرحوم نے چوتھا نکاح قیام بنگال کے زمانے میں موضع بلیہ ضلع اعظم گڑھ کی رہنے والی ایک مسماۃ سے کیا تھا۔ جو بقید حیات ہیں۔ ان سے بھی مولانا مرحوم کی کوئی اولاد نہیں۔



## باب دوم

# حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی کی علمی خدمات

درس و حدیث | ۱۳۲۹ھ میں پہلے سفر حج کے بعد جب مولانا مرحوم اپنے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی خدمت اقدس میں سہارنپور پہنچے تو حضرت مولانا نے فرمایا کہ ایک مدرس کی طلب چھتاری سے آئی ہے۔ ابتدائی تنخواہ بیس روپے ہوگی۔ اگر جانا چاہو تو تمہارا نام وہاں بھیج دوں؟ مولانا نے عرض کیا کہ میری تمنا تو یہ ہے کہ حضرت والا کی خدمت اقدس میں رہ کر درس و تدریس کی خدمات انجام دوں۔ کیونکہ میرا علم ابھی مستحکم نہیں ہوا۔ ابھی سے باہر چلا جاؤں اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ حضرت سہارنپوری مولانا کے اس جواب سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا تمہارے اُستاد مولانا عبد اللہ گنگوہی مظاہر علوم سے نفعانہ بھون کے مدرسہ میں جانا چاہتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ تم انکی جگہ بیاں کام کرو مگر انکی تنخواہ پندرہ روپے تھی وہی تم کو ملے گی۔ مولانا نے اس تنخواہ کو بخوشی منظور کرتے ہوئے عرض کیا کہ مجھے تنخواہ مطلوب نہیں حضرت کی خدمت میں رہنا مطلوب ہے۔

مظاہر العلوم سہارنپور میں مدرس | چنانچہ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ سے مولانا ۱۹ سال کی عمر میں مدرسہ مظاہر العلوم

سہارنپور کی مدرسہ پر قائم ہو گئے اور ۱۹۳۶ء تک مسلسل سات سال اسی مدرسہ میں مدرسہ کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ابتداء میں شرح و قافیہ، نور الانوار وغیرہ کے اسباق مولانا کے سپرد ہوئے۔ پھر تدریج ترقی ہوتی گئی اور فقہ میں ہدایہ، حدیث میں مشکوٰۃ شریف، فلسفہ میں مینڈی اور علم کلام میں شرح عقائد مفتی مع حاشیہ خیالی وغیرہ مختلف فنون کی کتابوں کا درس آپ نے دیا اور علم ادب عربی میں سب سے معلقہ اور مثنوی کی کتابیں پڑھائیں۔

مدرسہ ارشاد العلوم گڑھی پنچتہ | سات سال مظاہر العلوم میں درس دینے کے بعد ۱۳۳۶ھ میں سہارنپور سے نھت

لے کر تھانہ بھون کے قریب مدرسہ ارشاد العلوم گڑھی پنچتہ میں مولانا نے ۱۳۳۸ھ تک دوسری کتابوں کے علاوہ بخاری شریف اور مسلم شریف کا درس دیا۔

مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون | ۱۳۳۹ھ میں دوسرے جج سے واپسی کے بعد مولانا کا مستقل قیام تھانہ بھون

کی خانقاہ امدادیہ اور مدرسہ امداد العلوم میں ہو گیا۔ یہاں درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے علاوہ فتوے نویسی کا شعبہ بھی مولانا کے سپرد کر دیا گیا تھا اور مولانا ان تمام شعبوں میں حضرت حکیم الامت تھانوی کی زیر نگرانی علمی خدمات انجام دیتے رہے۔ مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون میں آپ نے

بیضاوی شریف اور دورۂ حدیث کی کتابوں کا درس دیا۔ اور تمام علوم و فنون کی کتابیں پڑھائیں۔ یہاں سے فارغ ہونے والے طلباء کی دستار بندی حضرت حکیم الامت تھانوی کے دست مبارک سے ہوتی تھی۔ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کے قیام میں حضرت تھانوی کے انفاس قدسیہ اور توجہات عالیہ کی برکت

سے جو قابلِ قدر علمی اور تبلیغی کارنامہ حضرت مولانا نے انجام دیا اس کی مثال علماء سلف اور قدماء کے کاموں میں بھی نایاب نہیں تو کیا ب ضرور ہے۔ مولانا کی تصنیفات و تالیفات کا تذکرہ مستقل عنوان کے تحت آگے آ رہا ہے جس سے آپ کے تبلیغی کام کا تعارف ہو سکے گا۔

**مدرسہ راندیریہ رنگون** جب مولانا کے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری مدینہ منورہ میں وفات پا گئے (۱۳۲۶ھ کا زمانہ ہے) تو مولانا کے دل پر کچھ تو اپنے شیخ کی دائمی مفارقت کا صدمہ تھا پھر بینائی پر بھی اثر ظاہر ہوا تو اطباء نے کچھ دن ساحل دریا پر قیام تجویز کیا تھا۔ اسی زمانے میں رنگون (برما سے حضرت حکیم الامت کے بعض خدام کا خط آیا کہ مدرسہ راندیریہ رنگون میں ناظم کی جگہ خالی ہے۔ تنخواہ ایک سو پچھتر روپے ہے۔ مولانا نے تھانہ بھون کے مدرسہ سے ایک سال کی رخصت لے کر وہاں جانا منظور کر لیا مگر وہاں کی تبلیغی ضرورتوں سے اڑھائی سال تک وہاں قیام رہا (جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے) اور رنگون سے ۱۳۲۹ھ میں تھانہ بھون واپسی ہوئی اور یہاں پہنچ کر حسب سابق حضرت حکیم الامت کی خدمت میں رہ کر درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور فتوے نویسی کے شعبوں میں خدمات انجام دیتے رہے۔ اور یہ سلسلہ ۱۳۵۸ھ تک جاری رہا۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی خدمت بابرکت میں اتنی طویل مدت اور عرصہ دراز تک قیام کرنے اور حضرت سے علمی استفادہ اور روحانی استفادہ کا موقع حضرت مولانا مرحوم کے برابر حضرت تھانویؒ کے متوسلین میں سے کسی دوسرے کو میسر نہیں آیا اور اس ثمرت میں حضرت مولانا مرحوم حضرت تھانویؒ کے

غالباً تمام ہی متوسلین پر سبقت لے گئے ہیں۔

عمر ایں سعادت بند و در باز و نیست تانہ بخشد خدا سے بخشندہ

مولانا کے بعض احباب نے ۱۳۵۸ھ میں  
**ڈھاکہ یونیورسٹی سے تعلق** آپ کو ڈھاکہ یونیورسٹی میں بنانے کی تحریک

کی۔ چونکہ تھانہ بھون میں مکان بنانے کی وجہ سے مولانا کے ذمہ قرض بہت ہو گیا تھا اور یونیورسٹی میں تنخواہ معقول تھی اس لیے حضرت مولانا نے حضرت حکیم الامت کی اجازت سے وہاں جانا منظور فرمایا اور ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ میں تھانہ بھون سے ایک سال کی رخصت لے کر ڈھاکہ یونیورسٹی سے وابستہ ہو گئے حضرت مولانا مرحوم کا ڈھاکہ یونیورسٹی سے تعلق ملازمت بھی معذرات میں سے تھا جو ہو کر رہا۔ ورنہ اس بارے میں مولانا کے دلی جذبات و احساسات یہی تھے کہ "کاش میں ایسا نہ کرتا!" چنانچہ اپنے ایک مکتوب گرامی میں بھی انہی تاثرات کا اظہار فرمایا ہے۔ یونیورسٹی میں بھی اگرچہ آپ کے میٹرڈ بخاری شریف، مسلم شریف، کتاب التوحید اور ہدایہ وغیرہ کے بڑے بڑے اسباق تھے۔ لیکن مولانا مرحوم کے ذوق علمی کو پورا کرنے کے لیے یہ اسباق بھی کافی نہ ہوئے۔

چنانچہ مولانا نے یونیورسٹی کے مذکورہ اسباق کے  
**مدرسہ اشرف العلوم ڈھاکہ** علاوہ مدرسہ اشرف العلوم ڈھاکہ میں جو مولانا کی ہی

سرپرستی میں آپ کے احباب نے قائم کیا تھا۔ مؤطا امام مالک، بیضاوی شریف، اور شتوی مولانا مرحوم کے اسباق بلامعاوضہ پڑھانے شروع کر دیئے۔ ان اسباق میں ڈھاکہ یونیورسٹی کے بعض پروفیسر بھی شریک ہوتے تھے۔ چنانچہ

ڈاکٹر شہید الشہر حرم، ڈاکٹر سراج الحق صاحب اور پروفیسر جیلانی صاحب اسی زمانے کے مولانا کے شاگرد ہیں۔ مدرسہ اشرف العلوم کے اکثر حضرات مدرسین بھی مؤطا امام مالک اور ثنوی کے درس میں شریک ہو کر تھے۔ ان اسباق کے علاوہ اس مدرسہ میں مولانا بخاری شریف کا درس بھی دیا کرتے تھے۔

جامعہ قرآنہ لال باغ ڈھاکہ | چوتھے سفر حج سے واپسی کے بعد لال باغ کی شاہی مسجد میں مولانا کی زیر سرپرستی ایک

عظیم دینی درس گاہ، جامعہ قرآنہ کے نام سے قائم ہوئی۔ اس درس گاہ کے ناظم اعلیٰ مشرقی پاکستان کے ممتاز عالم دین مولانا شمس الحق صاحب فرید پوری تھے جو حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی سے بیعت تھے اور ان کا اصلاحی تعلق حضرت مولانا سے تھا۔ حضرت تھانوی کے وصال کے بعد مولانا سے تجدید بیعت کر لی اور آپ کے مخصوص خلفاء میں شمار ہوتے ہیں۔ موصوف کے علاوہ حضرت حکیم الامت تھانوی کے خلیفہ و مجاز حضرت حافظ جی حضور مشرقی پاکستان کی مایہ ناز علمی و روحانی شخصیت ہیں جامعہ قرآنہ کے مدرس اول اور شیخ الحدیث ہیں۔ اس مدرسہ میں بھی حضرت مولانا نے بخاری شریف کا درس کم و بیش پندرہ سال تک نہایت پابندی سے دیا ہے۔ اس میں بھی جامعہ قرآنہ کے تمام مدرسین شریک ہو کر علمی استفادہ کرتے رہے ہیں۔ ڈھاکہ سے ترک تعلق کے بعد جب مولانا مرحوم مغربی پاکستان تشریف لے آئے جامعہ قرآنہ کی سرپرستی بدستور فرماتے رہے اور ہر سال رمضان المبارک کی تعطیلات وہیں جا کر گزارتے تھے اور شوال کے مہینہ

میں بخاری شریف کے اسباق شروع کرانے کے بعد واپس تشریف لاتے تھے اور شعبان کے مہینہ میں آپ ہی جا کر ختم بخاری کی رسم ادا فرماتے تھے۔ جامعہ قرآنہ کے بیشتر مدرسین آپ کے مُرید و شاگرد ہیں۔

**مدرسہ عالیہ ڈھاکہ** | مدرسہ عالیہ ڈھاکہ وہی درسگاہ ہے جو ہندوستان کی تقسیم سے قبل مدرسہ عالیہ کلکتہ کہلاتی تھی اور

مولانا مرحوم کے استاد محترم مولانا محمد اسحاق برودانی جامع العلوم کانپور سے ترکی تعلق کے بعد اسی مدرسہ میں صدر مدرس مقرر ہو کر تشریف لائے تھے یہ مولانا برودانی کی روحانی کنشش تھی یا مولانا عثمانی کی طلبِ صادق تھی کہ تقسیمِ ملکی کے نتیجہ میں یہ مشہور دینی درسگاہ کلکتہ سے ڈھاکہ منتقل ہو گئی اور ۴۲ سال کی مدت کے بعد ۱۹۴۸ء میں مولانا برودانی کے نامور شاگرد مولانا ظفر احمد عثمانی نے اُن کی جگہ سنبھال لی۔ مولانا کو ڈھاکہ یونیورسٹی سے مدرسہ عالیہ کی صدر مدرس کی جگہ پر لانے میں مولانا کے دوست جناب فضل احمد کَریم فضلی کا بڑا ہاتھ تھا جو اس وقت ڈھاکہ میں سیکرٹری تعلیمات اور مدرسہ عالیہ کے صدر بھی تھے۔ آپ ہی کی کوششوں سے مولانا نے یہاں اُنا منظور کیا تھا۔ موصوف نے مولانا کی منظوری حاصل کرنے کے بعد مدرسہ عالیہ کے پرنسپل کے پاس مولانا کے تقرر کی رسمی اطلاع بھیج دی تو بعض لوگوں نے اس پر اعتراض کیا کہ مولانا کا تقرر انٹرویو کے بغیر ہوا ہے۔ حالانکہ اس جگہ پر آج تک کسی کا تقرر انٹرویو کے بغیر نہیں ہوا۔ جب یہ بات جناب فضل احمد کَریم فضلی صاحب تک پہنچی تو آپ نے فرمایا۔ مولانا عثمانی انٹرویو دینے کے لیے تیار ہیں۔ مگر ان کا انٹرویو لے گا کون؟ کم از کم میں تو اپنے آپ کو

اس قابل نہیں سمجھتا اور نہ پرنسپل صاحب اپنے کو اس لائق سمجھتے ہیں۔ اس پر معترضین لا جواب ہو کہ خاموش ہو گئے اور مولانا نے مدرسہ عالیہ کی صدر مدرس کا چارج سنبھال لیا۔ یہاں مدرسہ کی تعلیمی نگرانی اور اساتذہ میں تقسیم اسباق کے علاوہ بخاری شریف، الاشباہ والنظائر، اصول بزوری کے اسباق بھی آپ کے سپرد رہے۔ اور اس درس گاہ سے ۱۹۵۲ء تک مولانا کا تعلق قائم رہا۔

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل | تقسیم ملک سے قبل ڈھاکہ یونیورسٹی سے تعلق کے زمانہ میں یونیورسٹی کی تعطیلات گرمائی میں جامعہ

اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت میں بھی مولانا نے درس حدیث کی خدمات انجام دی ہیں اور مسلم شریف و ترمذی شریف کے اسباق پڑھائے ہیں۔ مولانا قاضی الدیار صاحب مرکزی مبلغ مجلس تحفظ ختم نبوت نے اسی زمانہ میں مولانا سے درس حدیث پڑھنے کی سعادت حاصل کی تھی۔

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور کے بعد متحدہ ہندوستان کی بڑی دینی درس گاہ شمار ہوتی تھی جس کے نامور مدرسین میں مولانا مرحوم کے علاوہ مولانا انور شاہ کاشمیری، مولانا بدر عالم میرٹھی، مولانا شمس الحق افغانی اور مولانا یوسف بنوری جیسے استادان حدیث کے نام شامل ہیں۔

مشرقی پاکستان سے دل برداشتگی | ۱۹۵۲ء میں مسلم لیگ کا عوامی لیگ اور دوسری پارٹیوں کے

متحدہ محاذ (جگتو فرنٹ) سے مقابلہ ہوا جس میں متحدہ محاذ غالب آگیا۔ مولانا

مرحوم مسلم لیگ کی ناکامی کی وجہ سے مشرقی پاکستان میں قیام سے دل برداشتہ ہو گئے چنانچہ مدرسہ عالیہ کے پرنسپل کی دلی خواہش کے باوجود مولانا نے مدت ملازمت میں مزید توسیع قبول نہ فرمائی۔ اور مغربی پاکستان میں مستقل قیام کا ارادہ کر لیا۔ مدرسہ عالیہ سے سبکدوش ہونے کے بعد پہلے مولانا نے حج کا قصد کیا۔ اور سفر حج سے واپسی کے بعد ڈھاکہ تشریف لائے ہی تھے کہ مولانا احتشام الحق متانوی دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہیار میں شیخ الحدیث کے عہدہ پر بلانے کے لیے ڈھاکہ پہنچ گئے اور مولانا نے وہاں جانا منظور فرمالیا۔

دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہیار | اکتوبر ۱۹۵۴ء کے آخر میں حضرت مولانا دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہیار کے

عہدہ شیخ الحدیث پر فائز ہو کر مسلسل بیس سال تک قرآن و حدیث کی خدمت اور تعلیم و تدریس میں مشغول رہے اور اپنی قوت و طاقت سے بڑھ کر زندگی کے آخری لمحات تک علوم قرآن و حدیث کی تعلیم اور نشر و اشاعت میں مصروف رہے۔ مولانا کی دلی تمنا تھی کہ عمر کے آخری ایام سکون قلب اور یکسوئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اور اُس کی یاد میں گزریں۔ اور اطمینان کے ساتھ قرآن و سنت کی خدمت کا موقع نصیب ہو۔ اس لیے آپ نے پاکستان کے بڑے بڑے شہروں لاہور یا کراچی کے بجائے ایک چھوٹے قصبہ ٹنڈوالہیار میں قیام فرمانا پسند فرمایا۔

یہ صحیح ہے کہ حضرت مولانا کو متحدہ ہندوستان اور مشرقی پاکستان میں جو شہرت حاصل تھی اور سیاسی جدوجہد میں آپ نے جو نام اور مقام حاصل کیا تھا اس کی نسبت سے آپ کا ٹنڈوالہیار کا زمانہ قیام تقریباً کم ہی میں گزرا ہے۔

اور حضرت کے اعزہ و اقارب کا بھی یہی خیال رہا ہے کہ اگر مولانا کسی مرکزی مقام پر قیام فرماتے تو یہاں بھی وہی مقام اور شہرت حاصل ہوتی جو پہلے متحدہ ہندوستان اور پھر مشرقی پاکستان میں حاصل تھی مگر حضرت مولانا کو اپنے آخری ایام میں اللہ کی یاد اور علوم دین کی خدمت کے لیے جس یکسوئی اور سکون قلب کی ضرورت تھی وہ آپ کو سنڈوالہیار جیسے چھوٹے سے قصبے ہی میں میسر آسکتی تھی۔ چنانچہ آپ اپنی اس گنتائی پرشاداں تھے اور جب کبھی اس کا تذکرہ آتا اپنی اس خوشی کا برملا اظہار فرمایا کرتے تھے چنانچہ راقم الحروف کے عرصہ میں نے حضرت مولانا نے اپنے ایک دالانامہ میں تحریر فرمایا :-

عزیز من سلمہ !

السلام علیکم۔ لاہور اور کراچی سے سنڈوالہیار ہی اچھی جگہ ہے  
آج کل شہروں میں سکون نہیں ہے۔

پھر بھی علمی خدمات کے ساتھ ساتھ سیاسی خدمات کے لیے بھی جب کبھی مولانا کی ضرورت مسلمانوں کو ہوئی آپ نے کبھی اس سے دریغ نہیں فرمایا۔ بلکہ انتہائی صنعت اور پیرانہ سالی کی حالت میں بھی حضرت مولانا مرحوم ملک و ملت کی صحیح خدمت اور رہنمائی کا فرض انجام دیتے رہے اور شرعی حدود اور نظریہ اسلام کے تحفظ اور خدمت پاکستان کے لیے ہمیشہ سرگرم عمل رہے۔ حضرت مولانا کی سیاسی خدمات اور علمی جدوجہد کا تذکرہ مستقل عنوان سے آئندہ صفحات آ رہا ہے۔ یہاں تو آپ کی علمی خدمات بالخصوص شعبہ درس و تدریس میں آپ نے جو نمایاں خدمات انجام دی ہیں ان کا اجمالی تعارف کرنا مقصود ہے۔

## طریقہ درس

مندرجہ بالا تفصیل سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت مولانا مرحوم نے تعلیم و تدریس کے شعبے میں کتنی گراں مایہ اور دقیق خدمات انجام دی ہیں اور عمر کا ایک بہت بڑا حصہ ہر علم و فن کی کتابیں پڑھانے میں صرف کیا ہے اور پاک و ہند کے قدیم و جدید مراکز علم (دارالعلوم اور یونیورسٹیوں) میں علم و فن کے ہر شعبے کی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ ان درس گاہوں میں جو طریقہ درس مدتوں آپ کے تعلیمی اور تدریسی تجربہ میں رہا اور اس کو آپ نے مدت العمر اختیار کئے رکھا اور طلباء کے لیے مفید سمجھا وہ یہ تھا۔

آپ عبارت کتاب کو حل کرنے اور نفس مضمون کو دل نشین کرنے پر زیادہ زور دیتے تھے۔ درس حدیث کے وقت اختلافی مسائل کی تشریح نہایت سادہ لفظوں اور آسان زبان میں فرماتے اور مقصد حدیث کو سمجھانے کے بعد حدیث کی مختلف توجیہات میں سے ملخص طور پر جامع اور آخری توجیہ بیان فرماتے تھے جو سب سے زیادہ معقول ہوتی تھی۔ اس طریقہ تعلیم سے نفس مضمون اور خلاصہ مطلب طلبہ کو بخوبی ذہن نشین ہو جاتا تھا اور آپ اس طریقہ تعلیم میں اپنے استاد بحر العلوم مولانا محمد اسحاق بردوانی کے نقش قدم پر تھے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنی قدس سرہ صدر سند حدیث دارالعلوم دیوبند کا طریق تدریس بھی یہی تھا۔ غرض آپ کا طریقہ تعلیم بہت مختصر مگر جامع اور نہایت مفید ہوتا تھا۔

درس میں آپ کی سادگی سے اکابر کی یاد تازہ ہوتی تھی | درس حدیث کے ضمن میں اگر کسی

وقت تفصیلی افادہ کی ضرورت محسوس فرماتے تو اپنی شہرہ آفاق تصنیف ”اعلاء السنن“ یا جس کتاب کے حوالہ کی ضرورت پیش آتی اس کا حوالہ بیان کر دیتے اور بعض اوقات اس کتاب کو بھی کمرہ درس میں سمجھ لے آتے اور اس کی عبارت پڑھ کر سنا دیتے اور اس میں کسی قسم کی سبکی محسوس نہیں فرماتے تھے حضرت مولانا کی اس سادگی سے اکابر دیوبند کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ ہمارے اساتذہ بالخصوص حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی جو دارالعلوم دیوبند کے پہلے صدر مدرس تھے وہ تو اپنے ماتحت مدرس سے بھی کسی عبارت کے حل کرانے میں کوئی عاریا سبکی محسوس نہیں فرماتے تھے اور اسی وقت سب کے سامنے اس کا اظہار بھی فرما دیا کرتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ جو حضرات لوگوں کی مدح و ذم سے بلند ہوتے ہیں۔ ان کی نظر تحصیل مقصد پر ہوتی ہے اور جس طرح بھی ان کا مقصد حاصل ہوتا ہے اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سطح بین نظروں میں اگرچہ ایسی باتیں نکلتی اور محسوس ہوتی ہیں اور ان کو باند پایہ استادان حدیث کے مقام رفیع سے فرد تر سمجھا جاتا ہے۔ مگر حقیقت پر نظر رکھنے والوں کا مطمح نظر طلبہ کا افادہ اور تحصیل مقصد ہوتا ہے اس لیے وہ ایسی چھوٹی باتوں کو خاطر میں نہیں لانے اور نہ انہیں اس بات کا خوف ہوتا ہے کہ لوگ ہمارے بارے میں کیا رائے قائم کریں گے اور صحیح بات بھی یہی ہے کہ ایسے بلند و بالا مقامات کے مالک حضرات کے لیے ایسی سطی باتوں پر نظر رکھنا بجائے مناقب کے مثالب میں شمار ہونا چاہیے کیونکہ ظاہری رکھ رکھاؤ کی فکر تو ان لوگوں کو ہوتی ہے جو اسی ظاہر داری اور ملمع سازی کے ذریعہ اپنی شخصیت کو بنانے

اور نکھارنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن جن اللہ کے نیک بندوں کے لیے حسب ارشاد  
 ”یومئذ لا یقبل فی الارض“ عوام و خواص کے دلوں میں قبولیت و محبت راسخ  
 کر دی گئی ہو اور جو حضرات علم کے اصلی جواہر سے مرصع اور مزین ہوں اور جن کے  
 قلوب میں تواضع و انکسار نے جگہ بنالی ہو انہیں ایسی سطحی باتوں کی طرف توجہ  
 کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی بلکہ وہ ہمیشہ اُن سے دُور ہی رہنے  
 کی کوشش کرتے ہیں۔

حضرت مولانا کے مشہور تلامذہ | یوں تو حضرت مولانا کے تلامذہ اور شاگردوں  
 کی بہت بڑی تعداد پاک و ہند کے ہر

گوشہ میں تعلیم و تدریس اور دوسرے دینی شعبوں میں مختلف خدمات انجام دیتی  
 ہوئی نظر آئے گی اور آپ کا یہ فیض برصغیر سے نکل کر ہر مین شریفین سے اور  
 یوگنڈا تک پھیلا ہوا نظر آئے گا۔ پھر یہ سلسلہ واسطہ در واسطہ ہو کر بہت سے  
 دوسرے اسلامی ممالک میں بھی دور دراز تک پھیلا ہوا ہے اس لیے آپ کے  
 فیض علمی حاصل کرنے والوں کی صحیح تعداد اور آپ کے تلامذہ کا قطعی انداز میں  
 شمار کرنا از بس دشوار ہے۔ اس جگہ چند ایسے مشاہیر اہل علم حضرات کا  
 تذکرہ کیا جاتا ہے جن کی علمی شخصیت اور تبحر علمی بجلئے خود مسلم ہے اور  
 جو بجا طور پر اپنے دور کے بلند پایہ استادانِ حدیث اور اکابر علماء میں شمار ہوتے  
 ہیں اور ان سب کو حضرت مولانا سے نسبت تلمذ اور شرف استفاضہ  
 علوم حاصل ہے۔

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی | موصوف نے حضرت مولانا مرحوم سے  
 شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور | علاوہ مختلف کتابوں کے ہدایہ اور

مشکوٰۃ شریف بھی پڑھی ہیں۔ مولانا محمد ادریس صاحب بخاری شریف اور مشکوٰۃ شریف کے شارح بھی ہیں۔ ان کی شرح مشکوٰۃ "التعلیق الصبیح" عربی زبان میں سات جلدوں میں شائع ہو چکی ہے بڑی نافع اور مفید شرح ہے۔ شرح مشکوٰۃ کے علاوہ مولانا نے قرآن کریم کی تفسیر بھی لکھی ہے۔ بائیس پاروں کی تفسیر تحریر فرما چکے تھے لیکن آپ کی زندگی میں دس پاروں کی تفسیر شائع ہو سکی۔ مولانا کے سلمے اہل حق کے تمام تراجم دہتے تھے اور ان سب پر غور کے بعد ترجمہ اور تفسیر تحریر فرماتے تھے جو سب کا خلاصہ اور مغز ہوتا تھا۔ طلبہ و مدرسین کے اشکالات کے حل کے لیے اور صحتِ ترجمہ کے اعتبار سے بہترین تفسیر ہے۔

آپ نے روعیانیت و مرزائیت اور بے شمار دوسرے علمی موضوعات پر بہت سی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ آپ کثیر التقانیات اور دورِ حاضر کے محقق علماء میں سے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند جیسی شہرہ آفاق درس گاہ میں آپ طویل عرصہ تک شیخ التفسیر کے عہدہ پر فائز رہے ہیں اور اس درس گاہ میں مدتوں حدیث کا درس بھی دیا ہے۔ جامعہ اسلامیہ بہاول پور میں بھی کچھ عرصہ قیام رہا اور وہاں تعلیم و تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ آخر میں جامعہ اشرفیہ لاہور کی مسندِ درس حدیث کو یہ نابغہ روزگار سہتی میسر آ گئی اور اس جامعہ کے حصہ میں یہ شرف آیا کہ آپ کے آخری فیوض سے مستفیض ہوا اور ہمیشہ کے لیے یہ مایہ ناز شخصیت جامعہ کی طرف منسوب ہوتی رہے گی۔ مہرِ جب ۱۳۹۲ھ کو لاہور میں وفات پائی اور رحمان پورہ کے قبرستان میں مدفون ہیں۔

حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کا پلہوئی | مولانا عبدالرحمن صاحب کا پلہوئی

مدرس اول مظاہر علوم سہارنپور  
نے عربی علم ادب کی کتابیں حضرت مولانا سے پڑھی تھیں۔ مولانا عبدالرحمن صاحب  
کا پلہوئی عرصہ دراز تک مظاہر علوم سہارنپور کے مدرس اول رہے ہیں۔ تقسیم ملک  
کے بعد خیر المدارس ملتان اور دارالعلوم ٹنڈوالہیار میں استاد حدیث رہے۔ بڑے  
مسکے المزاج اور متواضع بزرگ تھے۔ معقولات و منقولات کے جامع اور بڑے درجہ  
کے محقق عالم تھے اور ساتھ ہی شیخ طریقت بھی تھے۔ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی  
کے مخصوص خلفاء میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ آپ کی تربیت اور اصلاح باطن کی  
خط و کتابت کو جو آپ کے اور حضرت حکیم الامت کے مابین ہوئی، حضرت تھانوی  
کی اشرف السوانح کا بطور خاص جزو بنایا گیا ہے اور عبادة الرحمن کے نام سے  
اس کو بڑے اہتمام سے شائع کیا گیا ہے۔ غرض کمالات علمیہ و عملیہ کے  
جامع بزرگ تھے۔

حضرت مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدنی | مولانا بدر عالم نے بھی دارالعلوم  
دیوبند، جامعہ اسلامیہ اہل

اور دارالعلوم ٹنڈوالہیار میں درس حدیث دیا ہے۔ فیض الباری، شرح بخاری  
(تقریبہ حضرت مولانا محمد انوار شاہ) کے مؤلف و جامع ہیں۔ آپ کی یہ مایہ ناز  
تالیف عربی زبان میں ہے اور اردو میں ”ترجمان السنہ“ کی چار جلدیں  
لکھ کر آپ نے علم حدیث کی بہت بڑی خدمت انجام دی ہے۔ آپ  
نے چند رسالے رد مزائیت پر بھی لکھے ہیں۔ زندگی کے آخری ایام میں  
ہجرت مدینہ کے بعد آپ نے مسجد نبوی میں بیٹھ کر درس دیا ہے جس میں

علماء حجاز نے بھی آپ سے اکتساب علمی کیا ہے۔ آپ حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند کے سلسلہ میں مجاز بیعت تھے اور آپ کے علمی فیوض کے ساتھ مدینہ منورہ میں آپ کا روحانی فیض بھی جاری تھا۔ آپ نے بھی حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ سے اصول فقہ کی کچھ کتابیں پڑھی ہیں اور اس طرح آپ کو بھی حضرت مولانا سے نسبت تلمذ حاصل ہے۔ ۵ رجب المرجب ۱۳۸۵ھ ۲۹ اکتوبر ۱۹۶۵ء شب جمعہ میں مولانا نے داعی اجل کو لبیک کہا اور جنت البقیع میں امات المؤمنین کے عین قدموں کے نیچے اُن کو قبر کی جگہ ملی۔ سبحان اللہ کیسے خوش نصیب بزرگ تھے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ذکریا کاندھلویؒ آپ نے بھی حضرت مولانا مرحوم سے عربی کی ابتدائی

کتابوں کے اسباق پڑھے ہیں اور ایک اد نے نسبت تلمذ آپ کو بھی حضرت مولانا مرحوم سے حاصل ہے۔ حضرت شیخ الحدیث کی علمی، تالیفی اور تدریسی خدمات کا شہرہ تمام عالم میں پھیلا ہوا ہے۔ اور اُن کے تبلیغی نصاب سے تو کم و بیش پوری دُنیا نے اسلام مستفید ہو رہی ہے۔ آپ نے مؤطا امام مالکؒ کی مبسوط شرح عربی زبان میں لکھی ہے جو ”ادجز المسالک“ کے نام سے شائع ہوئی ہے اور اُن کی ”لامع الدراری“ شرح بخاری عربی بھی طبع ہو چکی ہے نیز حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کے ساتھ بذل الجہود شرح ابی داؤد کی تصنیف و تالیف میں بھی صاحب موصوف نے بہت کام کیا ہے۔

غرض مولانا بلند پایہ استاد حدیث ہونے کے علاوہ اپنے عہد کے بہت بڑے مصنف و مؤلف ہیں اور اس وقت جبکہ یہ سطور لکھی جا رہی ہیں تو

مدینہ منورہ میں آپ کا علمی و روحانی فیض جاری ہے۔ آپ کو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ کی طرف سے اجازت بیعت و خلافت حاصل ہے۔ فیض علمی کے ساتھ آپ کا یہ روحانی فیض بھی عام ہے۔ حضرت شیخ کے تعزیتی خط سے جو موصوف نے مولانا عمر احمد عثمانیؒ کے نام لکھا ہے اسے اپنی قدر و اہمیت کے پیش نظر ”تذکرہ“ میں شامل کیا جا رہا ہے۔ اس امر کا انکشاف ہو کہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی آپ کو اجازت بیعت عطا فرمائی تھی مگر بوجہ غلبہ تواضع حضرت مولانا مرحوم نے اپنے خلفاء و مجازین کی فہرست میں کہیں اس کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ حضرت شیخ اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی کے متعلق جب بھی کسی نے یہ دریافت کیا کہ کیا یہ حضرات بھی آپ کے شاگرد ہیں؟ تو حضرت مولانا مرحوم نے ہمیشہ جواب میں یہی منہ مایا کہ ”یہ تو میرے معاصرین میں سے ہیں اور حق تعالیٰ ان ہی کے طفیل میری مغفرت فرمادیں۔“

<p>مولانا موصوف نے بھی درس نظامی کی متعدد کتاہیں حضرت مولانا مرحوم سے پڑھی ہیں۔ مولانا ماشا اللہ</p>	<p>حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور</p>
--	---

ہدایت ذہین اور ذی علم اور صاحب استعداد عالم ہیں۔ درس و تدریس کے علاوہ آریہ سماجیوں، مرزائیوں اور اہل بدعت سے بڑے معرکہ کے مناظرے سر کئے ہیں اور اس طرح دفاع اسلام کے لیے بڑی خدمات انجام دی ہیں۔

جن دنوں راجپوتانہ کے علاقہ میں فتنہ ارتداد کا سیلاب اُٹا ہوا تھا

آپ نے ”فتنہ ارتداد اور مسلمانوں کا فرض“ کے نام سے ایک مفید رسالہ لکھ کر مسلمانوں کو اس فتنہ کے مقابلے کی ترغیب دلائی۔ اس کے علاوہ آپ کئی دوسرے رسالوں کے مصنف بھی ہیں اور حضرت حکیم الامت کے رسالہ ”حفظ الایمان“ کی جس عبارت پر اہل بدعت نے شور و غوغا برپا کیا ہوا تھا مولانا موصوف نے اس عبارت کی نہایت مناسب و موزوں تشریح فرمائی ہے۔ اور اس رسالہ کا نام ”تکمیل العرفان“ ہے۔

اسی طرح مسئلہ توسیع قدرت باری تعالیٰ جس کا ڈراؤنا نام امرکان کذب رکھ دیا گیا ہے۔ اس کی تحقیق میں حضرت تھانویؒ نے ایک رسالہ ”المکالمہ“ لکھا ہے۔ جس کی تشریح مولانا اسعد اللہ صاحب نے ”المسالہ“ فی شرح المکالمہ کے نام سے لکھی ہے جو ”بواد النوار“ میں شامل ہے۔

ان رسائل کے علاوہ حضرت مولانا موصوف نے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات متعلقہ لطائف سیتہ کی پرانہ معلومات شرح تحریر فرما کر سالکین پر بہت بڑا احسان بھی کیا ہے۔ یہ بھی ”بواد النوار“ میں شامل ہے۔ اس کا نام القطف من اللطائف ہے۔ آپ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مجازہ طریقت بھی ہیں اور آج کل آپ مظاہر علوم سہارنپور کے ناظم اعلیٰ ہیں۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا کی عمر میں برکت عطا فرمائیں اور آپ کا سایہ نادیر قائم رہے۔

غرض یہ بعض ایسے مشہور حضرات اصحاب درس و تدریس اور صاحب تصنیف و تالیف اکابر علماء کرام کا مختصر تذکرہ ہے جنہوں نے حضرت مولانا مرحوم سے مظاہر علوم سہارنپور میں تدریسی خدمات انجام دینے کے زمانے میں علمی استفادہ کیا ہے اور حضرت مولانا مرحوم اپنی انتہائی تواضع اور انکساری کی بناء پر ان حضرات شاگردان کرام کو اپنے سے بھی آگے بڑھا ہوا سمجھتے اور اور تحریر فرماتے ہیں ”اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ ان حضرات ہی کے طفیل مجھے بھی جنت میں جگہ مل جائے گی۔“

(انوار النظر)

ان حضرات کے علاوہ تھانہ بھون کے زمانہ قیام میں بہت سے حضرات نے حضرت مولانا مرحوم سے اکتساب علم کیا جن میں خصوصیت سے والد مرحوم مولانا عبد الکریم گتھلی مرحوم اور مولانا حافظ جلیل احمد صاحب علی گڑھی، خلیفہ حضرت تھانویؒ کے نام قابل ذکر ہیں۔ نیز حضرت مولانا ظہور الحسن صاحب کسولی حالی ناظم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون تحریر فرماتے ہیں:

”میں نے حضرت مولانا سے مختصر معانی اور ہدیہ سعیدیہ پڑھا ہے اور مولانا قباد علی صاحب بنگالی نے تو اکثر دورہ کی کتابیں بھی تھانہ بھون میں پڑھی تھیں۔“ (خط بنام احقر)

قیام رنگون کے زمانے میں بھی اور پھر سولہ سالہ ڈھاکہ کے زمانہ قیام میں بھی حدیث و فقہ کا درس مولانا ہمیشہ دیتے رہے ہیں۔ اس عرصہ میں کتنے طلباء اور علماء نے آپ سے حدیث کا علم پڑھا اور علوم فقہ وغیرہ میں بھی استفادہ کیا۔ اس کی صحیح تعداد کا احاطہ تو کیا تخمینہ اور اندازہ لگانا بھی

مشکل ہے۔ ایک کثیر تعداد ہے جو اس چشمہ علم سے فیض یاب و سیراب ہوتی رہی ہے۔

ٹنڈوالہیار کے دارالعلوم میں آپ کا قیام ایسی عمر میں ہوا جبکہ عام طور پر قویٰ میں اضمحلال آجاتا ہے اور ضعف کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں۔ مگر آپ کے اشاعتِ علوم دینیہ کے غلبہ شوق کا یہ حال تھا کہ ۶۴ سے ۸۴ سال کی پیرانہ سالی میں بھی اپنے مشاغلِ علمیہ کو ایسی مستعدی اور ہمت سے سرانجام دیا کہ جواں سال اور نوعمروں کے لیے بھی آپ کا یہ جذبہ قابلِ رشک بنا رہا۔

حضرت مولانا مرحوم اپنے بیس سالہ قیام دارالعلوم ٹنڈوالہیار کے دور میں بخاری شریف کا درس تو ہمیشہ دیا ہی کرتے تھے۔ مگر شروع میں اس کے ساتھ ترمذی شریف بھی تقریباً پانچ چھ سال آپ کے پاس ہی رہی اور برابر مقدمہ اعلیٰ السنہ اور شمالی ترمذی، مؤطین کے ادائی وادائی پڑھاتے رہے اور چند سال تک طحاوی شریف بھی پڑھائی اور اصول حدیث میں بحثہ الفکر بھی پڑھاتے رہے اور دو سال تک مثنوی شریف کا درس بھی دیا۔

بعض سالوں میں حجۃ اللہ البالغہ کا سبق بھی پڑھایا۔ اس بیس سالہ قیام کے دوران دارالعلوم ٹنڈوالہیار سے جو طلباء فارغ ہوئے اور جن خوش نصیبوں نے حضرت مولانا مرحوم سے بخاری شریف اور بعض دوسری کتابیں پڑھی ہیں ان کی تعداد (۴۳۷) ہے۔ اس زمانہ کے فارغ ہونے والے بعض مشاہیر اہل علم کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:-

مولانا عابد الرحمن صاحب جو کہ اس وقت مدرسہ دارالعلوم کے درجہ علیا کے مدرس اور مسلم و نسائی وغیرہ پڑھاتے ہیں۔

دوسرے مدرس مولانا عمر احمد سورتی، شرح جامی وغیرہ پڑھاتے ہیں۔ ایک اور ابتدائی مدرس مولوی قادر صاحب ہیں۔ یہ تینوں اصحاب حضرت مولانا کے شاگرد مدرسہ دارالعلوم میں بکار تعلیم مشغول ہیں۔

مولوی صالح محمد صاحب اور مولوی محمد یحییٰ صاحب مدرسہ مفتاح العلوم حیدرآباد (سندھ) میں درس کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

سعودی عربیہ کی طرف سے افریقہ میں مبلغ مولانا محمد قاسم بلوچی بھی حضرت مولانا کے ہی شاگرد ہیں۔ وہ دارالعلوم سے فارغ ہو کر پہلے مدینہ یونیورسٹی میں گئے تھے۔ پھر وہاں سے افریقہ میں مبلغ مقرر ہو گئے۔ مولانا عبدالرزاق صاحب افریقی یوگنڈا جو کہ اس وقت وہاں کے مشہور عالم اور صدر عدی امین کے مخصوص دینی مشیر ہیں وہ بھی حضرت مولانا کے شاگرد ہیں۔

مولوی محمد یاسین صاحب کرمائی جو کہ شاگرد آباد کوٹ پنڈی داس شیخوپورہ میں مدرسہ کے منتظم ہیں۔ وہ بھی حضرت مولانا مرحوم کے شاگرد ہیں۔

مولوی محکم دین صاحب خطیب مسجد فیروزی اسلام پورہ ٹوبہ ٹیک سنگھ بھی اسی زمانہ کے مولانا کے شاگرد ہیں۔



## حضرت مولانا کا فتہ آن کریم سے تاثر اور بخاری شریف کے ساتھ خصوصی تعلق!

حضرت مولانا مرحوم قرآن مجید کے عاشق تھے اور چونکہ مولانا کو علم ادب عربی میں بڑی دستگاہ حاصل تھی اور آپ فصاحت و بلاغت کلام عربی کے بڑے ماہر اور رمز شناس تھے اس لیے قرآن مجید کی تلاوت کے وقت الفاظ قرآنی اور نظم عربی کا آپ پر بہت اثر ہوتا تھا۔ مولانا خود فرماتے ہیں :-

”اس (قرآن) کی بلاغت و فصاحت بعض دفعہ دل کو ایسا بے قابو کر دیتی ہے کہ گویا دل پھٹ جائے گا“

پھر لطف یہ ہے کہ یہ توجہ الی الالفاظ التفات الی المعانی والی المسکون سے مانع نہیں ہوتی تھی۔ خود مولانا تحریر فرماتے ہیں :-

”مجھے محسوس ہوتا ہے کہ جس وقت بلاغت قرآن سے دل بے قابو ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ شانہ کے ساتھ قلب کو خاص تعلق ہوتا ہے اور محبت میں بھی ترقی ہوتی ہے“

مولانا نے جب اپنا یہ حال لکھ کر کہ ”مجھے تلاوت کے وقت زیادہ تاثر قرآن سے ہوتا ہے اس وقت معانی سے تاثر محسوس نہیں ہوتا“ حضرت حکیم الامت تھانوی سے دریافت کیا تو حضرت تھانوی نے ارشاد فرمایا :-

”تحقیق یہ ہے کہ سالک کے احوال مختلف ہوتے ہیں کسی وقت کلام لفظی کی تجلی کا غلبہ ہوتا ہے اور کسی وقت کلام نفسی کی تجلی کا۔ سب محمود و سائط تہ بیت ہیں“

ایک خط میں مولانا نے لکھا ہے :-  
 ” تلاوت اور درد و شریعت پڑھتے ہوئے حق تعالیٰ شانہ کی  
 خاص توجہ محسوس ہوتی ہے ۔“  
 حضرت تھانویؒ نے اس پر تحریر فرمایا :-

” یہی ہیں وہ واردات جو بعد وصول عطا ہوتے ہیں “  
 ایک خط میں مولانا نے لکھا کہ تلاوت و ذکر میں ایسا حضور ہوا کہ  
 بے ساختہ دب ادنیٰ نظر ایٹک عرض کہ نے کو جی چاہتا تھا۔“  
 حضرت تھانویؒ نے فرمایا ” مبارک ہو “  
 ایک اور جگہ لکھتے ہیں :-

” الحمد للہ کہ تلاوت قرآن میں ایک خاص حلاوت پاتا ہوں “  
 غرضیکہ مولانا مرحوم کو تلاوت قرآن کریم میں ایک خاص حلاوت و  
 لذت حاصل ہوتی تھی اور کیفیت حضوری میسر آتی تھی۔ اس لیے قرآن مجید  
 سے مولانا کو خاص شغف تھا۔

رمضان المبارک میں بڑے اہتمام سے خود تراویح میں قرآن کریم  
 پڑھتے اور جماعت کراتے تھے۔ جب سے بوجہ ضعف عمر خود پڑھنے سے  
 معذوری ہوتی تھی دوسروں کا بڑے اہتمام سے سننے، باوجود انتہائی کمزوری  
 اور بیماری کے جماعت کے لیے مسجد میں حاضر ہوتے اور تراویح پڑھتے تھے  
 یہاں تک کہ اس آخری رمضان المبارک میں بھی جبکہ آپ کی عمر ۸۴ سال  
 سے بھی متجاوز تھی اور ضعف بھی انتہا کو پہنچ گیا تھا بیٹھ کر پوری تراویح  
 پڑھی۔ صرف دو تین یوم شدت علالت پیش کی وجہ سے قرآن کریم تراویح

میں نہ سن سکے تو ختم قرآن کے بعد چھوٹے ہوئے قرآن کو سننے کی فرمائش کی۔  
اور چھوٹا ہوا حصہ تراویح میں سن کر سنت ختم کی تکمیل فرمائی۔

میرے عریضہ کے جواب میں اپنی اس حالت کا مولانا مرحوم نے اس طرح  
ذکر فرمایا ہے: "اس رمضان میں میری صحت اچھی نہیں ہے بس کام چل رہا ہے۔  
روزہ بھی ہے افطار بھی تراویح بھی پڑھ رہا ہوں، قرآن سن رہا ہوں اور اپنا بھی  
پڑھ رہا ہوں اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں اور صحت و طاقت عطا فرمائیں۔"

بخاری شریف کے ساتھ بھی حضرت مولانا قدس سرہ کو عشق کے درجہ کی  
محبت تھی اور بفضلہ تعالیٰ مولانا کو اپنے تدریس زمانہ کے تقریباً ہر دور میں  
بخاری شریف کے پڑھانے کی سعادت نصیب ہوتی رہی ہے اور ہر جگہ آپ  
کا یہ عشق ظاہر و نمودار ہوتا رہا ہے اور آخری بیس سال میں تو حضرت مولانا نے  
بخاری شریف کا درس بالانتظام اپنے لیے مخصوص فرمایا تھا اور یہ بھی اللہ تعالیٰ  
کا انعام عزیز تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مولانا کے دل و دماغ حافظہ کو آخر تک بہت  
بہتر رکھا۔ وفات سے دو ہفتہ پہلے تک بخاری شریف کا درس دیتے رہے صرف  
دو ہفتہ پہلے یہ درس بخاری بند ہوا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا بخاری شریف  
حضرت مولانا مرحوم کی جان تھی۔ بخاری شریف کے درس سے مولانا کو خاص  
بشاشت حاصل ہوتی تھی خود فرمایا کرتے تھے اس سے میری طبیعت اچھی ہوتی  
ہے اور تازگی آتی ہے اور فرمایا کرتے تھے بخاری پڑھاتے پڑھاتے جاؤنگا  
چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ۲۷ شوال کو باقاعدہ بخاری شریف دارالعلوم کے طلباء کو  
شروع کرائی اور ایک ہفتہ تک درس دیا پھر علیل ہو گئے اور بہت کم وقت  
میں رحلت فرما گئے۔ رحمۃ اللہ رحمۃ واسعہ۔

مولانا عابد الرحمن صاحب ابن حضرت مولانا اشفاق الرحمن صاحب کاندھلوی  
 تحریر فرماتے ہیں: ”ناچیز نے ۱۳۷۶ھ میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی سے صحیح  
 بخاری پڑھی ہے۔ حضرت مرحوم کو بخاری سے حد درجہ شغف اور خاص تعلق تھا اور  
 صحیح بخاری کی عظمت اس قدر ان کے دل میں جاگزیں تھی کہ کسی صورت میں  
 درس بخاری کا ناٹھ گوارہ نہ تھا چنانچہ حیات کے آخری دور تک یہی کیفیت رہی۔  
 درس بخاری نہایت مختصر اور جامع دیتے تھے۔ گویا موتی پتھر اور ہوسہے ہیں۔  
 اور اس جامعیت و اختصار کے ساتھ صحیح بخاری کے ہر ایک پہلو کو ایسا واضح  
 فرماتے تھے کہ اس کے بعد کسی چیز کی کوئی حاجت باقی نہ رہتی تھی۔ صحیح بخاری  
 کے حل اور تراجم ابواب کی تشریح میں حافظ ابن حجر کے قول کو زائد ترجیح دیتے  
 تھے اور مسائل کے سلسلہ میں امام عینی کے قول پر زائد نظر دہتی تھی مذاہب  
 ائمہ بھی اختصار کے ساتھ بیان فرماتے اور ائمہ اربعہ کا جو قول مفتی بہ ہونا  
 حتیٰ الوسع اسی کو ذکر فرماتے تھے اور ہر ایک امام کے قول پر ان کے اہم ترین  
 دلائل بیان فرما کہ امام ابو حنیفہ کے قول کی اہمیت حدیث و نظر کے اعتبار سے  
 ثابت فرماتے اور گاہے امام بخاری اور دیگر ائمہ کے اقوال کے جواب میں  
 فرماتے کہ میں نے اعلا السنن میں اس چیز کو واضح کر دیا ہے بغرضیکہ اس  
 عظمت و احترام کے ساتھ صحیح بخاری کا درس دیا کرتے تھے۔“

متعنا اللہ وایاکم بغیروضہم - انتی -



# حضرت مولانا مرحوم کی تصنیفات و تالیفات

مقتانہ بھون کے زمانہ قیام میں حضرت مولانا مرحوم نے علم تفسیر اور علم حدیث کی بڑی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ اور بہت بڑی بڑی مایہ ناز کتابیں فن تفسیر اور حدیث میں آپ نے یہاں کے قیام میں تالیف اور تصنیف فرمائی ہیں۔ ذیل میں آپ کی تصنیفی اور تالیفی خدمات کے تعارف کی غرض سے کسی قدر تفصیلی تذکرہ کیا جاتا ہے اور ہر فن کی تصنیفات کا اس فن کے عنوان کے تحت ذکر کیا جاتا ہے۔

## علم تفسیر

**تلخیص البیان** | زمانہ قیام مقتانہ بھون مولانا نے ایک سال کی محنت میں تفسیر بیان القرآن مؤلفہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا خلاصہ اس نام سے کیا تھا۔ اس خلاصہ کو حضرت تھانویؒ نے بہت پسند فرمایا تھا۔ حائل شریف کے حاشیہ پر یہ خلاصہ تفسیر اشرف المطابع مقتانہ بھون میں طبع ہوا ہے مگر طباعت ناقص اور کتابت غیر واضح ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کو دوبارہ عمدہ طریقہ پر شائع کیا جائے۔ حضرت مولانا مرحوم نے تلخیص البیان کے آخر میں

اُس کی تاریخ ۱۳۳۹ھ حسب ذیل عربی بیت سے نکالی ہے۔

طلبت له النادر يخ من عند حاقن فنادى تلخيص البيان عجيب

**الشفاء** قرآن کریم پر وارد کئے جانے والے شہادت کے جواب میں مولانا نے تفسیر بیان القرآن کے مضامین کو سوال و جواب کے طرز پر مرتب

کرنے شروع کیا تھا۔ رسالہ النور تھانہ بھون میں قسط وار یہ سلسلہ شائع ہوتا رہا۔ مگر افسوس کہ یہ سلسلہ قائم نہیں رہ سکا۔

**احکام القرآن** فقہ اسلامی حنفی کن کن آیات سے ماخوذ ہے اور علمائے احناف نے کون کون سی آیات سے کون کون سے مسائل

فقہیہ کا استنباط کیا ہے۔ احکام القرآن میں ان کو جمع کر دیا گیا ہے۔ اس طرح قرآن کریم سے فقہ حنفی کے دلائل کا ایک بہت عمدہ اور مستند مجموعہ عربی زبان میں یکجا جمع ہو گیا ہے۔ علم تفسیر میں مولانا کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے۔ سورہ فاتحہ سے سورۃ النہد تک کی دو جلدی مولانا مرحوم نے مکمل فرمائی تھیں۔

یہ دو جلدیں بڑے سائز کے ۸۰۸ صفحات پر مشتمل ہیں اور شائع ہو چکی ہیں اس پیرانہ سالی اورضعف عمر کے زمانے میں بھی مولانا نے سورۃ المائدہ سے آگے لکھنا شروع فرمادیا تھا مگر تکمیل نہیں ہو سکی۔ خدا کرے اس کی تکمیل کا اور پھر اُس کی اشاعت کا انتظام جلد ہو جائے اور یہ علمی نوادرات کا ذخیرہ منظر عام پر آکر تشنگانِ علوم کو سیراب کر دے۔

احکام القرآن اور اعلیٰ السنن اسکا ذکر آگے آ رہا ہے دونوں ایسی

عجیب و غریب کتابیں ہیں کہ جن کی مثال سے علمی دنیا تقریباً ایک ہزار سال سے خالی تھی، حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی سرپرستی میں مولانا مرحوم کے

قلم گوہر رقم سے یہ نایاب موتیوں کا مخفی خزانہ علمی دنیا کو دستیاب ہوا۔

القول المیسور فی تسہیل ثبات الستور | حضرت تھانویؒ کے رسالہ ثبات الستور لذوات الغدور

کی یہ تسہیل ہے۔ مولانا نے ایسی خوبی کے ساتھ یہ تسہیل فرمائی ہے کہ اصل رسالہ بہت ہی سہل اور آسان ہو گیا ہے۔ النور صفر ۱۳۴۷ھ میں یہ رسالہ شائع ہوا ہے۔

الحصان الحصینہ | یہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ القاد السکینہ کی تسہیل مولانا نے فرمائی ہے جو

مذکورہ بالا نام سے مستقل کتابی شکل میں شائع ہوا ہے۔ یہ دونوں رسالے پردہ نسواں سے متعلق آیات کی تفسیر و تشریح میں ہیں۔

## علم حدیث

اعلاء السنن | مولانا کاسب سے بڑا علمی شاہکار اس صدی کا ہی نہیں بلکہ شاید

علم حدیث کا بہت بڑا کارنامہ کتاب اعلاء السنن اور اُس کے مقدمہ کی تصنیف ہے جو کہ بیس ضخیم جلدوں میں بڑے سائز کے چھ ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی بڑی تمنا رہی کہ یہ کتاب جلد شائع ہو کر مفید خاص و عام ہو مگر حضرت تھانویؒ کی حیات میں اُس کی صرف گیارہ جلدیں ہی پیش قدمہ شائع ہو سکیں۔ بقیہ جلدیں قیام پاکستان کے بعد شائع ہوئی ہیں۔ الحمد للہ مولف علام اس مکمل کتاب کو زیور طبع سے آراستہ دیکھ کر مسرور

ہوئے۔ اس کتاب کی ابتدائی جلدیں نایاب ہو چکی ہیں اور جو حصے دستیاب ہیں اُن کی طباعت و کتابت اگرچہ شایانِ شان نہیں ہے مگر پھر بھی عدمِ وجود بہر حال بہتر ہے اور اہلِ علم کے لیے اس کتاب کا وجود مغنماتِ زمانہ سے ہے۔

۱۳۳۵ھ میں جب حضرت مولانا مرحوم نے دوسرے جج کے بعد تھانہ بھون میں مستقل قیام کر لیا تو حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے اعلاء السنن کے تالیف کرنے کی خدمت بھی منجملہ دوسری علمی خدمات کے مولانا کے سپرد فرمادی۔ پہلے اس خدمت کو مولانا احمد حسن سنبل کر رہے تھے اور اس کتاب کا ایک حصہ ان کا لکھا ہوا بنام احیاء السنن شائع ہوا تھا۔ مگر حضرت تھانویؒ ان کے کام سے مطمئن نہیں ہوئے۔ اس لیے مولانا نے اس طبع شدہ حصہ پر بھی استدکات تحریر فرمائے جو الاستدراک الحسن کے نام سے شائع ہوئے تھے۔ اس کا انداز چوں کہ سوال و جواب کا تھا اس لیے بعض اہلِ علم خصوصاً اہلِ عرب کو کتاب کے ان مختلف ناموں اور سوال و جواب کے انداز سے الجھن پیدا ہوتی تھی اس لیے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ نے خواہش ظاہر فرمائی کہ یہ جلد ایک مسلسل کتاب کی صورت اختیار کرے اور اس کا نام بھی احیاء السنن کی بجائے اعلاء السنن ہی ہو جائے تو اچھا ہے۔

یہ کام کس قدر الجھا ہوا اور دیدہ ریزی کا طالب تھا اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے تھے جو ایسے کاموں کا تجربہ رکھتے ہیں لیکن حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے اس پیرانہ سالی میں یہ بے حد پیچیدہ اور مشقت طلب کام بھی مکمل فرمادیا اور احیاء السنن اور الاستدراک الحسن دونوں حصوں پر نظر ثانی

فرما کہ اس کا نام بھی اعلاء السنن ہی رکھ دیا۔

دارالعلوم کراچی میں مولانا محمد تقی صاحب سلمہ اس پر تحقیق و تعلیق کا کام کر رہے ہیں۔ انشاء اللہ یہ جلد اپنی اس نئی صورت میں بھی عنقریب ٹائپ کی عمدہ طباعت کے ساتھ شائع ہونے والی ہے۔ اس کتاب کا ایک مقدمہ انتہاء السنن ایک بار پہلے بھی طبع ہو چکا ہے اب دوبارہ پھر کراچی میں ٹائپ ہو کر طبع ہوا ہے۔ اس کو شام کے محقق عالم شیخ عبدالفتاح نے مصنف علیہ الرحمہ سے اجازت لے کر ”قواعد فی علوم الحدیث“ کے نام سے اپنی طرف سے قابل قدر تعلیقات اور گراں مایہ مقدمہ کے اضافہ کے ساتھ نہایت آب و تاب کے ساتھ زیور طبع سے آراستہ کر لیا ہے۔

اعلاء السنن کا یہ مقدمہ لقبول مولانا محمد یوسف صاحب، اصول حدیث کے نوادر نفائس پر مشتمل ہے اور تمام کتب رجال اور کتب حدیث اور کتب اصول حدیث سے انتہائی عرق ریزی کے بعد مولانا مرحوم نے وہ نفائس جمع کر دیئے ہیں کہ عقل حیران ہے اور یہ مقدمہ بجائے خود ایک مستقل بے مثال کتاب ہے۔

دوسرا مقدمہ انجاء الوطن بھی پہلی بار شائع ہو چکا ہے اب دوبارہ وہ بھی مولانا عبدالفتاح کے پاس زیر طبع ہے۔ خدا کرے جلد طبع ہو جائے۔ مولانا کے زمانہ قیام رنگون میں مولانا حبیب احمد کیرانوی مرحوم نے بھی تھقانہ بھون رہے کہ اعلاء السنن کے کچھ حصے لکھے تھے۔ جب مولانا مرحوم رنگون سے واپس تھقانہ بھون آئے تو حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے حکم سے ان حصوں پر بھی نظر ثانی فرمائی اور ان کے لکھے ہوئے حصوں پر تہنات لکھے جس میں

دلائل نقیبہ کا اضافہ کیا اور کچھ حصے مستقل طور پر بھی دوبارہ لکھنے پڑے۔

غرضیکہ مولانا نے ۱۳۳۸ھ سے ۱۳۵۶ھ تک مختلف اوقات میں تقریباً بیس سال کی عرق ریزی اور محنت شافہ کے بعد اس کتاب میں ابواب الطہارۃ سے لے کر کتاب المواریث تک کے تمام مسائل خلافیہ مشہورہ میں ہدایہ کے ترتیب کے موافق فقہ حنفی کی تائید کے لیے بہت بڑا ذخیرہ احادیث جمع کر دیا ہے تمام فقہی ابواب سے متعلق احادیث نبویہ کو جمع کر کے ان کی ایسی بے نظیر تشریح اور تفصیل فرمائی ہے جو وسعت معلومات اور وقت نظر کے لحاظ سے پوری عالم اسلام میں اپنی مثال آپ ہے اور جس کو دیکھ کر بڑے بڑے علماء زمانہ اور فضلاء دیگانہ حیران و ششدرہ گئے ہیں۔

اس جگہ صرف مولانا محمد یوسف صاحب بنوری کا تاثر اس کتاب کے بارے میں پیش کر دینا ناظرین کے لیے اس کتاب اور اس کے مصنف کے مقام و مرتبہ کے پہچاننے کے لیے کافی ہے۔ مولانا تحریر فرماتے ہیں :-

”مولانا عثمانی بے شمار چھوٹی بڑی کتابوں کے مصنف تھے اگر انکی تصانیف

میں اعلیٰ الاسن کے علاوہ اور کوئی تصنیف نہ ہوتی تنہا یہ کتاب ہی علمی کمالات، حدیث وفقہ و رجال کی قابلیت و مہارت اور بحث و تحقیق کے ذوق محنت و عرق ریزی کے سلیقہ کے لیے ہمہاں قاطع ہے۔

اعلاء الاسن کے ذریعے حدیث وفقہ اور خصوصاً مذہب حنفی کی وہ قابل قدر خدمت کی ہے کہ جس کی نظیر مشکل سے ملے گی۔ یہ کتاب ان کی تصانیف کا شاہکار اور فنی تحقیق ذوق کا معیار ہے۔ علمی جواہرات کی قدر شناسی وہی شخص کر سکتا ہے جس کی زندگی اسی وادی میں گزری ہو۔ دور دراز مواقع

اور غیر فطان سے جو اہر ات نکال کر خوب صورتی سے سجا کر رکھ دینا یہ وہ قابلِ قدر کارنامہ ہے جس پر جتنا رشک کیا جائے کم ہے۔ موصوف نے اس کتاب کے ذریعہ جہاں علم پر احسان کیا ہے وہاں خنفی مذہب پر بھی احسان عظیم کیا ہے۔ علماء حنفیہ قیامت تک اُن کے مرہونِ منت رہیں گے۔ بلاشبہ اس بے نظیر کتاب میں حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے انفاسِ قدسیہ اور توجہاتِ عالیہ اور ارشاداتِ گرامی کا بہت کچھ دخل ہے۔ لیکن حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی کے ذریعہ ان کا ظہور پُر نور ان کے کمال کی دلیل ہے۔

۱۳۵۷ھ میں جب راقم الحروف قاہرہ میں مجلسِ علمی کی طرف سے ایک علمی خدمت پر مامور تھا حضرت شیخ محمد زاہد کوثری اس وقت دُنیا سے اسلام کے محققِ عالم اور نادرہ روزگار تھے اور علماء اہلِ اُتھان کے سرمایۂ افتخار اور بے نظیر محقق و وسیع النظر متبحر عالم تھے۔ ترکِ الاصل تھے۔ فتنہ کمالیہ میں وطن سے ہجرت کر کے مصر میں مقیم تھے۔ جب میں نے کتاب پیش کی تو حضرت نے مطالعہ کے بعد فرمایا کہ احادیثِ احکام میں حنفیہ کے نکتہ نظر سے اس کتاب کی نظیر نہیں اور فرمایا کہ یہ مجھے دیکھ کر حیرت ہوئی ہے کہ قدامد کی کتابوں میں بھی اس استیعاب و استیغام کے ساتھ ادلہ حنفیہ کو جمع کر کے اس کی تحقیق و تنقیح کی مثال مشکل سے ملے گی اور پھر وہ تقریظ تحریر فرمائی جو کتاب کے ساتھ طبع ہوئی ہے۔ بہر حال کہنا یہ ہے کہ اس شہیدِ علم کی یہ ایک کتاب ہی ان کی اُٹینہ کمالات ہے اگر اور تصنیف نہ بھی ہوتی تو صرف یہ ایک کتاب ہی کافی و شافی تھی۔“

اسی طرح جناب ابو علی کا لے سٹور، اعظم کٹرھ اعلا السنن کا تفصیلی تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں کاشش یہ کام مکمل ہو گیا ہو کہ اس نقطہ نظر سے بھی حدیث کی بڑی عظیم الشان خدمت ہے جس پر ہندوستان کو اپنے تمام علمی کارناموں کے ساتھ جو پچھلے زمانہ میں انجام پائے جتنا بھی فخر ہو کم ہے اور مولانا ظفر احمد صاحب کی علمی زندگی کا تو بڑا کارنامہ ہے۔ انہوں نے اگر کچھ اور نہ بھی کیا ہوتا تو تنہا یہی مقدس کام ان کو بقائے دوام کی مجلس میں جگہ دینے کے لیے کافی تھا لیکن انہوں نے اس کے علاوہ بھی بہت سے علمی کارنامے انجام دیئے ہیں۔“

(رسالہ دارالعلوم بابت جمادی الاول ۱۳۹۵ھ)

سبب تالیف | جب سے ہندوستان میں فرقہ غیر مقلدین کا شیوع اور ظہور ہوا ہے اس وقت سے اس فرقہ کی طرف سے

حنفیوں پر یہ طعن کیا جا رہا ہے کہ حنفی مسائل کی تائید میں حدیثیں بہت کم ہیں اور احسان کے بہت سے مسائل احادیث کے خلاف ہیں اس غلط فہمی کے ازالہ کے لیے یہ کتاب تالیف کی گئی ہے۔ مدارس عربیہ میں زیر درس کتب احادیث جو نہ زیادہ تر ایسے حضرات محدثین کی تالیف ہیں جو شافعی مسلک رکھتے ہیں اور ان میں حنفیہ کی مؤید احادیث یکجا نہیں ملتیں اس لیے ضرورت اس بات کی تھی کہ کتب احادیث سے ایسی احادیث اور روایات کو جمع کر دیا جائے جن سے مسائل حنفیہ کا استنباط ہوتا ہے اور وہ احادیث مسائل حنفیہ کا ماخذ ہیں۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے اس ضرورت کا احساس فرما کر احیاء السنن کے نام سے اس قسم کی احادیث کا مجموعہ مرتب فرمایا تھا مگر اس کا مسودہ ضائع ہو گیا۔ پھر ۱۳۳۱ھ میں اس کام کی وسعت کے پیش نظر یہ

طے فرمایا کہ اس کے لیے بعض مستند علماء کو اپنے پاس رکھ کر ان سے یہ کام لیا جائے۔ چنانچہ مولانا احمد حسن سنہلی کو اس کام کے لیے مقرر کیا گیا۔ جیسا کہ اوپر گزرتے چکا ہے مگر ان کے کام سے حضرت حکیم الامتؒ کو اطمینان اور تشفی نہیں ہوئی۔ حضرت نے اپنے اس عدم اطمینان کا تذکرہ اپنے رسالہ مودی مرید میں چند مثالوں کے ساتھ خود بھی فرمادیا ہے مگر اس کا تفصیلی اندازہ کہنے کے لیے الاستدراک الحسن کا مطالعہ ضروری ہے جو احیاء السنن جلد اول مؤلفہ مولانا احمد حسن مذکور پر حضرت مولانا مرحوم علیہ الرحمۃ نے ارقام فرمایا ہے۔

**حضرت مولانا کا فقہی مسلک اعتدال** | حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے فیوض الحرمین میں اپنے جس مکاشفہ کا تذکرہ فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حنفی مذہب پر عمل کا ایسا عمدہ طریقہ بتلایا ہے جو ان حدیثوں سے جن کو بخاری اور ان کے ساتھیوں نے جمع کیا اور ان کی جانچ پڑتال کی، زیادہ موافق ہے اور وہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ ان تینوں کے اقوال میں سے وہ قول لیا جائے جو حدیث سے زیادہ قریب ہو۔

(فیوض الحرمین اردو ص ۲۷)

حضرت مولانا مرحومؒ نے اس مسلک اعتدال کو اختیار فرمایا کہ اپنی اس تالیف میں اس کے موافق عمل فرمایا ہے اور اس میں تقلید جامد کے بجائے تحقیق فی التقليد سے کام لیا گیا ہے اور جس مسئلہ میں دوسرے مذاہب کے دلائل قوی ہوئے اُس کا برملا اظہار کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا

مرحوم ارقام فرماتے ہیں :

”مذہب حنفی کے متعلق شاہ صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بطور کشف کے نقل فرمایا ہے۔ بحمد اللہ کتاب اعلاء السنن میں اسی کے مطابق عمل کیا گیا ہے کہ اپنے ائمہ ثلاثہ میں سے جس کا قول حدیث کے زیادہ موافق پایا اختیار کیا گیا ہے بلکہ بعض مسائل میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو حنفیہ کے قول پر ترجیح دی گئی ہے اور لکھ دیا گیا کہ کتب احادیث موجودہ میں حنفیہ کی تائید میں کوئی حدیث نہیں ملی۔ ممکن ہے ہمارے ائمہ کے پاس کوئی حدیث ہو جو کتابوں میں ہم کو نہیں ملی۔ اس لیے بحالت موجودہ قول امام شافعی قوی ہے اور ہم نے اسی کو اختیار کیا ہے“

(امام راشد ص ۱۳۸)

مقصود یہ ہے کہ مولانا مرحوم نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی ہدایت و منشا کے موافق اس کام کو بڑی دیدہ ریزی، وسعت نظر اور تحقیق و تنقید کے ساتھ انجام دیا اور احیاء السنن کا نام بدل کر اعلاء السنن رکھ دیا۔ مولانا مرحوم نے اس تالیف میں مذہب حنفی کی مویدہ احادیث کو استیعاب کے ساتھ جمع کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کے باسے میں محدثین اور اہل فن کی تحقیقات کو بھی یکجا کر دیا ہے اور احادیث کی جرح و تعدیل اور تصحیح و تضعیف پر مفصل کلام کیا ہے اور اس تمام بحث اور تفصیلی کلام میں پورے تیقظ اور حسن و احتیاط کے ساتھ مسلمہ اصول خدثین کو پیش نظر رکھتے ہوئے مسائل کے استنباط و استخراج میں اور احادیث سے اپنے مدعا پر استدلال کرنے میں ایسی عمیق فیتہانہ دقت نظری سے کام لیا ہے کہ اس کو دیکھ کر بڑے بڑے نادرہ

روزگار محدث اور ناقدانہ بصیرت رکھنے والے فقیہ بھی حیرت میں رہ گئے۔

**مسئلہ محاذاتِ نساء کی دلیل** | اعلاء السنن کے زمانہ تالیف میں محاذاتِ

نساء کے مسئلہ میں حنفیہ کی مؤید احادیث کی تلاش میں جناب مولانا مرحوم کا حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کی خدمت میں دارالعلوم دیوبند جانا ہوا تو حضرت شاہ صاحب موصوف نے اپنی بیاض مولانا مرحوم کے حوالہ فرمادی جس میں حنفیہ کی مؤید احادیث کی نشاندہی کی گئی تھی۔ مولانا مرحوم نے دودن کے قیام میں جس قدر ہوسکا اس بیاض میں مسائل حنفیہ کے دلائل کو قلمبند کر لیا۔ مگر اس بیاض میں مسئلہ محاذاتِ نساء میں حنفیہ کی مؤید حدیث نہیں ملی۔ پھر بعد میں تلاش کمرے سے اس مسئلہ کی دلیل حدیث سے مجمع الزوائد میں مولانا مرحوم کو مل گئی اور اس کو اعلاء السنن میں درج کر دیا گیا۔

اس عرصہ میں مولانا مرحوم کا سہارنپور میں جانا ہوا تو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نے جو اس زمانے میں بذل الجہود شرح البوراد کی تصنیف میں مشغول تھے۔ مولانا سے فرمایا کہ مسئلہ محاذاتِ نساء میں تم کو کوئی واضح دلیل حدیث سے تائید حنفیہ میں ملی! مولانا نے مجمع الزوائد سے اس حدیث کو نکال کر دکھلا دیا۔ حضرت محدث سہارنپوری اس پر بہت خوش ہوئے اور فوراً ہی اس کو نقل فرمایا۔

اعلاء السنن کے ابتدائی سات حصوں کا اردو ترجمہ مجھ عوام کے استفادہ کے لیے کیا گیا ہے وہ ہر حصے کے ساتھ ہی طبع ہوا ہے۔ ایسے مسائل اختلافیہ کا ذکر جن میں غیر مقلدین حنفیوں سے زیادہ اُلجھتے ہیں وہ زیادہ تر ان سات حصوں میں ہی ہیں اس لیے مفہوم حدیث اور خلاصہ مطلب اردو میں منتقل کر دیا

گیا ہے تاکہ اُردو دان عوام بھی مسلک حنفیہ کے دلائل سے کسی قدر واقف ہو کر غیر مقلدین کے مخالطات کا شکار ہونے سے محفوظ رہیں۔

ترجمہ اُردو والترغیب والترہیب | مولانا مرحوم نے علامہ منذریؒ کی الترغیب والترہیب کا اُردو ترجمہ

بھی کیا تھا۔ مجموعہ کا نام ”الانوار المحمدیہ“ اور اس کے ہر حصے کا نام انوار رکھا تھا۔ مثلاً انوار الصوم، انوار الحج۔ ان دونوں انوار کا ترجمہ ۱۳۵۵ھ میں مدرسہ راندیریہ رنگون میں ختم ہو گیا تھا پھر اس کے بعد انوار الجہاد لکھا۔

حضرت حکیم الامتؒ کا ارشاد گرامی | اعلیٰ السنن کے بارہ میں حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ کے

ایک ملفوظ گرامی کا اقتباس نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے جس سے اس کتاب کی وقعت و اہمیت کا صحیح طور پر اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ حضرت حکیم الامتؒ فرماتے ہیں:

”میں نے ایک کتاب تیار کرائی ہے، اس کا نام ہے ”اعلاء السنن“

اس میں ہر مسئلہ پر حدیثوں کو جمع کر دیا گیا ہے۔ اس سے پہلے

مذہب احناف کی نصرت میں کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی گئی ہے

تمن عربی میں ہے اور عوام کی سہولتوں کے لیے بعض حدیثوں

میں حاشیہ پر اُردو ترجمہ کر دیا گیا ہے بہت ہی جامع اور

مالح کتاب ہے“

(الافاضات الیومیہ ص ۲۱۸ جلد ۶)

## علم فقہ

حضرت مولانا مرحوم کو علم فقہ میں بھی بہت مہارت اور بڑی دستگاہ حاصل تھی اور اس فن میں کمال اور رسوخ کے حصول میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے فیض صحبت کا بڑا دخل تھا۔ حضرت سہارنپوریؒ کی خدمت میں مولانا مرحوم نے علم فقہ میں مہارت حاصل کرنے اور فقہ کے لیے سات سال کا زمانہ گزارا تھا۔ حضرت مولانا سہارنپوریؒ علم فقہ میں بڑے ماہر اور کامل تھے اور حضرت موصوف کا فقہ مسلم تھا۔ تذکرۃ الرشید اور تذکرۃ الخلیل میں درج شدہ سوالات اور واقعات سے حضرت مولانا سہارنپوریؒ رحمۃ اللہ علیہ کا کمال تفقہ ظاہر و باہر ہے۔ اس کے علاوہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی نگہانی میں ساہا سال تک تحریر فتاویٰ کا کام انجام دینے کے مواقع بھی مولانا مرحوم کو میسر آتے رہے ہیں۔

امداد الاحکام فی مسائل الحلال والحرام | تالیف و تصنیف اور درس و

تدریس کے ساتھ فتاویٰ کے لکھنے کا کام بھی مولانا مرحوم کے سپرد تھا۔ اور آپ خانقاہ تھانہ جھون کے مفتی بھی تھے۔ مولانا مرحوم کی فتاویٰ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی نظر ثانی اور تصحیح کے بعد فتاویٰ کے رجسٹر میں درج کر لیا جاتا تھا۔ اس طرح فتاویٰ کا ایک ضخیم مجموعہ تیار ہو گیا تھا جو رجسٹروں میں موجود ہے۔

اس مجموعہ فتاویٰ کا نام حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے امداد الاحکام تجویز

فرمایا تھا۔ اگرچہ اس کا کچھ حصہ پہلے رسالہ الہادی دہلی میں شائع ہوا تھا۔ پھر اس حصہ کو علیحدہ کتابی شکل میں بھی شائع کیا گیا تھا۔ حضرت تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں :-  
 ”برخود دارِ سلمہ کے فتاویٰ پر مجھے تقریباً ایسا ہی اطمینان ہے جیسا کہ خود اپنے لکھے ہوئے فتاویٰ پر۔ اس لیے اس کا نام امداد الاحکام ضمیمہ امداد الفتاویٰ تجویز کرتا ہوں“ (تمہید امداد الاحکام الہادی ص ۱۳۰ جلد ۱)

مگر اس گراں قدر علمی مجموعہ کے مکمل طور پر شائع ہونیکا انتظام نہیں ہو سکا تھا۔ اب حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم کی نگرانی اور سرپرستی میں یہ علم کا مخفی خزانہ دارالعلوم کراچی سے شائع ہو رہا ہے۔ پہلی جلد کی کتابت مکمل ہو چکی ہے اور اسکے جلد ہی منظرِ عام پر آنے کی اُمید ہے۔

دارالعلوم ٹنڈوالہیار میں بیس سال تک حضرت مولانا مرحوم نے اپنے قلم سے سینکڑوں فتاویٰ تحریر فرمائے۔ ان کے علاوہ مدرسہ میں لکھے جانے والے جن فتاویٰ پر نظر ثانی فرما کر مہر تصدیق ثبت فرمائی ان کی تعداد بھی ہزاروں سے متجاوز ہے صرف مولانا مفتی محمد وجیبہ صاحب کے سترہ سال کے عرصہ میں تحریر کردہ فتاویٰ کی تعداد خود فتاویٰ کے رجسٹر میں درج ہو سکے ۱۲۵۳۷ تک پہنچ چکی تھی۔ جن پر حضرت مولانا مرحوم نے نظر ثانی فرمائی ہے۔ اور بہت سے ایسے فتاویٰ بھی ہیں جو بغیر نقل کے روانہ کئے جاتے رہے انکی تعداد کا اندازہ بھی تین ہزار سے کم نہیں ہوگا۔

حضرت مولانا مرحوم کے بعض مفصل اور مبسوط فتاویٰ کو ان کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر رسالہ کی شکل میں بھی شائع کیا گیا ہے۔ مولانا کے ایسے ہی چند رسائل کا تذکرہ کیا جاتا ہے :-

جبریہ تعلیم کے خلاف فتوے | حکومت برطانیہ کے زمانے میں جب جبریہ تعلیم کا قانون بنایا گیا تھا اور قرآنی تعلیم کے مکتب بھی اس قانون سے متاثر ہو کر بند ہونے لگے تھے تو حضرت والد مرحوم نے ایک استفتاء اور اس کا جواب لکھ کر حضرات علمائے کرام سے اس کی تصدیق کرائی تھی اس پر بھی حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا مفصل تائیدی فتوے شائع ہوا تھا۔ یہ رسالہ رسالہ جبریہ تعلیم کے ساتھ ملحق ہو کر شائع ہوا ہے۔

القول الماضی فی نصب القاضی | حضرت حکیم الامت تھانویؒ کو بزمِ مانہ حکومت برطانیہ کے

ہندوستان میں قاضیوں کے تقرر کا بڑا خیال رہا اور اس کے لیے کئی مرتبہ مختلف صورتوں میں کوشش فرماتے رہے۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے قاضی کی تقرر کی ضرورت کو شرعی طور پر ثابت کرنے اور جو مسلم ممبرانِ کونسل اس مسئلہ کو کونسل میں پیش کرنے والے تھے ان کے ساتھ سب مسلمانوں کو مکمل اتفاق رائے ظاہر کرنے کی تلقین کی غرض سے یہ رسالہ تالیف فرمایا تھا۔ النور ماہِ محرم ۱۳۲۵ھ میں شائع ہوا ہے۔

میرٹھ میں حضرت تھانویؒ کے اشارے پر ایک انجمنِ نصب القضاۃ کے نام سے قائم ہوتی تھی۔ اس نے بھی یہ رسالہ شائع کر کے اس مسئلہ کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا تھا۔

کشف الدجی عن وجہ الربو | ریاست حیدرآباد کے مفتی عبداللطیف صاحب نے (جو کہ علامہ سید سلیمان ندوی کے بھی

استاذ ہوتے ہیں) ایک رسالہ صدارت عالیہ اور محکمہ شریعت و عدالت ہندوستان سے بنام الاستفتاء عربی زبان میں شائع کیا تھا۔ اس رسالہ میں انہوں نے یہ دعوے کیا تھا کہ ربا اور سود صرف بیع میں ہوتا ہے۔ قرض میں زیادہ لینا دینا سود نہیں ہے چونکہ اس رسالہ میں ایسا طرز استدلال اختیار کیا گیا تھا جس سے خدشہ تھا کہ خواص اہل علم بھی متاثر نہ ہو جائیں۔ اس لیے مولانا مرحوم نے حضرت حکیم الامت مہتانویؒ کے حکم سے اس رسالہ کا یہ تفصیلی جواب تحریر فرمایا تھا۔ یہ رسالہ عربی زبان میں ہے اس کا ترجمہ اردو بھی دوسرے کالم میں ساتھ ساتھ ہے۔ بڑے سائز کے ۴۸ صفحات کے نور ماہ ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ میں پہلی بار شائع ہوا تھا۔ پھر اس کی اشاعت علیحدہ رسالہ کی شکل میں بھی ہوئی۔ علاوہ اس نثر ہندوستان اور امداد الفتاویٰ کا جزو بن کر بھی شائع ہوا اور ہو رہا ہے۔

اس رسالہ پر جن مشاہیر علمائے کرام کی تصدیق و توثیق ثبت کی ہیں ان میں حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ اور مولانا سید سلیمان ندویؒ کے نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں اس کے علاوہ مولانا سید سلیمان ندویؒ اپنے مکتوب بنام حضرت حکیم الامت مہتانویؒ میں لکھتے ہیں :-

”رسالہ کشف الحجاب کے مطالعہ سے بہرہ مند ہوا طرز عبارت اور انشاء

کی سلاست اور جاذبیت نور علی نور ہے“ (تذکرہ سلیمان)

یہی وہ رسالہ ہے جو مولانا سید سلیمان ندویؒ کے لیے حضرت حکیم الامت مہتانویؒ کی طرف رجوع کرنے کا سبب بنا اور انہوں نے اپنی اصلاح اور تربیت باطنی کے لیے حضرت مہتانویؒ سے خط و کتابت کی ابتداء اسی رسالہ

کے پہنچنے کے بعد ہی کی تھی۔ اس کا مفصل تذکرہ، تذکرہ سلیمان میں موجود ہے۔

**دعوتِ عامہ** | ایک سائل نے اپنا نام ظاہر کئے بغیر ابوطالب کے معذب ہونے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بارے میں چند شبہات لکھے تھے۔ مولانا مرحوم نے ان شبہات کا جواب تحریر فرمایا تھا وہ دعوتِ عامہ کے نام سے النور ماہِ رجب ۱۳۳۹ھ میں ۵ صفحات پر شائع ہوا تھا۔

ان رسائل کے علاوہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی کتاب الحیلۃ الناجزہ کا اجمالی مسودہ بھی مولانا مرحوم کا تیار کیا ہوا ہے اور بہشتی گوہر کے نشان زدہ مقامات کو کتب فقہ میں تلاش کر کے حضرت تھانویؒ کے حکم کے موافق بہشتی گوہر کی عبارت کو بھی مولانا مرحوم نے ہی درست فرمایا تھا۔

**فتح النظر** | حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا ایک رسالہ التسلیم للماکم الحکیم ہے مضمون نام سے ظاہر ہے۔ اس کی تسہیل و تشریح حضرت مولانا مرحوم نے کی ہے اس کا نام فتح النظر ہے۔

## علمِ تصوف

اس علم کی بھی حضرت مولانا مرحوم نے بڑی خدمت انجام دی ہے۔ بہت سے متعلقین و متوسلین کی اصلاح و تربیت کر کے ان میں ذوقِ معرفت پیدا کرنے کے ساتھ بطور فن کے بھی اس علم کی مشکلات اور تحقیقات کا بہت بڑا ذخیرہ آپ کے قلم سے ظہور پذیر ہوا ہے۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ

کے حکم اور منشاء سے آپ نے فن تصوف کی کئی عربی کتابوں کا ترجمہ اور ان کی تشریح فرمائی اور اس ترجمہ کے ضمن میں جا بجا اس فن شریف کے حقائق و معارف کو بڑے دل نشین انداز میں ذہن نشین فرمایا ہے۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے علوم و معارف کا مولانا مرحوم خصوصیت کے ساتھ ترجمہ کے فوائد میں جا بجا برسی ہی خوبصورتی سے اور سلیس طرز بیان میں تذکرہ فرماتے ہیں۔

**اسباب المحمودیہ** | یہ علامہ شعرانیؒ کے عربی رسالہ آداب الجودیہ کا اردو ترجمہ ہے پہلے رسالہ النور میں قسط وار شائع ہوا تھا

پھر کتابی شکل میں بھی کراچی مکتبہ تھانوی سے شائع ہو گیا ہے۔

**البنیان المشیر** | زمانہ قیام رنگون میں حضرت قطب زمان سید احمد کبیر رفاعیؒ کے مواعظ البرہان المؤید کا ترجمہ اردو مولانا مرحوم نے

بنام البنیان المشیر لکھا تھا اس میں عقائد و اعمال اور تصوف سب ہی کا بیان ہے۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے اس کو پسند فرما کر اس پر بڑی عمدہ تقریظ تحریر فرمائی تھی اور اہل سلسلہ کو اس کے مطالعہ کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ یہ ترجمہ ماہ ربیع الاول ۱۳۵۱ھ کو شروع ہو کر ماہ رجب ۱۳۵۱ھ کی ۲۷ تاریخ بروز یک شنبہ قبل نماز عصر پورا ہوا۔ یہ رسالہ ص ۲۲۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

**روح تصوف مع عطر تصوف** | حضرت تھانویؒ کے ارشاد سے مولانا مرحوم نے اس کتاب کے ضروری مسائل اور مہتمم

بالشان تحقیقات کا خلاصہ فرمایا تھا اس کا یہ نام ”روح تصوف اور عطر تصوف“ حضرت تھانویؒ نے تجویز فرمایا تھا۔ ۶۰ صفحہ کا یہ رسالہ البنیان المشیر کے ساتھ ملحق ہے۔

## مرام الخاص

ابنی سید احمد کبیر کے عربی رسالہ النظام الخاص کا ترجمہ اردو حضرت مولانا مرحوم نے فرمایا اور وہ اس نام سے شائع ہو چکا ہے۔ اس رسالہ کی لوح پر حضرت حکیم الامتؒ نے مولانا مرحوم کا تعارف راسخ العلم والعرفان جیسے وقیح الفاظ کے ساتھ کرایا ہے لکھا ہے :

”ترجمہ اش از راسخ العلم والعرفان مولوی ظفر احمد است سلمہ الرحمن“

یہ ترجمہ یکم ربیع الاول ۱۲۵۲ھ کو شروع ہو کر ۲۰ ربیع الاول ۱۲۵۲ھ کو مسودہ کی صورت میں اختتام کو پہنچا اور شب و شنبہ ۱۳ جمادی الاول ۱۲۵۲ھ میں مبنیہ کی شکل میں اتمام پذیر ہوا۔ یہ رسالہ ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

## الدر المنضود

علم تصوف میں علامہ شعرانی کی کتاب البحر المورود کا یہ ترجمہ مولانا نے اس نام سے فرمایا ہے۔ اس کا حصہ اول بزمانہ قیام تھانہ بھون ۱۲۳۵ھ میں لکھا ہے اور وہ ۹۶ صفحات پر مشتمل ہے اور کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے۔ اس کا دوسرا حصہ ماہنامہ الامداد تھانہ بھون میں شائع ہوا ہے اور حصہ سوم ۳۲۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ ۱۲ شوال ۱۲۵۲ھ بروز جمعۃ المبارک بعد از نماز جمعہ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں ختم ہوا۔ یہ حصہ النور میں شائع ہوا ہے۔

## رحمۃ القدوس

علامہ ابن ابی حجرہ مالکیؒ بے پایہ کے محقق عالم ہیں۔ ان کے کلام کو علامہ ابن حجرؒ بھی اپنی شرح بخاری میں بطور سند کے نقل فرماتے ہیں۔ علامہ موصوف نے بخاری شریف سے تین سو احادیث کا انتخاب فرما کر ان سے مسائل فقہ اور تصوف و سلوک کا استنباط فرمایا تھا۔ اس کا نام بھیجۃ النفوس ہے۔ حضرت حکیم الامتؒ مٹھانوی

کے اشارہ سے مولانا مرحوم نے اس کی سوا حدیث کا اردو ترجمہ فرمایا ہے۔ یہ ترجمہ دو بھٹوں میں رحمت القدوس کے نام سے شائع ہو گیا ہے۔

اس کے پہلے حصہ کے ۳۴۶ صفحات اور دوسرے حصے کے ۵۲ صفحات ہیں۔ بڑے سائز کی کتاب ہے۔ یہ ترجمہ اتنا سلیس اور اس قدر رواں دواں ہے کہ ترجمہ معلوم نہیں ہوتا۔ پھر ترجمہ کے ساتھ مولانا مرحوم نے جو جاہجا فوائد کا اضافہ کر کے ان فوائد میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی تعلیمات اور اصول تربیت کا ذکر فرمایا ہے۔ ان کو ملحوظ رکھنا تو سالکین کے لیے بہت ہی نافع اور سید مفید ہے۔ اگر ان فوائد کا انتخاب کر کے ان کو مستقل طور پر جمع کر لیا جائے تو وہ بھی بجائے خود ایک مستقل رسالہ بن جاتا ہے۔

**باب النعمۃ** | امام غزالیؒ کی کتاب الحکمۃ کا ترجمہ مولانا نے لباب النعمۃ کے نام سے کیا تھا۔ ماہنامہ الامداد بمقتانہ بھون ماہ جب ۱۳۲۵ھ

میں اس کی پہلی قسط شائع ہوئی اور دوسری قسط ماہ جمادی الثانیہ ۱۳۲۸ھ میں شائع ہوئی ہے اور غالباً یہ سب سے پہلا ترجمہ ہے جو آپ کے قلم سے لکھا گیا ہے۔

**نزہۃ البساتین** | حضرت امام یافعیؒ کی کتاب روض الریاحین کا ترجمہ بھی مولانا نے کیا ہے۔ یہ ترجمہ نہ ہتہ البساتین

کے نام سے شائع شدہ ہے۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کو خانقاہ امدادیہ بمقتانہ بھون کے درس میں داخل نصاب فرمایا تھا۔

## انکشاف الحقیقۃ عن استخلاف الطریقۃ | مشائخ طریقت کے خلافت و اجازت

بیعت کے عطا کرنے کے معیار وغیرہ سے متعلق اس رسالہ میں مولانا مرحوم نے بڑی عجیب تحقیق لکھی ہے اور یہ جو بعض مرتبہ کسی کو اجازت عطا کر کے سلب کر لیا جاتا ہے اس پر بعض نا حقیقت شناس لوگوں کو مشائخ کی بصیرت اور عطلے اجازت پر شبہات ہونے لگتے ہیں۔ ایسے شبہات کا رسالہ مذکور میں بالکلیہ قلع قمع کر دیا گیا ہے اور تصوف کے کلیہ الفانی لایہد کے ساتھ مشائخ کے اس طرز عمل کو جو بظاہر تعارض نظر آرہا ہے اس کو بھی بڑے عمدہ طریق سے رفع کر دیا گیا ہے۔ غرضیکہ یہ رسالہ بڑی ہی قابل قدر اور نادرہ تحقیقات عمدہ پر مشتمل ہے۔ ماہنامہ النور بابت ماہ شعبان و رمضان ۱۳۴۱ھ میں شائع ہوا ہے اور اس کے ۱۶ صفحات ہیں۔

## القول المنصور فی ابن المنصور | اس رسالہ کا اصل عربی مواد حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے جمع فرمایا

تھا اور وصیت فرمائی تھی کہ مولانا مرحوم یا مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مظلہ اس کی ترتیب و تکمیل کر دیں۔ مولانا کی خوش بختی ہے کہ حضرت حکیم الامتؒ کی زندگی ہی میں اس کی تکمیل کی سعادت ان کے حصہ میں آئی اور حضرت تھانویؒ کی وصیت کے مطابق حضرت مولانا مرحوم نے جب اس عربی مولود کے ترجمے اور ترتیب و تبویب کی خدمت انجام دے کر حضرت کے ملاحظہ اقدس میں پیش کیا تو حضرت بے حد مسرور ہوئے اور اس رسالہ پر اپنی تقریظ میں مولانا مرحوم کے ہاتھ کو حکماً اپنا ہاتھ قرار دیا اور مولانا کو ایک قیمتی جانا زعطیہ کے طور پر مرحمت فرمائی۔

مولانا مرحوم کو بھی اس کتاب کی تکمیل پر بڑی مسرت ہوئی تھی، فرماتے تھے  
 ”اس نعمت کا شکر کس دل و زبان سے ادا کر دوں کہ الحمد للہ یہ ناچیز تالیف  
 حضرت اقدس مدظلہم العالی کی بارگاہ میں شرف قبول سے باریاب ہوئی۔ ع  
 کلاہ گوشہ دہقان بافتاب رسید  
 اللہ تعالیٰ حضرت اقدس کے عطیہ مبارک کی برکت سے تمام صلوٰۃ و  
 تمام رضوان سے بھی کامیاب فرمائیں آمین، شاہاں چہ عجب گمنازندگانرا“  
 یہ کتاب بڑی عمدہ کتابت و طباعت کے ساتھ شائع ہوئی تھی۔ مگر  
 اب بالکل نایاب ہے۔

**حقیقت معرفت** | ادارہ معارف اسلامیہ کا جو سلسلہ لکھنؤ میں ہونے والا  
 تھا مولانا مرحوم ڈھاکہ یونیورسٹی کی طرف سے اس اجلاس  
 میں بطور نمائندہ شرکت فرمانے والے تھے مگر کسی وجہ سے یہ اجلاس ملتوی ہو گیا۔  
 مولانا نے یہ تحقیقی مقالہ اسی اجلاس میں پڑھنے کے لیے تحریر فرمایا تھا جو بعد  
 میں ”معارف“ اعظم گڑھ میں شائع کیا گیا۔

**النظر الجلی باشراف العلی** | تربیت السالک کے طرز کار سالہ ہے جو  
 تین حصوں پر مشتمل ہے۔ حضرت مولانا

مرحوم کے مسترشد خاص منشی علی محمد صاحب مرحوم نے اپنے ۳۵۵ اصلاحی و  
 تربیتی خطوط کو جمع کر دیا ہے۔ اس مجموعہ خط و کتابت کو مطبوعہ حصہ اول کہہ یہ  
 شرف حاصل ہے کہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی نظر پسندیدگی کے بعد آپ  
 کی حیات ہی میں اس کو شائع کر دیا گیا تھا اور اس کا یہ نام بھی حضرت ہی نے  
 تجویز فرمایا تھا۔ یہ رسالہ حضرت مولانا کے ایک مسترشد کے اصلاحی خطوط کا اتنا

بڑا مجموعہ ہے جس سے مولانا مرحوم کے رشد و ہدایت اور اصلاح و تربیت کے کام کی وسعت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

وظائف و افادات | سلسلہ چشتیہ صابریہ قدوسیہ امدادیہ کے متوسلین کے لیے شجرہ طیبہ کے نام سے مولانا ذوالفقار علی دیوبندی نے یہ شجرہ عربی میں نظم فرمایا تھا۔ حضرت مولانا مرحوم نے اس میں مزید ایک شعر یعنی

بمجد الدین الحکیم بوقتہ اشرف علی العارف الربانی  
کا اضافہ فرما کر اس کو سلسلہ اشرفیہ کے متوسلین کے لیے بھی مخصوص و کارآمد بنا دیا اور ساتھ ہی اپنے مخصوص وظائف و افادات کا بھی اضافہ فرمایا ہے۔ چھوٹے سائز پر ۸۸ صفحات کا یہ رسالہ طبع شدہ ملتا ہے۔ ذاکرین ساکین کے لیے مفید و نافع دستور العمل ہے۔

## حق اور اثبات حقانیت

اس شعبہ میں بھی مولانا مرحوم نے تقریری اور تحریری دونوں طریقوں سے بڑی ہی قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ مولانا نے تحریر و تقریر کے ذریعے احقاق حق کا فریضہ بڑے حسن و خوبی کے ساتھ ادا فرمایا ہے۔ تقریری مناظرے کا کسی قدر نمونہ مواعظ و تبلیغ کے عنوان میں آ رہا ہے اس جگہ باب تالیفات کی مناسبت سے مولانا مرحوم علیہ الرحمہ کے ایسے رسائل اور مقالات کا تذکرہ کیا جاتا ہے جن کو اس موضوع سے تعلق ہے۔

اس موضوع پر قلم اٹھاتے ہوئے مولانا مرحوم کے پیش نظر ہمیشہ  
 احقاقِ حق اور اظہارِ حقیقت رہتا تھا۔ اس میں کوئی دوسری مصلحت اور  
 مفادِ پیش نظر نہیں ہوتا تھا اسی لیے اس بارے میں اپنے اور بیگانے  
 کا کوئی امتیاز آپ روا نہیں رکھتے تھے بلکہ ہر قسم کے تعلقات سے بے پروا  
 ہو کر اپنے ہوں یا غیر سب ہی کی قابلِ اصلاح باتوں کی اصلاح کی کوشش  
 فرماتے اور اس کا ہم ملا اظہار فرما دیا کرتے تھے۔

مولانا مرحوم کے اس طرزِ عمل میں اصلاحِ خلق کا کام کرنے والوں  
 کے لیے عملی طور پر بڑا سبق ہے۔ مولانا کے احقاقِ حق کے رسائل اور مقالات  
 سے ایسے حضرات کو سبق حاصل کرنا چاہیے جو کسی بات کو غلط اور قابلِ  
 اصلاح سمجھتے ہوئے بھی اپنے ذاتی تعلقات یا مفادات اور مصالح کی خاطر  
 اُس کا اظہار ناپسندیدگی نہیں کرتے اور اس طرح ان کی مصلحت کو شیوں کے  
 پردہ میں وہ غلط اور قابلِ اصلاح باتیں پرورش پاتی رہتی ہیں۔ مولانا  
 مرحوم کے قلم حقیقت رقم سے جہاں غیروں کی غلطیوں کا اظہار ہوا ہے وہاں  
 انہوں کی غلطیوں کی اصلاح کے لیے بھی مولانا کے قلم کی روانگی اور خواتمی قابلِ  
 اسوہ اور درسِ عبرت ہے۔

تَحذِيرُ الْمُسْلِمِينَ عَنِ مَوَالَاةِ الْمُشْرِكِينَ (تین حصے) مسلمانوں کو کانگریس کی  
 شرکت سے روکنے کے لیے جو

مضامین مولانا مرحوم نے لکھے تھے یہ تین رسالے اسی سلسلہ کی کڑی ہیں۔  
 التَّقَاةُ الْفَتَن کے نام سے بھی مولانا کے بعض مضامین اس سلسلہ میں شائع  
 ہوئے تھے۔ مولانا نے ان مسائل میں کانگریس میں شریک ہونے کے

دینی اور دنیوی نقصانات کو بڑی تفصیل سے بیان فرما کر اس کی شرکیت سے مسلمانان ہند کو علیحدہ رہنے کا مشورہ بڑی شدت کے ساتھ دیا ہے۔

۱۳۳۸ھ (۱۹۱۸ء) میں متحدہ ہندوستان کے اندر ہندو مسلم اتحاد پر لیڈران قوم کی طرف سے بہت زور دیا جاتا تھا۔ اس وقت مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی اور مولانا ابوالکلام آزاد جیسی مشہور شخصیتیں اور مسلم رہنما بھی اسی اتحاد کا پرچار کر رہے تھے اور اس زمانہ میں اس اتحاد کے خلاف زبان کھولنا اور اور کچھ لکھنا بہت بڑا قومی جرم تصور کیا جاتا تھا۔ یہ تو بہت بعد کی بات ہے کہ جب ہندو لیڈروں کے متعصبانہ رویہ اور ان کے مسلم آزادی کے چشم دید واقعات کی بناء پر مولانا محمد علی جوہر وغیرہ بھی خواہان اسلام اور بعض دوسرے مسلمان رہنماؤں نے اس اتحاد کے خلاف آواز اٹھائی اور مسلمانوں کی علیحدہ تنظیم پر زور دیا اور اس وقت اس اتحاد کے خلاف کہنے اور لکھنے کا حوصلہ بہتوں کو ہو گیا۔

مگر جس زمانے میں مولانا مرحوم نے اُس کے خلاف قلم اٹھایا تھا وہ بڑا کٹھن دور اور مشکل زمانہ تھا۔ مولانا مرحوم نے ابتداء ہی میں اس اتحاد میں سخت قسم کی غلطیوں اور خرابیوں کا مظاہرہ ہوتے ہوئے دیکھ کر اصلاح احوال کے لیے اس کے مفاسد کی نشان دہی کا فرض جس مجاہدانہ اور بے باکانہ انداز میں فرمایا ہے وہ اپنی مثال آپ ہی ہے۔

الغیر النامی لدفع شر النظامی | اس زمانہ ضرور وقت میں خواجہ  
حسن نظامی دہلوی نے بھی ہندووانہ

عقیدہ گاؤں رکشت کی حمایت اور گاؤں کشی کے خلاف ایک رسالہ لکھا تھا اس رسالہ میں مسلمانوں کو گاؤں کے دودھ گھی کے منافع دکھلا کر اُس کے ذبح نہ کرنے کا مشورہ دیا تھا۔

وہ زمانہ ہی ایسا تھا کہ اچھے اچھے سمجھدار لوگ بھی ان امور میں ڈھیلا پن دکھلانے لگے تھے اور ڈاکٹر انصاری اور حکیم اجمل خاں جیسے مشہور مسلم لیڈر بھی نرم پڑ گئے تھے اور حکیم صاحب موصوف نے تو خلافت کمیٹی دہلی سے یہ ریزولوشن پاس کر لیا تھا کہ بقر عید کے موقع پر بھی مسلمانوں کو چاہیے کہ گائے کی قربانی نہ کریں اور رضا کا دانہ طور پر اس کو ترک کر دیں۔ اس کا اٹھ یہ ہوا تھا کہ بعض لوگوں نے مسلمانوں سے ان کی قربانی کی گائیوں کو زبردستی چھین چھین کر اور ان کے گلے میں ہار ڈال کر ہندوؤں کے گاؤں رکشت میں چھوڑنا شروع کر دیا تھا۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہ نے اس صورتحال کو معلوم کر کے دیوبند سے مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کو حکیم اجمل کے پاس اس مسئلہ میں گفتگو کرنے کے لیے بھیجا تھا اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نے بھی گائے کی قربانی کو شعائر اسلام میں داخل فرماتے ہوئے اس کو ترک کرنے کی حرمت کا فتوے تحریر فرمایا جو اس وقت اخبار ”الوکیل“ امرتسر میں بھی شائع ہوا تھا اور حضرت سہارنپوریؒ کی سوانح حیات تذکرہ الخلیل میں بھی موجود ہے۔ (تذکرہ الخلیل ص ۲۹)

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے بھی اپنے انتہی انکار کی ترجمانی کرتے ہوئے اس مسئلہ سے متعلق مذکورہ بالا عنوان سے بڑا مفصل رسالہ لکھا جو کتابی شکل میں ۹۶ صفحات سے بھی زیادہ صفحات پر مشتمل شائع ہوا تھا۔

علمی تنقیدی مقالہ ”الفرقان“ کے شاہ ولی اللہ نمبر میں مولانا عبید اللہ سندھی کا ایک مقالہ شامل اشاعت ہے۔ اس کی قابل اصلاح باتوں پر حضرت مولانا مرحوم نے زبردست علمی تنقیدی مقالہ تحریر فرمایا تھا۔ اس مقالہ کو بھی مولانا منظور صاحب نعمانی نے اپنے تائیدی نوٹ کے ساتھ الفرقان ہی میں شائع فرمایا تھا۔ اس کا نام ہے ”طلوع اسلام، مولانا سندھی اور شاہ ولی اللہ“

(از مولانا ظفر احمد عثمانی، مٹھانوی استاذ حدیث ڈھاکہ یونیورسٹی)  
مولانا مرحوم کے اس مقالہ کے متعلق مولانا منظور احمد صاحب نعمانی کے تائیدی نوٹ کا اقتباس درج ذیل ہے :-

”شاہ ولی اللہ نمبر میں مولانا سندھی کا جو بسیط مقالہ شائع تھا ادارہ طلوع اسلام نے اس کے کچھ اقتباسات اپنی تشریح کے ساتھ طلوع اسلام میں شائع کئے تھے۔ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی کا مقالہ اس پر علمی تنقید ہے مولانا ظفر احمد صاحب میرے اور ناظرین کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس طرف توجہ فرمائی اور اس بہانے سے مولانا سندھی کے بعض ان اجزاء پر بھی تنقید ہو گئی“

(الفرقان، ربیعین و جمادی الاول ۱۳۶۱ھ)

غیر اسلامی ممالک میں سود و قمار وغیرہ کی تحقیق | مولانا مناظر احسن گیلانی صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ

حیدر آباد دکن نے سود بین الحربی و المسلم کے جواز پر خامہ فرسائی کی تھی۔ مولانا عثمانی نے اس کی تردید میں ایک مقالہ تحریر فرمایا جو ماہنامہ معارف اعظم گڑھ میں ۱۹۴۵ء میں از ص ۱ تا ص ۱۱ شائع ہوا تھا۔ مولانا گیلانی نے اس کا جواب معارف نومبر و دسمبر ۱۹۴۵ء اور جنوری ۱۹۴۶ء میں شائع کر دیا۔ جواب الجواب کے طور پر مولانا مرحوم نے اس مسئلہ پر بڑی تفصیل کے ساتھ کلام فرمایا اور بہت مبسوط مقالہ تحریر فرمایا جو معارف کے جون اور جولائی ۱۹۴۶ء کے دو شماروں میں ص ۴۰ تا ص ۴۲ اور ص ۵ تا ص ۲۳ پر شائع ہوا ہے۔ یہ مقالہ تحقیقات علمیہ کا خزانہ ہونے کے ساتھ ساتھ ناقذانہ بصیرت و تنقظ اور متانت و ذہانت کا بھی مرقع ہے۔

تردید پر ویزیت | رسوا زمانہ منکر حدیث غلام احمد پر ویز نے اپنے زمانہ قیام دہلی میں سورہ فیل اور سورہ قریش کی

تفسیر بالرائی پیش کی تھی۔ ہمارے مولانا مرحوم نے اسی وقت اسکی تردید میں قلم اٹھایا اور بڑا تفصیلی مقالہ اسکے جواب میں تحریر فرمایا کہ ماہنامہ الفرقان بابت ماہ شوال ۱۳۶۰ھ میں شائع کیا تھا۔ اس کا عنوان تھا ”پر ویز صاحب کی تفسیر سورہ فیل پر ایک نظر“، جناب مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی شیخ الحدیث ڈھاکہ (یونیورسٹی) ایک اور مقالہ ”تقویٰ کی حقیقت اور اسکے نتائج اور طلوع اسلام کی تفسیر آیت صوم پر ایک نظر“ (از جناب مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی محدث ڈھاکہ یونیورسٹی) الفرقان بابت ماہ ذیقعدہ و ذوالحجہ ۱۳۶۰ھ میں شائع ہوا۔

خطیب بغدادی کے اعتراضات کے جوابات | خطیب بغدادی نے حضرت امام ابوحنیفہؒ پر جو اعتراضات کئے

ہیں منکرین حدیث نے اُن کو اپنی مطلب برآری کے لیے اپنے رسالے طلوع اسلام میں شائع کیا تھا۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی مرحومؒ نے ان اعتراضات کے جواب میں مفصل مقالہ تحریر فرمایا اور ان تمام اعتراضات کے تحقیقی جوابات کے ساتھ ایسے دندن شکن جوابات بھی دے دیئے کہ ”طلوع اسلام“ کا وہ سارا قلعہ مسمار ہو کر رہ گیا اور اس بُنیاد کا ہی قلعہ قمع ہو گیا جس پر اُس نے اپنے ہوائی قلعہ کی عمارت تعمیر کی تھی۔ مولانا مرحوم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ تفصیلی مقالہ بھی ماہنامہ ”الصدیق“ ملتان میں اٹھارہ قسطوں میں شائع ہوا ہے۔ بڑا ہی قابل دید مقالہ ہے۔

منکرین حدیث کے رد میں ایک اہم مضمون | طلوع اسلام میں منکرین حدیث نے ایک مضمون

”حدیث مشلہ معہ کی حقیقت“ کے عنوان سے لکھا تھا۔ حضرت مولانا مرحومؒ نے اوپر کا مضمون اسی کے جواب میں سپرد قلم فرمایا ہے۔ یہ مضمون بھی الصدیق ملتان میں دو قسطوں میں شائع ہوا ہے۔

العطو الوددی فی ذکر المسیم والمہدی | حضرت مولانا مرحومؒ نے اپنی کتاب رحمۃ القدوس ص ۳۶۱ جلد ۲

پر اس رسالے کا تذکرہ نہ فرمایا ہے کہ یہ زیر تالیف رسالہ ہے ہنوز طبع نہیں ہوا۔

رسالہ الافصاح عن حقیقتہ الاصلاح کا ضمیمہ ۱۳۵۴ھ میں مولانا حمید الدین فراہی اور علامہ شبلی نعمانی

کی بعض قابل اعتراض تحریرات پر جب خانقاہ امدادیہ بمقامہ بھون کی طرف سے سخت تنقید بلکہ تکفیر تک کی گئی تھی تو اس سلسلہ میں مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا مرحوم علیہ الرحمۃ کی جو مراسلت اس زمانے میں ہوئی تھی یہ ضمیمہ اس پر مشتمل ہے۔

### تردید غیر مقلدیت

فقہ حنفی کی تائید کے لیے حضرت مولانا مرحوم نے بڑی گہرا فقرہ خدمات انجام دی ہیں اور اس سلسلہ کی آپ کی سب سے بڑی خدمت آپ کی ضخیم کتاب اعلام السنن ہے جس کا تفصیلی ذکر اوپر اچکا ہے لیکن چونکہ وہ عربی زبان میں ہے اس لیے ضرورت محسوس ہونے پر حضرت مولانا مرحوم نے مسلک حنفی کی نصرت و حمایت میں اردو زبان کے اندر بھی رسائل تصنیف فرما کر فقہ حنفی کی خدمت انجام دینے سے دریغ نہیں فرمایا۔

حنفی مسلک کے مطابق مقتدی فاتحۃ الکلام فی القراءۃ خلف الامام پر قراءۃ فاتحہ واجب نہیں ہے۔

مگر غیر مقلدین حضرات اس پر بڑا زور دیتے رہتے ہیں اور یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے والوں کی نماز ہی نہیں ہوتی اور اردو میں بھی ایسے رسالے لکھ کر عوام میں اس مسئلہ کو پھیلاتے رہتے ہیں اسی سلسلہ میں ایک صاحب نے ایک رسالہ تکمیل البرہان لکھا تھا اور اس میں

امام کے پیچھے مقتدیوں پر سورۃ فاتحہ پڑھنے کو فرمنے کا لازم قرار دیا تھا۔ اس کے جواب میں مولانا مرحومؒ نے یہ رسالہ تحریر فرمایا۔ اس رسالہ میں مسئلہ مذکورہ پر تحقیقی انداز میں کلام فرماتے ہوئے دوسری جانب کے دلائل کا جائزہ بھی تفصیل کے ساتھ لیا ہے۔ یہ رسالہ ۵۵ صفحات پر مستقل شائع ہوا ہے۔

مسئلہ آئین بالجہر اور رفع یدین میں بھی مولانا مرحوم نے دو رسالے تحریر فرمائے ہیں۔ ایک کا نام شق العین عن حق رفع الیدین اور دوسرے کا نام القول المتین فی الجہر والاخفاء بآئین ہے۔ یہ دونوں رسالے ”پیام حق“ کراچی میں شائع ہوئے ہیں۔

## اصلاح خیالات مودودی صاحب

برآة عثمانؓ | ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اپنی کتاب خلافت و ملکیت میں خلیفہ راشد حضرت عثمانؓ اور حضرت امیر معاویہؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ وغیرہ بعض جلیل القدر صحابہ کرامؓ کے بارے میں ایسا طرزِ تحریر اختیار کیا جس سے صحابہ کرامؓ کی عدالت اور ان کا مقام مجروح ہو رہا تھا۔ مودودی صاحب کا یہ مضمون ابھی ہفتہ وار اخبار میں ہی شائع ہو رہا تھا اور ابھی کتابی شکل میں شائع نہیں ہوا تھا کہ حضرت مولانا مرحومؒ نے بروقت ان کو ان کی جہارت پر مناسب انداز میں تنبیہ فرمائی اور اس مضمون کے جواب میں مفصل مدلل علمی مضمون سپرد قلم فرمایا جو پہلے ہفتہ وار اشہاب میں شائع ہوا۔ پھر بعد میں یہی مضمون برآة عثمان رضی اللہ عنہ کے نام سے کتابی شکل میں شائع کیا گیا۔ مولانا مرحومؒ کا یہ بہت جامع اور تحقیقی مقالہ ہے اس میں بڑی شائستگی

اور متانت کئے ساتھ مودودی صاحب کے علمی اور تاریخی مغالطات کا ازالہ کیا گیا ہے۔ اس رسالے کا نام اگرچہ برأۃ عثمان ہے کیونکہ اصل مقصود اس کا حضرت عثمانؓ پر وارد کردہ اعتراضات سے برأۃ کرنا ہے۔ لیکن حقیقت میں حضرت عمرو بن عاصؓ اور حضرت امیر معاویہؓ سب ہی صحابہ کرام پر سے نازیبا قسم اعتراضات کی مدافعت مولانا مرحوم کے اس رسالہ سے ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ اس رسالہ میں اصولی طور پر تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے متعلق یہ بتلایا گیا ہے کہ غیر صحابی کو صحابی پر تنقید کرنے کا حق نہیں ہے۔

کف اللسان عن معاویہ ابن ابی سفیان | یہ رسالہ حضرت مولانا مرحوم نے ہزمانہ قیام ڈھاکہ لکھا تھا مگر

طبع نہیں ہو سکا۔ مولانا مرحوم نے برأۃ عثمانؓ کے شروع میں اپنے اس رسالہ کا تذکرہ فرمایا ہے اور اس کے طبع نہ ہو سکنے بلکہ صحت کرنے کے لیے جس دوست کو یہ رسالہ دیا تھا اس کے پاس بارش میں بھیگ کر پڑھنے کے قابل نہ رہنے پر افسوس کا اظہار فرمایا ہے۔

## دارالاسلام اور دارالکفر کے مسلمانوں میں وراثت اور مناکحت کے تعلقات

مودودی صاحب نے اپنے رسالہ الجہاد فی الاسلام میں آیت :-  
”الذین امنوا ولم یهاجروا مالکم من ولایتهم من شئ“  
کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس آیت میں مالکم من ولایتهم من شئ سے بتلایا گیا ہے ”جو مسلمان دارالکفر میں رہنا قبول کریں یا رہنے پر مجبور ہوں

ان سے دارالاسلام کے مسلمانوں کے تمدنی تعلقات نہیں رہ سکتے اور نہ وہ باہم رشتہ قائم کر سکتے ہیں اور نہ انہیں ایک دوسرے کا ورثہ و ترکہ مل سکتا ہے۔ ہندوستان اور پاکستان کی صورت میں دو ملکوں کے وجود میں آنے پر جب بعض ایسے مسلمان بھی ہجرت کر کے پاکستان چلے آئے جن کے والدین ہندوستان ہی رہ گئے تو مودودی صاحب سے یہ سوال کیا گیا کہ :

”ایسی حالت میں اولاد والدین یا کسی اور رشتہ دار کے ورثہ و ترکہ و ترکہ سے محروم رہے گی ؟ موجودہ حالات کے پیش نظر کوئی پاکستانی (مہاجر یا اصلی باشندہ) ہندوستانی مسلمان لڑکی سے شادی کر سکتا ہے یا نہیں۔“ اس کے جواب میں مودودی صاحب نے لکھا کہ :

”جہاں تک مجھے علم ہے قرآن کا منشاء یہی ہے کہ دارالاسلام اور دارالکفر کے مسلمانوں میں ذراشت اور شادی بیاہ کے تعلقات نہ ہوں۔ رہا مہاجرین کا معاملہ جن کے ایسے رشتہ دار دارالکفر میں رہ گئے ہیں جن کے وہ وارث ہو سکتے ہیں تو ان کے بارے میں بھی میرا خیال یہی ہے کہ نہ وہ ہندوستان میں اپنی میراث پاسکتے ہیں اور نہ ان کے ہندوستانی رشتہ دار پاکستان میں ان سے میراث پانے کا حق رکھتے ہیں۔ نکاح کے بارے میں میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہجرت سے نکاح اپنے آپ ہی تو نہیں ٹوٹ سکتا لیکن اگر زوجین میں سے ایک دارالاسلام میں ہجرت کر آیا ہے اور دوسرا ہجرت پر تیار نہ ہو تو عدالت میں اس بنیاد پر درخواست دی جاسکتی ہے اور ایسے زوجین کا نکاح فسخ کیا جاسکتا ہے۔ آئندہ شادی بیاہ کا تعلق

پاکستانی اور ہندوستانی مسلمانوں کے درمیان نہ ہونا چاہیئے۔“

(ریسائل و مسائل ص ۲۷)

حضرت مولانا مرحوم نے اپنے ماسٹر مودودی صاحب کے اس نظریہ کے بارے میں جہاں اُن کی استدلالی خامیوں اور کمزوریوں کی تفصیلی طور پر نشاندہی فرمائی وہاں ہی اُن کی اور اُن کی جماعت کے بعض افراد کی اس اصولی غلطی اور عام آزار دہ روش پر بھی تنبیہ فرماتے ہوئے تحریر فرمایا کہ :-

”آپ اور آپ کی جماعت کے بعض افراد قرآن اور حدیث سے

استنباط کرنا چاہتے ہیں اور اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ وہ

استنباط فقہاء امت کے موافق ہے یا خلاف“

اس کے بعد مولانا مرحوم نے مودودی صاحب کے ایسے استنباط کی مثال میں مودودی صاحب کا مذکورہ بالا فتوے پیش فرما کر صاف طور پر تحریر فرما دیا کہ :-

”آپ کا یہ فتوے مذہب حنفی اور جملہ مذاہب اربعہ کے خلاف ہے۔

اور جس آیت سے آپ نے استنباط کیا ہے (والذین آمنوا و

یہا جبر و امانکم من ولايتهم من شیء حتیٰ یہا جبر و امانکم من

اس میں اگر ولایت کو بمعنی وراثت تسلیم کر لیا جائے مولالہ کے معنی میں نہ لیا

جائے تو یہ حکم اس وقت کا ہے جبکہ ابتدائے قدوم مدینہ میں رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کے درمیان مواخاۃ قائم کر دی تھی۔

جس کی بنا پر مہاجرین و انصار کے درمیان مواخاۃ قائم کر دی تھی۔

جس کی دلیل اسی آیت کا یہ ٹکڑا ہے کہ : ان الذین آمنوا و امانکم من

جاهدوا باحوالہم وانفسہم فی سبیل اللہ والذین ادوا و انصر و اولئک  
 بعضہم اولیاء بعض۔ پھر جب مہاجرین و انصار کا باہم توارث سورۃ الاحزاب  
 کی آیت النبی اولی بالمؤمنین من انفسہم دادا واجہ امہاتہم و اولوالارحام  
 بعضہم اولی ببعض فی کتاب اللہ من المؤمنین والمہاجرین الا ان تفعلوا الی  
 اولیاءکم معروفہا کان ذلک فی الکتاب مسطوراً۔ سے منسوخ ہو گیا تو اب یہ  
 حکم باقی نہ رہا کہ مسلم مہاجر مسلم غیر مہاجر کا وارث نہ ہو یا برعکس بلکہ آیت الموارث  
 کے موافق توارث ہونے لگا۔

پھر آپ نے اس پر غور نہ کیا کہ سورۃ المحتشمہ کی آیت ولا تمسکوا بعضہم  
 بالکوافرہ اسلمو ما انفقتم ولیسوا ما انفقوا کے نزول سے پہلے تک غیر مسلم  
 عورتیں صحابہ مہاجرین کے نکاح میں بدستور مکہ میں تھیں۔ اس آیت کے نزول کے  
 بعد حضرت عمرؓ نے اپنی کافر عورتوں کو طلاق دے دی تو ان کا نکاح مکہ کے  
 کافروں سے ہوا۔ حالانکہ مکہ اس وقت صرف دار الکفر ہی نہ تھا بلکہ وہاں کے  
 باشندے محارب بھی تھے جس سے غزوہ حدیبیہ ۳ھ میں چند سال کے لیے  
 صلح کی گئی تھی تو جس دار الکفر کے باشندے برسر جنگ نہ ہوں وہاں کی مسلمان  
 عورتوں سے شادی بیاہ کو اور وہاں کے مسلمانوں کے ساتھ توارث کو آپ  
 کس دلیل سے منع کر سکتے ہیں؟ اور اگر آیت انفال سے مراد ولدیت بمعنی  
 وراثت نہیں بلکہ بمعنی مولات ہے تو اس کا میراث و نکاح سے کوئی علاقہ نہ  
 ہو گا بلکہ مولات و ترک مولات کا اس میں بیان ہو گا جس میں محاربین اور غیر محاربین  
 کا فرق بھی ہو گا اور مستامن و غیر مستامن کا بھی۔“

(مسائل و رسائل مذکور)

نسبت صوفیہ کی طرف متوجہ فرمانا | مولانا مرحوم نے اپنے اس مراسلہ میں مودودی صاحب کو غیر خواہانہ انداز میں

نسبت صوفیہ کے حاصل کرنے کی طرف بھی متوجہ فرمایا تھا اور اس نسبت کے حاصل کرنے کے لیے اہل نسبت کی صحبت کو از بس ضروری قرار دیا تھا۔ مگر مودودی صاحب نے اپنے مخصوص ناقدانہ انداز کو سپر بٹاتے ہوئے لکھا کہ: ”لیکن میں اس کو کیا کہوں کہ بہت سے لوگ جنہیں صاحب کمال کہا جاتا ہے میں نے اپنے تجربے میں ان کو ناقص پایا ہے۔“ اس پر حضرت مولانا مرحوم نے ناصحانہ انداز میں اس طرح فہمائش فرمائی:

”جب تک قرآن و حدیث دُنیا میں موجود ہے دُنیا محنتین سے خالی نہیں ہو سکتی ان کی تلاش ضروری ہے۔ نہ معلوم آپ کے نزدیک معیار کمال کیا ہے صوفیہ کا اصل کمال یہی نسبت احسان ہے۔ مگر ان کے پاس خالی الذہن ہو کر جانا چاہیئے ناقد بن کر نہ جانا چاہیئے۔ ناقدانہ نظر سے تو رسول کے کمالات بھی مخفی ہو جاتے ہیں ولی کس شمار میں ہے۔“ (رسائل و مسائل)

افسوس کہ مودودی صاحب کی یہی وہ ناقدانہ ذہنیت ہے جس نے ترقی کے انہیں محنتین سے لیکر صحابہ کرام بلکہ انبیاء علیہم السلام تک سب کا ہی ناقد بنا دیا۔ اس لیے انہوں نے اپنی تحریرات میں سب پر تنقید کر ڈالی۔

## فضائل

قرآن کریم کی فضیلت پر قرآن نمبر سیراہ ڈائجسٹ ص ۳۳ پر بنام فضائل قرآن | اشرف البیان فی معجزات القرآن کے نام سے بھی مولانا کا ایک

مضمون شائع ہوا ہے۔

**فضائل جہاد** | جب رن کچھ کے علاقہ میں ہندوستان نے پاکستان پر حملہ کیا تھا اس وقت مسلمانوں میں جذبہ جہاد کو زندہ کرنے کے لیے فضیلت جہاد پر چھیالیس حدیثوں اور ان کا اردو ترجمہ مولانا مرحوم نے جمع کرایا اور اردو ترجمہ کو مستقل رسالہ کی شکل میں شائع کر دیا۔ اس کو پاکستانی افواج میں بھی تقسیم کیا گیا تھا۔ یہ رسالہ چھوٹے سائز کے ۲۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

**فضائل سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم** | حضرت مولانا مرحوم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح اور فضیلت میں عربی زبان میں کئی قصیدے تصنیف فرمائے ہیں۔ مولانا نے ان میں سید المرسلین محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے عشق و محبت کا بڑے ہی دلہانہ اور عاشقانہ انداز میں اظہار فرمادیا ہے۔ آپ کا ایک قصیدہ ”نور علی نور“ دو بڑے نعتیہ قصیدوں کا مجموعہ ہے اس کا یہ نام حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے تجویز فرمایا تھا طبع ہو گیا ہے۔

دوسرا عربی نعتیہ قصیدہ ”وسیلة النظر فی مدح خیر البشر“ ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف اور مدح میں مولانا مرحوم کا یہ قصیدہ بڑا ہی عجیب و غریب ہے۔ اس کا یہ نام مولانا سید سلیمان ندوی صاحب مرحوم علیہ الرحمہ نے تجویز کیا تھا اور یہ طبع ہو گیا ہے۔ فضائل درود شریف پر بھی ایک رسالہ مولانا مرحوم نے مرتب فرمایا تھا مگر طبع نہیں ہوا۔

بعض علماء عصر نے علامہ شفاء المرتاب عن مرآء لبعض الاحباب ابن تیمیہ کی نصرت و حمایت

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر پر شذر حال کر کے جانے اور زیارت قبر انور کے قصد سے سفر کرنے کی ممانعت ثابت کرنیکی کوشش کی تھی۔ مولانا مرحوم نے اس کے جواب میں یہ رسالہ تحریر فرمایا ہے اور اس کا حوالہ اعلیٰ السنن میں دیا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ کے شاگرد علامہ ابن عبد الہادی نے علامہ سبکی کی کتاب شفاء الاسلام کا اس مسئلہ میں رد لکھا تھا مولانا مرحوم چونکہ تمام اکابر علمائے دیوبند کے مسلک کے موافق روضہ اقدس کی زیارت کے لیے شذر حال کر کے حاضر ہونے کو نہ صرف جائز بلکہ افضل المستجابات فرماتے ہیں۔ اس لیے کتاب الشفاء کی تائید اور الصارم کی تردید حسب ذیل سخت الفاظ سے فرماتے ہیں:-

قلت واین الصارم من الشفاء فنسبة ما بين نهما لما بين الدواء والدواء والارض والسماء ولقد مدق القائل ان اسم الكتاب عنوان على مانی دخی مؤلفه فافهم والضعف (اعلاء السنن ص ۳۳۱)

مولانا مرحوم کے الفاظ مذکورہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی عشقی کیفیت اور قلبی محبت کے اظہار کی تعبیر اور عنوان ہے۔

ایک عاشقانہ واقعہ [اعلاء السنن کا باب زیارت مدینہ منورہ علی صاحبہا الف الصلوٰۃ والتحیت مولانا مرحوم نے اس عظمت و

ادب کے ساتھ لکھنا شروع کیا تھا کہ مولانا مواہب شریف میں جالی مبارک کے سامنے کھڑے ہو کر لکھا کرتے تھے اور آپ کے دوست مولانا محمد موسیٰ صاحب مدنی

مرحوم دوات لیے کھڑے رہتے تھے۔ سبحان اللہ! کیسے متبرک مقام میں اور کس  
محبت و عظمت اور ادب و احترام کے ساتھ اس باب کے لکھنے کا شرف مولانا مرحوم  
کے حصہ میں آیا۔ ظاہر ہے کہ جذبہ عشق و محبت کے ساتھ ادب و عظمت و احترام کے  
ملفوظ رکھنے کی سعادت ہر ایک کو میسر نہیں آسکتی۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست تانہ بخشنده خداے بخشنده

## سیرت و تاریخ

ولادت محمدیہ کارازہ | تاریخ اسلام پر یہ بہت تفصیلی مضمون حضرت مولانا مرحوم  
کا ارقام فرمودہ ہے۔ اس کا حصہ اول ”الرشاد“

سہارنپور میں شائع ہوا تھا اور حصہ دوم النور بابت ماہ جمادی الاول ۱۳۳۹ھ  
سے لے کر ذوالقعدہ ۱۳۵۲ھ تک ۴۴ صفحات پر شائع ہوا ہے ان صفحات  
سے اس کی ضخامت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

حوائج بشریہ اور تعلیم نبوت | مولانا کا ارقام فرمودہ یہ تیس صفحات کا  
مضمون ہے اور ۱۳۴۰ھ میں النور کے

تین شماروں میں شائع ہوا ہے۔ اس میں مولانا نے یہ دکھلایا ہے کہ سیدنا  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضروریات زندگی کے پورا کرنے میں جس  
طرزِ عمل کو اختیار فرمایا اور جس طریقہ کو اپنی امت کے لیے سنت قرار دیا ہے  
وہ کس درجہ کامل اور مکمل ہے۔ ہر کام میں افراط و تفریط کے مضر پہلوؤں  
سے بچا کہ ایسا معتدل طریقہ عمل آپ نے اختیار فرمایا ہے جس پر نظر کرتے  
ہوئے ہر منصف مزاج شخص کو یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ درحقیقت رسول اللہ صلی

انسان کامل اور سید البشر ہونے کے ساتھ تمام عالم سے عقل و حکمت میں بھی ممتاز ہیں یہ بڑا ہی عجیب و غریب مضمون ہے۔

غیر مسلموں کے سامنے اسلامی تعلیمات کی خوبیوں اور عقلی حکمتوں کے بیان اور اسلامی احکامات کے اسرار پر کام کرنے والوں کے لیے بہت ہی مفید اور کارآمد مضمون ہے۔

اس کا ذکر پہلے اُچکا ہے یہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے حالات  
**انجاء الوطن** میں مولانا کا عربی زبان میں مضمون ہے۔ اعلاء السنن کے

مقدمہ حصہ دوم کے طور پر آپ نے ارقام فرمایا ہے۔ اس میں حضرت امام اعظمؒ کے فقیہہ اعظم ہونے کے ساتھ محدث اعظم ہونا بھی تاریخی طور پر ثابت فرمایا ہے کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے۔

اس میں مولانا نے اپنے سفرنامہ حج کے حالات و واقعات  
**سفرنامہ حجاز** کو جمع فرمادیا ہے اس کا حصہ اول کتابی شکل میں شائع

ہو چکا ہے اور محرم ۱۳۵۴ھ سے جمادی الاول ۱۳۵۴ھ تک ”اشرف العلوم“ سہارنپور کے پریچوں میں بھی شائع ہوا ہے۔ حصہ دوم ماہنامہ ندائے حرم کراچی میں شائع ہوا ہے حصہ سوم زیر تالیف تھا۔

مولانا کا یہ اہم مقالہ رسالہ معارف اعظم گڑھ  
**علمائے ہند کی خدمت حدیث** کی چند قسطوں میں شائع ہوا تھا یہ مضمون

بہت محققانہ اور پر معلومات ہے۔ اس میں مجدد الف ثانی سے لیکر اپنے دور تک کے علماء کرام کی خدمت حدیث کا ذکر بڑی تفصیل سے آگیا ہے۔ یہ مضمون مولانا مرحوم نے اور ٹیبل کانفرنس بنارس کے شعبہ اسلامیات میں پڑھ کر

سنایا تھا اور اُس کو بہت پسند کیا گیا تھا۔

**حیات اشرف** [رحمۃ القدوس میں مولانا مرحوم نے لکھا ہے کہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی وفات کے بعد منضّل حالات و واقعات کے لیے ایک رسالہ حیات اشرف کے نام سے لکھا ہے۔

**انوار النظر فی آثار النظر** (۲ حصے) یہ اس رسالہ کا نام ہے جس کو حضرت مولانا مرحوم نے جناب محمد حسام اللہ

شریفی صاحب شعبہ تاریخ ادبیات پنجاب یونیورسٹی لاہور کے استفسارات کے جواب میں تحریر فرمایا ہے اور اپنے سوانح و حالات کو مختصر طریقہ سے اسیں قلمبند فرمایا ہے اس کے پہلے حصہ میں مولانا نے اپنے خانگی حالات اور علمی خدمات اور پاکستان کے لیے سیاسی جدوجہد اور علمی کوشش کا تذکرہ فرمایا ہے اور دوسرے حصہ میں زیادہ تر اپنی تربیت باطنی اور سلوک کا ذکر کیا ہے اور اپنی اس مکاتبت کو بھی اس میں تربیت السالک سے نقل فرمایا ہے جو تربیت باطنی سے متعلق حضرت مولانا مرحوم کی اپنے شیخ طریقت حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے ہوئی تھی۔

در اصل یہ نام ”انوار النظر فی آثار النظر“ حضرت تھانویؒ نے اسی خط و کتابت متعلقہ سلوک کے لیے تجویز فرمایا تھا اور اسی نام سے اس کو تربیت السالک میں شائع کرایا تھا۔ حضرت مولانا مرحوم نے اپنے خود نوشت سوانح حیات کا بھی یہی نام رکھ دیا۔

**متفرق مضامین و مقالات** [حضرت مولانا مرحوم کی مذکورہ بالا تالیفات کے علاوہ بے شمار مقالات و مضامین ایسے

ہیں جو مختلف ماہناموں اور ہفتہ وار رسالوں میں شائع ہوتے رہے ہیں اور ان میں بعض مضامین اپنی ضخامت و اہمیت کے اعتبار سے مستقل کتاب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ مضامین زیادہ تر اعظم گڑھ کے ”معارف“ میں شائع ہوئے ہیں۔ ان میں ایک اہم مضمون ”اسلام میں جاگیر داری اور زمینداری نظام“ کے عنوان سے شمارہ اپریل ۱۹۵۳ء ص ۲۵ تا ص ۲۸۶ اور شمارہ جولائی ۱۹۵۳ء ص ۵ تا ص ۱۹ اور شمارہ جون ۱۹۵۳ء ص ۴۱۵ تا ص ۴۲۰ اور مئی ۱۹۵۳ء ص ۲۵ تا ص ۲۹ بڑا تفصیلی مضمون ہے جو چار شماروں میں شائع ہوا ہے۔

ماہنامہ فارانِ کراچی میں بھی ایک مفصل مضمون ”اسلام میں عورت کا عائلی مقام“ کے عنوان سے شائع ہوا ہے جو رسالہ مذکورہ کی پوری ضخامت پر پھیلا ہوا ہے۔ لاہور کے ہفت روزہ شہاب“ میں بھی مقالات عثمانی کے نام سے حضرت مولانا کے مضامین شائع ہوتے رہے ہیں۔ ان میں سے بعض کی فہرست حسب ذیل ہے :-

”عیسائی مشنری“ ۲ اپریل ۱۹۶۱ء، ”موسیقی اور اسلام“ ۱۸ جون ۱۹۶۱ء اور ۲۵ جولائی ۱۹۶۱ء دو اقساط ”علمائے شام سے انٹرویو“۔ ۲۳ جولائی ۱۹۶۱ء ”حضرت علی اور ابو جہل کی بیٹی کا نکاح“ ۴ اگست ۱۹۶۱ء علماء مدینہ سے انٹرویو ”۲۲ ستمبر ۱۹۶۱ء“ عیسائیوں سے سوالات“ ۴ فروری ۱۹۶۲ء ”میدانِ عرفات میں“ ۲۳ مئی ۱۹۶۲ء کو۔ اسی طرح ”المنبر“ لائل پور میں بھی آپ کے بعض مضامین شائع ہوئے ہیں۔ ذیل میں بعض ایسے مضامین کی فہرست درج کی جاتی ہے جو ماہنامہ ”البلاغ“ کراچی میں شائع ہوئے ہیں۔

(۱) عصرِ حاضر میں مسافتِ فقر کی تحقیق

احکامِ سفر کے بارے میں دو عربی رسائل علماءِ تہذیب کے مولانا کی نظر سے گزرے جو تہذیب کی سفارت خانہ کے توسط سے پہنچے تھے ان کا خلاصہ مضمون یہ تھا کہ سفر کی مدت میں تین دن اور تین رات ہی کا اعتبار ہے سیلوں کی مسافت کا اعتبار نہیں ہے۔ سفر میں رخصت کا مدار مشقت پر ہے اور مشقت نہ ہونے کی صورت میں رخصت بھی نہ ہوگی۔ حضرت مولانا مرحوم نے اس کا جواب عربی زبان میں تحریر فرمایا تھا اس کا اردو ترجمہ مولانا عزیز الرحمن سواتی کے قلم سے ”ابلاغ“ کراچی ۸، روزی الحجہ ۱۳۹۳ء میں شائع ہوا۔

(۲) ذلتِ یہود اور عربوں کی حالیہ شکست

حکومت اسرائیل کے قیام کی وجہ سے بہت سے لوگوں کے دلوں میں یہ شبہات پیدا ہو رہے ہیں کہ قرآن مجید میں تو اس قوم کی ذلت و مسکنت کو لازم کیا گیا ہے پھر ان کو حکومت و سلطنت کیسے مل گئی؟ جب یہ سوال ”صدق“ لکھنؤ ۵، ربیع الثانی ۱۳۸۶ء میں شائع ہوا تو مولانا مرحوم نے مذکورہ عنوان سے اس کا جواب لکھا جو ”ابلاغ“ ماہ جمادی الاول ۱۳۸۶ء میں شائع ہوا ہے۔

(۳) ۲۲ اشعار کا ایک عربی قصیدہ جہادِ فلسطین پر اسرائیل سے عربوں کی پہلی جنگ کے موقع پر لکھا تھا جو حلقۃ العلماء منعقدہ مئی ۱۹۶۸ء کے یومِ فلسطین میں پڑھا گیا تھا۔

(۴) ”مسلمانوں کے ذوال کے اسباب“

یہ وہ مقالہ ہے جو مولانا نے راولپنڈی کی بین الاقوامی مذاکرہ منعقدہ فروری ۱۹۶۸ء کے لیے تحریر فرمایا تھا مگر بوجہ علالت خود تشریف نہ لے جاسکے

البتہ مقالہ بھیج دیا تھا جو "البلاغ" صفر ۱۳۸۸ھ میں شائع ہوا۔

(۵) "سوالنامہ کا جواب"

"البلاغ" جمادی الثانی ۱۳۸۸ھ میں شائع ہوا۔

(۶) "محبوب بنی شبیر علی"

"البلاغ" شوال ۱۳۸۸ھ میں مولانا شبیر علی برادرزادہ حضرت حکیم الامت

تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر مولانا مرحوم علیہ الرحمہ نے یہ مضمون ارقام فرمایا تھا اور اس کے آخر میں ۲۱ اشعار کا ایک عربی مرثیہ بھی اسی مضمون میں شامل ہے۔

(۷) "دینی مدارس کے انحطاط کے اسباب"

مولانا کا یہ مضمون شوال ۱۳۹۱ھ کے "البلاغ" میں شائع ہوا ہے۔

(۸) حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ۳۲ اشعار کا مرثیہ جو

پہلے "معارف" اعظم گڑھ میں شائع ہوا۔ پھر بعض اصلاحات و ترمیمات

کے بعد "البلاغ" جمادی الاول ۱۳۹۰ھ میں شائع ہوا۔

(۹) مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ العالی کے والد ماجد کی وفات

پر گیارہ اشعار کا ایک مرثیہ جس کے دس اشعار مولانا کو خواب میں الہام

کئے گئے اور بیدار ہونے کے بعد محفوظ رہے اور آپ نے ان کو قلمبند فرمایا۔

یہ مرثیہ حضرت مولانا مفتی صاحب مدظلہ کے نفیات میں شامل ہے۔ اس

کے دو شعر یہ ہیں :-

فیاخیر مولود و یاخیر والد

ہنیامن قد کان مثلک ابنہ

عنوم الہدی من سائق الخیر قائد

دصاحات من کان تلطف مثلکم

(۱۰) حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی کی وفات پر دس اشعار کا عربی مرثیہ جو ماہنامہ ”بینات“ کراچی کے شمارہ شعبان ۱۳۹۲ھ میں شائع ہوا۔ اس کے چند اشعار درج ذیل ہیں :-

قد كنت ارجوان تكون خليفة  
لدراسته الاثاء والقدر آن  
لكن دخلت الى الجنان بسرعة  
وتركت اهل الحق البكالزمان  
قد كنت بجرا في العلوم بالسرها  
ولانت حقا عالم رباني !

(۱۱) ”اسلامی نظاہ کے بنیادی اصول“

یہ مضمون ہفت روزہ ”صوت الاسلام“ لاہور شمارہ ۱۲ جون ۱۹۶۰ء میں شائع ہوا ہے۔

(۱۲) حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک قطعہ اراخی خرید کر اپنے خاندان اور اہل خانقاہ کے لیے بطور قبرستان تعین فرمایا تھا اور اس کے متعدد تاریخی مادے مولانا مرحوم نے نکالے جن میں سے ایک مادہ ”قبرستان عشق بازاں“ ہے اور ایک نظم دس اشعار کی عربی میں ارتقا فرمائی جس کا ایک شعر یہ ہے :-

عج ان یسئلک این ریاحین طیبة قل اشرب المقابر بنجم منود

یہ نظم اور تمام تاریخی مادے ”النور“ ماہ شوال المکرم ۱۳۴۲ھ میں شائع ہوئے ہیں

## حضرت مولانا مرحوم کی علمی دلچسپی کا خاص مرکز

حضرت مولانا مرحوم کی تصنیفات و تالیفات کے ملاحظہ سے واضح ہے کہ حضرت موصوف نے علم تفسیر و حدیث اور فقہ و تقویٰ و غرضیکہ جملہ علوم دینیہ اور فنون اسلامیہ کی خدمت انجام دی ہے اور مدرس و تدریس کے علاوہ تالیف و تصنیف کے ذریعہ بھی دین کے ہر شعبہ کو فیضیاب و سیراب کیا ہے اور علوم دینیہ کا کوئی گوشہ ایسا نہیں چھوڑا جو اس دریا بے علم اور منبع فیض کی فیض رسانی سے محروم رہا ہو لیکن علم و فن کے جن شعبہ کے ساتھ آپ کو مخصوص تعلق رہا ہے اور جو شعبہ تمام عمر آپ کی دل چسپی کا مرکز بنا رہا ہے وہ اول درجہ پر علم حدیث ہے اور اس کے بعد دوسرے درجہ پر علم عربی ادب کا شعبہ ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا مرحوم نے خود بھی اس سوال کے جواب میں کہ علم و فن کی کونسی شاخ آپ کی خصوصی دل چسپی کا مرکز ہے؟ ارقام فرمایا ہے کہ:-

”مجھے حدیث سے زیادہ دل چسپی ہے اس کے بعد عربی ادب سے“

حضرت مولانا کی تالیفات و تصنیفات اور آپ کا عمر کے آخری ایام تک اشتغال بالحدیث آپ کے اس قول پر شاہد عدل ہے۔ بالخصوص آپ کی تصنیف اعلاء السنن علم حدیث میں آپ کا ایسا شاہکار ہے جس سے آپ کی علم حدیث سے خصوصی دلچسپی اور کمال مناسبت واضح ہے۔ علم حدیث کی یہ بے نظیر اور ضخیم کتاب حضرت مولانا مرحوم کے علم حدیث کے ساتھ شغف اور آپ کی دل چسپی اور مہارت فن نیز وسعت نظر کے ساتھ دقت نظری کا بھی مرقع ہے۔

عربی ادب میں قابلیت اور مہارت کا اندازہ لگانے کے لیے حضرت مولانا مرحوم کے عربی زبان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں بہت سے مدحیہ قصیدے اور بعض دوسرے بزرگوں کے مرثیے بھی طبع شدہ موجود ہیں جن کے اشعار کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے ایسے قصائد کا ذکر اوپر اچکا ہے۔ مولانا مرحوم کے بعض عربی قصیدوں کے ملاحظہ کرنے کے بعد مولانا سید سلیمان ندویؒ نے بھی ان کی فصاحت و بلاغت اور سلاست و انجام کی تعریف و توصیف فرمائی ہے۔ اس طرح حضرت مولانا مرحوم کے عربی رسالہ کشف الدجے کے مطالعہ کے بعد سید صاحب مرحوم نے اس کی طرز عبادت اور انشاء کی سلاست اور جاذبیت کو نور علی نور قرار دیا تھا۔ غرضیکہ عربی تثر ہو یا نظم دونوں پر حضرت مولانا مرحوم کو پوری طرح قدرت حاصل تھی اور آپ عربی زبان کے بڑے فاضل اور بے تکلف ماہر ادیب بھی تھے۔

شروع زمانہ طالب علمی ہی سے مولانا مرحوم کو فن ادب عربی کے ساتھ خاص مناسبت حاصل رہی ہے اور اوائل عمر سے ہی یہ فن آپ کی علمی دلچسپی کا مرکز بنا رہا ہے۔ چنانچہ زمانہ طالب علمی ۱۳۲۶ھ میں جب مولانا مرحوم کے والد صاحب کے انتقال کی خبر آئی تو مولانا مرحوم نے اس وقت ہی عربی کے یہ دو شعر لکھ کر دستاویز صاحب سے رخصت طلب کی تھی۔

ع۔ الی آین ابکی واحد بعد واحد فلیس امر و مناهات بحالک

و اول من قد ناب قلبی لفقدہ و طاری لی موتہ موت والدی  
حضرت استاذ نے ان شعروں کی بہت تعریف کی اور بلا کر مولانا کو تسلی دی۔

## حضرت مولانا مرحوم کے بعض افادات خاصہ

نوٹ کی شرعی حیثیت کے عنوان سے مولانا مرحوم کا ایک مضمون "بینات" کراچی ماہ ذی القعدہ ۱۳۸۸ھ میں شائع ہوا ہے۔ بعض

علماء نے نوٹ کو سکہ بنانے کی کوشش کی اور نوٹ کے ذریعہ زکوٰۃ کے ادا ہو جانے پر زور دیا تو اُس کے جواب میں مولانا مرحوم نے یہ مضمون ارقام فرمایا۔ اس میں مولانا مرحوم فرماتے ہیں :-

» میرا خیال یہ ہے کہ ایک روپیہ کا نوٹ تو واقعی سکہ ہے اس سے زکوٰۃ ادا کرنا درست ہے اور اس پر فقیر کا قبضہ ہوتے ہی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ باقی پانچ، دس، پچاس، سو اور پانچ سو روپے کے جتنے نوٹ ہیں وہ سکے نہیں ہیں بلکہ رسید کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان سے زکوٰۃ ادا ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ فقیر اُن سے کوئی عین خریدے جیسے کپڑا غلہ وغیرہ۔ یا سکے سے بدل لے خواہ مسکوک روپیہ سے یا ایک روپیہ کے نوٹ سے۔ کیونکہ ان نوٹوں پر جو عبارت چھپی ہوئی ہے وہ صراحتہً اس کے رسید ہونے پر دلالت ہے۔ سکے ہونے پر دلالت نہیں۔ ایک روپیہ کے نوٹ پر ایسی کوئی عبارت نہیں ہوتی۔ اس لیے سکے کہا جاسکتا ہے۔ رہا تقابل سواؤل تو ہر زمانہ کا تعامل شرعاً ہی معتبر نہیں قرون ثلاثہ کا تقابل ہی معتبر ہے کہ وہ قرون خیر تھے۔ پھر یہ بھی دعوئے مشکل ہے کہ لوگ ان نوٹوں کو رسید نہیں سمجھتے۔ بہر حال جن نوٹوں پر اس قسم کی عبارت چھپی ہوئی ہے کہ "بنک دولت پاکستان حامل ہذا کو عندالمطالعہ .... روپے ادا کریگا" وہ سکے نہیں بلکہ رسید ہے اور اُسان صورت

یہ ہے کہ اس مسئلہ کو حکومت ہی سے طے کر لیا جائے کہ وہ ان نوٹوں کو سکہ قرار دیتی ہے یا رسید؟ اگر سکہ قرار دیتی ہے تو اس قسم کی عبارتیں نوٹ پر لکھنا بند کر دے صرف رقم لکھ دیا کرے اور پاکستان کا نام۔“

قسطوں پر خریدی ہوئی مشینوں کی قیمت قرض ہے | اسی مذکورہ مضمون میں مولانا مرحوم نے اس

سے بھی اختلاف فرمایا ہے جو بعض علماء نے ہدایہ کی ایک عبارت سے ثابت کرنا چاہا ہے کہ قسطوں پر خریدی ہوئی مشینوں کی قیمت کو اپنے ذمہ قرض نہ سمجھنا چاہیے اور جس قدر مالیت سال پر ان کے پاس ہو سب کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے مشینوں کی قیمت کو جو ان کے ذمہ واجب الادا ہے اس میں سے منہا نہ کرنا چاہیے۔ مولانا ارقام فرماتے ہیں :-

”صاحب ہدایہ کا مطلب صرف یہ ہے کہ جب ایجاب و قبول میں مدت ادائیگی اور قسطوں کا ذکر نہ ہو تو خریدار دوسروں کے ہاتھ وہ مال یہ کہہ کر بیچ سکتا ہے کہ میں نے اتنے میں خریداہے۔ قسطوں کے ذکر کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ قسطوں کا ذکر نہ ہونے سے وہ مال دین اور قرض بھی نہیں ہے۔ جب اس کے ذمے قسطوں کا ادا کرنا شرعاً واجب اور عرصہ بھی لازم ہے تو اس کے مدیون و مقرض ہونے میں کیا شبہ ہے؟ البتہ یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ ہر سال جتنی بھی قسط ادا کرنا واجب ہے اُس کو دین سمجھ کر منہا کر سکتا ہے۔ ساری قسطوں کو منہا نہیں کرنا چاہیے۔“

## آلہ بکر الصوت

علامہ سلیمان ندوی کے استفتاء کے جواب میں مولانا مرحوم آلہ بکر الصوت کے نماز میں استعمال کے جواز کا فتوے اُس کے

فقہی دلائل کے ساتھ پہلے ہی تحریر فرما چکے تھے پھر اس کے بعد جب حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ نے اپنے رسالہ آلہ بکر الصوت کے شرعی احکام کو دوبارہ نظر ثانی فرما کر مرتب فرمایا تو اس کی موافقت میں حضرت مولانا مرحوم نے اپنی رائے کا اظہار فرماتے ہوئے تحریر فرمایا ”مگر نماز میں لاؤڈ سپیکر کا استعمال دو شرطوں سے جائز ہے ایک یہ کہ لاؤڈ سپیکر اعلیٰ قسم کا ہو کہ امام کو اس کی طرف منہ کرنے کی ضرورت نہ ہو کہ توجہ الی غیر اللہ مقصد صلوة کے منافی ہے۔ دوسرے بکریں کا انتظام مکمل ہوتا کہ مائیکروفون فیل ہو جائے تو نماز میں گڑبڑ نہ ہو۔“

ایک دفعہ احقر نے حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی سے زبانی دریافت کیا کہ آلہ بکر الصوت کے بارے میں علماء کا اختلاف ہو رہا ہے کہ اس پر نماز میں اقتداء جائز ہے یا نہیں؟ آپ کی کیا رائے ہے تو فرمایا کہ مولانا فخر احمد صاحب کی کیا رائے ہے؟ میں نے عرض کیا کہ وہ تو جائز فرماتے ہیں پھر کیا شک ہے مولانا نے فرمایا۔ وہ تو مولانا اشرف علی صاحب کی زبان ہیں۔“

حکومت مسلمہ کے ریڈیو پر اعلان ہلال کا حکم | احقر کے اس سوال کے جواب میں کہ ”ایک شہر سے دوسرے

شہر میں ثبوت ہلال کے لیے فقہاء نے جو طریقے لکھے ہیں ریڈیو کے ذریعے حاصل شدہ خبر ان طریقوں میں سے کس طریقہ میں داخل ہے اور ہلال صوم عید کے بارے میں اس خبر کی کیا حیثیت ہے؟ حضرت مولانا مرحوم نے فرمایا کہ :-  
”فقہاء نے اطلاق و دفاع اور ایقا و نیران کو بھی جو کہ شہروں میں حکومت

کے انتظام سے ہوتا تھا اہل قمری کے لیے حُجّت قرار دیا ہے۔ حکومت کا ریڈیو توپ اور چراغاں سے کم نہیں وہ اعلان صامت تھا یہ اعلان ناطق ہے۔“  
حضرت مولانا مرحوم نے اس اعلان کی حدود کو متعین فرما کر اس وسوسہ اور خلیجان کو بھی دور فرما دیا۔ جو دوسرے ممالک اسلامیہ کے ریڈیو کے ذریعے اعلان رویت ہلال کی وجہ سے اکثر لوگوں کو پیش آیا کرتا ہے کہ جب ایک اسلامی ملک میں رویت کا ثبوت ہو کر اعلان کر دیا گیا تو اس پر سب ممالک میں عملدرآمد ہونا چاہیئے۔ حضرت مولانا مرحوم فرماتے ہیں۔

” (تنبیہ) جس حکومت مسلمہ کے ریڈیو پر ہلال کھٹی کے فیصلہ کا اعلان ہو وہ اعلان اسی حکومت کی حدود میں حُجّت ہو گا باہر حُجّت نہ ہو گا۔ کیونکہ کتاب القاضی الی القاضی بھی اسی مملکت کے حدود میں حُجّت ہے باہر نہیں۔“ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت مولانا مرحوم کی تنبیہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے خلیجان مذکور کے رفع کرنے کے لیے بلا دبعیدہ میں اختلاف مطالع کے اعتبار و لحاظ کی ضرورت باقی نہیں رہتی اور ظاہر حنفیہ کے مذہب کے مطابق ہی کہ اختلاف مطالع مطلقاً غیر معتبر ہے یہ خلیجان رفع ہو جاتا ہے۔

فوٹو کا شرعی حکم | احقر نے پاسپورٹ بنوانے کی وجہ سے ہندوستان کا اپنا سفر اس لیے ملتوی کر دیا تھا کہ اس کے لیے فوٹو کھینچوانا لازمی تھا۔ اس کا تذکرہ حضرت مولانا مرحوم سے کیا تو حضرت مولانا نے تحریر فرمایا :-

” عزیز من سلمہ ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ ! میں نے تو انٹرنیشنل پاسپورٹ

بنو الیہم تھا جس میں مکہ مدینہ، مصر، عراق، شام، ایران اور جملہ ممالک اسلامیہ کے ساتھ لندن، پیرس، امریکہ، برطانیہ، برما اور ہندوستان کو بھی شامل کر لیا۔ اصل نیت حریم شریفین کی تھی۔ یہ سب تبعاً تھا اور فوٹو دے دیا تھا۔ آپ بھی ایسا ہی کہ لیجئے اور مسلمان کو مکہ مدینہ کے لیے تو پاسپورٹ لین شرعی ضرورت ہے۔“

شرعی ضرورت کے لیے مولانا مرحوم نے فوٹو کی اجازت دی ہے مگر ایسا قانون بنانا جائز نہیں ہے جس میں فوٹو لازمی کہ دیا گیا ہو۔ چنانچہ جب شناختی کارڈ کی تجویز کا ذکر مولانا مرحوم کے سامنے آیا تو جس میں فوٹو کو لازم قرار دیا جا رہا تھا تو اس کی مخالفت کا سختی کے ساتھ اظہار فرمایا اور لکھا کہ:-

”ابھی طے نہیں ہوا اگر طے ہوا تو ہم مخالفت کریں گے۔“

فوٹو کے بارے میں حضرت مولانا مرحوم کا نقطہ نگاہ اس سے واضح ہے کہ وہ ایسا قانون بنانے کو درست اور جائز نہیں سمجھتے تھے جس کی رو سے فوٹو کھینچنا پڑے۔ لیکن اگر ایسا قانون بنا دیا جائے اور مخالفت کے باوجود پاس کہ دیا جائے تو پھر مجبوری ہے قانون بنانے والوں کو اس کا گناہ ہو گا عوام مجبور و معذور ہوں گے۔

ابلیس کے مخالفہ کا متکلمانہ تحقیقی جواب [مولانا مرحوم نے آداب معبودیت کے ترجمہ اسباب الممودیہ

میں حضرت سہیل بن عبداللہ اور ابلیس کے اس مناظرہ کا ذکر کیا ہے کہ ابلیس نے ان کے سامنے وسعت رحمتی کل شئی سے اس طرح استدلال کیا کہ حق تعالیٰ نے اس حکم کو عام کیا ہے کیونکہ لفظ کل کلام و احاطہ کو چاہتا ہے اور شئی بھی

سب نکرات میں بڑا نکرہ ہے اور میں بھی یقیناً شئی ہوں تو مجھے بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت شامل ہے۔ اس کے جواب میں حضرت سہل نے جب یہ فرمایا کہ حق تعالیٰ نے پہلی آیت کو ایسی خاص صفات کے ساتھ مقید کیا ہے جو اس کو عموم سے نکال دیتی ہیں چنانچہ اس کے بعد ہی ارشاد ہے :

”فَسَاكِنَتِ اللَّذِينَ يَتَقَوْنَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ إِلَى آخِرِ الْآيَاتِ“ (جس سے ثابت ہو کہ رحمت الہی اہل تقویٰ و اہل ایمان کے لیے مخصوص کر دی گئی ہے) تو اس پر ابلیس ہنسا اور کہنے لگا ”اے سہل ! میں یہ نہ سمجھتا تھا کہ تم اس درجہ جاہل ہو اور نہ یہ گمان تھا کہ تم اتنا ہی علم رکھتے ہو۔ اے سہل تم کو معلوم نہیں کہ تقید تمہاری صفت ہے نہ کہ حق تعالیٰ کی صفت“

حضرت سہل فرماتے ہیں کہ ”اس بات کا میرے پاس کوئی جواب نہ تھا اور شیطان کا منہ بند کرنے کے لیے مجھے کوئی رستہ نہ ملا“ ابلیس کے اس مغالطہ کے جواب میں مولانا مرحوم ارقام فرماتے ہیں :

”میں کہتا ہوں کہ اس جملہ میں طعون نے سخت مغالطہ سے کام لیا ہے۔ بات یہ ہے کہ تقید کے دو معنی ہیں ایک بمعنی احتیاج الی المكان والی الزمان والجهات وغیرہا یہ واقعی ممکنات کی صفت ہے۔ حق تعالیٰ اور ان کی صفات اس سے منزہ ہیں اس تقید کا مقابل استغناء ہے جو حق تعالیٰ کی اور ان کی صفات کی صفت ہے۔ دوسرے بمعنی اقتصاص باشیء جس کا مقابل عموم ہے۔ تقید باین معنی صفات الہیہ میں فی نفسہا تو واقع نہیں لیکن باعتبار تعلق بالممكنات کے اس تقید کا وقوع صفات حق میں ہو سکتا ہے کیونکہ تعلق حادث ہے تو اس درجہ میں صفات الہیہ کے اتصاف بالتقید پر کوئی اشکال نہیں ورنہ عموم

صفات (مثلاً عموم رحمت پر ہی اشکال ہو گا کیونکہ صفات الہیہ فی نفسہا تو قائم بذات حق ہیں اس درجہ میں ان میں عموم کہاں بلکہ عموم بھی درجہ تعلق ہی میں ہے۔ پس ابلیس کے اشکال کا جواب ظاہر ہے کہ جس درجہ میں اُس نے رحمت کو عام مانا ہے اس درجہ میں وہ تقید کے ہنی قابل ہے اور جس درجہ میں تقید رحمت محال ہے اس درجہ میں عموم ہی جائز نہیں اور اگر مان لیا جائے کہ ابلیس بھی وسعت رحمتی کل شئی کے تحت میں داخل ہے تو اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ وہ آخرت میں بھی مستحق نجات اور مورد رحمت ہو گا۔ کیونکہ وسعت رحمت کے تحقق کے لیے شیطان کا محل رحمت دنیویہ ہونا کافی ہے اور رحمت دنیویہ ابلیس کو اور تمام کفار کو عام ہے جس کی بدولت ان کو نعمت وجود و حیات و رزق وغیرہ حاصل ہے۔“

اس مسکت تحقیقی اور مشکلمانہ انداز جواب سے مولانا مرحوم کی معقول اور علم کلام میں مہارت کا اندازہ بھی ہوتا ہے ماشاء اللہ مولانا مرحوم کو علم منقول کے ساتھ علم معقول اور کلام میں بھی بڑی دستگاہ حاصل تھی اور یہ سب فیض تھا حضرت حکیم الامت وغیرہ اکابر کا۔ سبحان اللہ! مولانا مرحوم نے کسی وقت نظری سے وہی اشکال ابلیس پر وارد کر دیا جو اس نے تقید صفات الہیہ پر مغالطہ دہی کے لیے کیا تھا کہ یہ اشکال تو عموم رحمت پر بھی وارد ہو سکتا ہے جس سے اپنے حق میں ابلیس استدلال کر رہا تھا۔ یہ جواب ان لوگوں کے لیے بڑا ہی قابل قدر ہے جن کو کتب کلامیہ کے ابحاث دقیقہ سے سابقہ پڑتا رہتا ہے۔

مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی فرمایا کرتے تھے کہ اگر ہو سکے تو مولانا ظفر احمد صاحب سے علم معقول میں کوئی رسالہ پڑھ لینا۔ کیونکہ مولانا نے حضرت

مولانا اشرف علی صاحب سے پڑھا ہے اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب  
تھانویؒ کا معقولی ہونا مسلم ہے۔

اس جواب کے بعد مولانا مرحومؒ نے حضرت سہیل بن عبداللہ کے سکوت کرنے  
اور جواب سے قاصر رہنے کی توجیہ بھی فرمائی ہے۔ یہ وہی اکابر اور صلیٰ اُست  
کے ساتھ حسن ظن اور ادب کا غلبہ ہے جس پر عمل کرنا ہمارے ان حضرات کا  
خصوصی شعار رہا ہے۔

مولانا مرحومؒ فرماتے ہیں ”اور غالباً حضرت سہیل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ پر  
اس وقت مذاق تنزیہ و توحید کا اس قدر غلبہ تھا کہ وہ درجہ تعلقی میں بھی تقید  
رحمت کو بعید سمجھتے تھے اس لیے ابلیس کے سامنے خاموش رہے“  
آپ نے دیکھ لیا کہ حسن ظن اور ادب مع اکابر کو مولانا مرحومؒ نے کس طرح  
ملفوظ رکھا ورنہ ایسے موقع پر اکثر دعویٰ کی صورت پیدا ہو کر سوء ظنی اور بے ادبی  
کا پہلو نمایاں ہونے لگتا ہے۔ اعاذ باللہ منہ۔

تبلیس ابلیس اور اُس کے مخالطات سے محفوظ رہنا بغیر دستگیری  
خدا تعالیٰ ممکن نہیں وہ اپنے جال میں بڑے بڑوں کو پھنسا لیتا ہے۔ البتہ  
اللہ تعالیٰ راغبین فی العلم اور کاملین فی التقویٰ کو شیطان کے  
تسلط سے محفوظ رکھتے ہیں اور فقیہہ فی الدین اس کے مخالطہ میں نہیں آتا۔  
اس لیے مولانا مرحومؒ نے بزرگوں کی وصیت ارقام فرمائی ہے کہ: ”بزرگوں نے  
وصیت کی ہے کہ اگر کسی کی ابلیس سے ملاقات ہو جائے تو اس سے گفتگو بھی نہ کرے  
کیونکہ علم مخالطہ میں اُس کو بڑی مہارت ہے بڑے سے بڑے عالم کو وہ ایسا مغالطہ  
دیدیتا ہے جس سے وہ چکر میں پڑ جاتا ہے“ (اسباب المحمودیہ)

تملیک کا بے شبہ طریقہ | زکوٰۃ وغیرہ واجب التملیک رقوم کا تملیک کا  
ایک عریفہ کے جواب میں حسب ذیل طریقہ ارقام

فرمایا جس میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا حضرت مولانا تحریر فرماتے ہیں :  
”اس طرح بھی تملیک ہو جائے گی مگر مستحق کو روپیہ دے کہ پھر واپس  
لینے میں شبہ رہتا ہے اس لیے بہتر ہے کہ مستحق سے کہا جائے کسی سے سو روپے  
قرض لے کہ مدرسہ میں دیدے پھر سو روپیہ زکوٰۃ میں اس کو دیا جائے کہ اس  
سے قرض ادا کر دے لیفعل بكذا امرۃ بعد مبرۃ اور میرے نزدیک ایک  
روپیہ کا نوٹ سکے ہے رسید نہیں۔ اس سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔“

باب چہارم

تبلیغی جدوجہد دینی مولعظ اور مناظروں کے ذریعہ احقاقِ حق

حضرت مولانا مرحوم نے تصنیف و تالیف کے علاوہ مواظفہ حسنہ اور  
زبانی مناظروں کے ذریعہ تبلیغ اور احقاقِ حق کی جدوجہد میں بھی بھرپور حصہ لیا  
ہے اور حضرت مجدد کی دینی خدمات اس شعبہ میں بھی نمایاں طور پر واضح  
اور روشن ہیں۔

حضرت مولانا مرحوم فرماتے ہیں کہ میری زبان میں روانگی نہیں تھی طلباء  
کے سامنے تو تقریر کر لیا کرتا تھا مگر مجھے عوام میں بیان کرنا مشکل تھا ایک دفعہ  
حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مدرسہ اشاعت العلوم بریلی کے سالانہ جلسے پر اپنے  
ہمراہ مولانا کو بھی لے گئے۔ مونی محمد علی گلاؤ مٹی والے اور مونی محمد حسین سہارنپوری  
بھی ہمراہ تھے جلسہ صبح اٹھ بجے شروع ہونے والا تھا مگر مولانا کو شرعی صاحب محدث

راپوری کے آنے میں دیر ہو گئی اس لیے مہتمم مدرسہ نے حضرت سہارنپوریؒ سے عرض کیا کہ حضرت خود وعظ فرمائیں یا اپنے کسی خادم کو حکم فرمائیں۔ حضرت سہارنپوریؒ نے مولانا مرحوم کو فرمایا ”مولوی ظفر جاوید بیان کرو“ یہ مولانا مرحوم کا پہلا وعظ مجمع عام میں تھا۔ اب اس کو اس کے سوا کیا کہا جائے کہ یہ حضرت سہارنپوریؒ کی کرامت یا تصرف باطنی کا اثر تھا کہ اعجاز القرآن کے خالص علمی موضوع پر مولانا مرحوم نے ایک گھنٹہ مسلسل بیان فرمایا اور درمیان میں ذرا بھی رکاوٹ نہ ہوئی۔ صوفی محمد علی صاحب پر اس وعظ کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ روتے روتے بے تاب ہو گئے اور وعظ کے بعد مولانا کو لپٹ گئے۔ مگر اس واضح کرامت کے صدور پر بھی اختصار صرف کا یہ حال تھا کہ جب صوفی صاحب مدوح نے مولانا مرحوم کے وعظ کی حضرت سہارنپوریؒ سے تعریف فرمائی تو حضرت سہارنپوریؒ نے اس تصرف کو اپنی طرف منسوب ہوتے ہوئے دیکھ کر فوراً رخ موڑ دیا اور اس کو حضرت حکیم الامت کی طرف منسوب فرماتے ہوئے فرمایا کہ اپنے ماموں کا بھانجا ہے ان ہی کا رنگ ہے۔

رٹ کی چھاؤنی میں جہاد کی ترغیب | ایک مرتبہ مولانا مرحوم نے حضرت سہارنپوریؒ کے حکم سے ضلع سہارنپور

کی چھاؤنی رٹ کی میں وعظ فرمایا اس زمانہ میں ترکوں کے لیے ہر طرف چندہ ہو رہا تھا مولانا مرحوم نے اسی موضوع پر وہاں تقریر کی اور مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دلائی۔ حضرت سہارنپوریؒ نے فرمایا کہ موقع محل دیکھ کر تقریر کیا کرو۔ یہ اگر نیکو کی چھاؤنی ہے یہاں جہاد کی تقریر کو وہ اپنے خلاف بغاوت پر محمول کہیں گے۔ اس کے بعد تو حضرت مولانا مرحوم کی طبیعت وعظ عام اور

تقریروں میں خوب کھلنے لگی اور آپ بڑے بڑے مجموعوں میں وعظ و تقریر کرنے لگے یہاں تک کہ بعض مرتبہ مظاہر علوم سہارنپور کے سالانہ جلسہ میں بھی حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے وعظ سے پہلے مجمع عام میں مولانا مرحوم کا وعظ ہوا کہ تاتھا اور حضرت حکیم الامت تھانوی کے سفر سے عذر پیش آجانے کے بعد تو اکثر مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے سالانہ جلسہ پر مولانا مرحوم کا وعظ ہی ہوا کہ تاتھا۔

**حضرت مولانا مرحوم کا معمول** | حضرت مولانا مرحوم فرماتے ہیں کہ ”مجھے اس کا برابر اہتمام ہے کہ وعظ و تقریر سے پہلے

حق تعالیٰ سے اجازت حاصل کر کے یہ عرض کر لیتا ہوں کہ مجھے قول و عمل میں خلوص عطا فرمایا جاوے اور مجھے اور سب مسلمانوں کو جو مضمون نافع ہو وہ ہی مجھ سے بیان کر دیا جائے۔“

حضرت مولانا مرحوم کے ان پر خلوص مواعظ سننے کے بعد اللہ ہر جگہ نہایت اچھے اثرات ظاہر ہوئے اور بہت سے بہتر ثمرات اور فوائد حاصل ہوتے تھے۔ چنانچہ ذیل میں درج شدہ چند واقعات سے حضرت مولانا مرحوم کے مواعظ کے اثرات و ثمرات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

مدرسہ راندیر یہ رنگون میں مولانا مرحوم تعلیمی نگرانی کے علاوہ ہر جمعرات کو وعظ بھی فرمایا کرتے تھے۔ وہاں کے ہیڈ ماسٹر کو علماء سے بہت بُعد تھا مگر مولانا مرحوم کے مخلصانہ طرز عمل سے متاثر ہو کر وہ خود بھی نماز کے پابند ہو گئے اور دوسرے ماسٹروں کو بھی انہوں نے نماز کا پابند بنادیا۔

**وعظ کی تاثیر کا نمونہ** | مولانا کے زمانہ قیام رنگون میں یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک ہندو نے کلکتہ کے ایک اخبار میں سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی شان اقدس میں گستاخانہ مضمون شائع کر دیا۔ مسلمانان رنگون نے اس پر احتجاج کے لیے عارف ہال میں مولانا فخر علی خاں ایڈیٹر ”زمیندار“ کی زیر صدارت جلسہ منعقد کیا۔ حضرت مولانا مرحوم نے اپنی جلسہ کی تقریر میں جب یہ فقرہ فرمایا کہ کفار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کرتے رہیں گے اور مسلمان اسی طرح بیٹھے رہیں گے آخر آپ کو کس بات کا انتظار ہے؟ اس فقرہ پر ایک دم تمام جلسہ کھڑا ہو گیا اور فخرہ کلیر سے ہال گونج اٹھا۔ پھر جب مولانا نے فرمایا کہ الحمد للہ مسلمان زندہ ہیں اب آپ بیٹھ جائیں تب مجمع بیٹھا اور صدر جلسہ نے ریزولوشن پیش کیا جس کو بالاتفاق منظور کیا گیا۔ چند ہی روز گزرے تھے کہ اس ہندو نے اسی اخبار میں اپنی غلطی کا اعتراف کر کے مسلمانوں سے معافی مانگی۔ جلسہ کے بعد مولانا فخر علی خاں مرحوم نے کہا کہ مجھے آج معلوم ہوا کہ خانقاہ والوں میں بھی ایسا جذبہ اور جوش ہے کہ ان کے ایک فقرہ سنے سارا جلسہ جوش میں آگیا اور ایک دم کھڑا ہو گیا۔ میں تو ڈر گیا تھا کہ مولانا کہیں اس وقت جہاد کا حکم نہ دے دیں۔

**دوسرا واقعہ** | رنگون میں پندرہ سولہ جوانوں کی ایک شیدی پارٹی بدعتی خیال کی تھی وہ علماء دیوبند کے جلسوں کو درہم برہم کر دیا کرتی تھی اس زمانے میں مشن ہائی سکول کے ایک پادری نے اپنے سکول کے ماہوار میگزین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر رکیک حملے شائع کئے اور ہائی سکول کے طلبہ نے وہ پرچہ مولانا مرحوم کو دکھلایا۔ مولانا نے اس کے خلاف بطور احتجاج جلسہ بلایا اور اس میں شیدی پارٹی کے سردار غلام محمد خاں کو بھی اسکی جماعت سمیت مولانا نے دعوت دی چنانچہ جلسہ منعقد ہوا اور ہر مکتب خیال کے مسلمان اس میں شریک ہوئے۔ مولوی حسرت علی لکھنوی بریلوی مکتب فکر کے مبلغ اور

مناظر اس میں شریک نہیں ہوئے حالانکہ وہ اس وقت رنگون میں ہی مجلس میلاد خوانی کر رہے تھے۔ اس جلسہ کا بہت اچھا اثر ہوا اور ہیڈ ماسٹر کو سکول بند کرنا پڑا اور یہ لکھنا پڑا کہ جب تک علمائے اسلام اجازت نہ دیں گے سکول بند رہیگا۔ تین دن کے بعد پرنسپل کا پرجہ سکول کھولنے کی اجازت طلب کرنے کے لیے آیا۔ علماء نے مشورہ کر کے چند شرائط کے بعد اجازت دے دی۔ ان میں ایک بڑی شرط یہ تھی کہ مسلمان بچے بائبل نہیں پڑھیں گے۔ بائبل کے گھنٹہ میں ذکرِ آن کریم، تاریخ اسلام اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کریں گے۔ دوسری بڑی شرط یہ تھی کہ ہیڈ ماسٹر عام مسلمانوں سے معافی مانگے اور معافی نامہ اپنے میزین اور تمام اخبارات رنگون میں شائع کرے اور پہلے اپنے مضمون کے غلط ہونے کا اقرار کرے اور اقرار کرے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح حیات وہ ہے جو اب شائع کی جاتی ہے۔“

یہ شرطیں منظور کی گئیں اور حضرت مولانا مرحوم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح سوانح حیات لکھ کر سید عنایت حسین صاحب مرحوم ہیڈ ماسٹر رانڈیرہ ہائی سکول کو اس کی انگریزی بنانے کے لیے دی اس کو ہیڈ ماسٹر مشن ہائی سکول نے معافی نامہ کے ساتھ اپنی طرف سے شائع کر دیا۔

جب یہ مضمون خواجہ عزیز الحسن صاحب حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا اظہارِ خوشی مجذوب نے حضرت تھانویؒ کو

سنایا تو فرمایا کہ یہ پادری بڑا سمجھدار معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کمالات اس خوبی سے بیان کر رہا ہے کہ انگریزی خوان مسلمان بھی ایسا نہیں کر سکتے۔ مولانا مرحوم بھی تعظیم گرامر رنگون سے متحانہ بھون تشریف لائے ہوئے

تھے مولانا نے عرض کیا کہ یہ مضمون تو میرا ہے اس نے اپنے نام سے اسکو شائع کیا ہے حضرت عثمانی نے خوش ہو کر فرمایا ”تم نے تو اُس کو مسلمان ہی بنا دیا ہے۔“

**اس واقعہ کی برکت** | اس واقعہ میں چونکہ سارا کام علمائے دیوبند نے ہی کیا تھا بدعتی علماء نے اُس میں کچھ حصہ نہیں لیا

اس لیے شیدی پارٹی کے نوجوان بگڑ گئے کہ اللہ کے نام پر تحفظ ناموس رسول کے لیے جان دینے کو علماء دیوبند ہیں اور میلاد پڑھ کر روپیہ لینے کو یہ بدعتی علماء رہ گئے ہیں۔ اس ایک واقعہ سے یہ پوری جماعت بدعت سے تائب ہو گئی اور علماء دیوبند کا اعلانیہ ساتھ دینے لگی۔ جب کسی موقع پر حکومت ہر ماضی مسائل میں مداخلت کرتی تو علمائے دیوبند اس کو دین میں مداخلت کرنے سے روک دیتے اور یہ پارٹی ہر موقع پر علماء دیوبند کا ساتھ دیتی۔

**قربانی پر پابندی کا ایک واقعہ** | ایک مرتبہ گورنر برمانے یہ آرڈر دیا کہ بقر عید کی قربانی صرف پہلے دن اور وہ

بھی گیارہ بجے دن تک ہو سکتی ہے اس کے بعد قربانی قانوناً منع ہے اس پر علمائے دیوبند نے احتجاج کیا تو حکومت کو اپنا حکم واپس لینا پڑا اور ہر موقع پر شیدی پارٹی نے بڑی جرات اور ہمت سے کام لیا۔

**فرقہ بہانیہ میں تبلیغ** | رنگون سے چالیس میل کے فاصلہ پر ایک بستی ویڈونو نام کی تھی وہاں کے سارے مسلمان بہانی مذہب قبول

کر کے مرتد ہو گئے تھے۔ حضرت مولانا مرحوم نے علماء کی ایک جماعت کے ساتھ اس بستی میں تبلیغ شروع کی۔ اللہ تعالیٰ نے کیا تو ایک ہی سال میں وہ سب

ہو کہ مسلمان ہو گئے صرف ایسے سترہ آدمی اس فرقہ بہائیت کے رہ گئے جن کو مرکز بہائیت امریکہ سے بڑی بڑی تنخواہیں ملتی تھیں۔ مرکز بہائیت کو اس بستی پر بڑا ناز تھا کہ ساری بستی کو انہوں نے فتح کر لیا ہے۔ بحمد اللہ ان کا فخر خاک میں مل گیا اور اسلام کو فتح نصیب ہوئی۔

**پادری سے مناظرہ** | مولانا کے قیام رنگون کے زمانے میں ضلع ٹانگو میں ایک بڑا فاضل پادری رہتا تھا جس سے وہاں کے مسلمان مرعوب تھے۔ مولانا مرحوم نے وہاں پہنچ کر اپنے ایک انگریزی دن دوست مولانا ولی محمد صاحب کے واسطے سے اس کے ساتھ گفتگو فرمائی۔ بحمد اللہ وہ پادری لاجواب ہو گیا۔

مولانا مرحوم رنگون ایک سال کے لیے تشریف لے گئے تھے مگر ایسی ہی تبلیغی ضرورتوں سے مولانا مرحوم کو وہاں اڑھائی سال قیام کرنا پڑا۔

**ایک اور پادری سے مناظرہ** | حضرت مولانا مرحوم کو زمانہ طالب علمی میں اپنے ماموں حضرت تھانوی کی طرح ہی

مناظرہ کا بہت شوق تھا اور ادا ائل عمر سے ہی مولانا کو انگریزوں اور ان کے مذہب سے بہت نفرت تھی۔ اسی لیے مولانا کو انگریزوں کی زبان انگریزی سے بہت نفرت تھی، بچپن میں انگریزی کتاب کو پڑھ کر بوجہ نفرت کے اُسے پھاڑ ڈالنے کا واقعہ اُوپر گزر چکا ہے۔ اور کانپور کے زمانہ تعلیم میں جمعرات کے جلسہ میں طلباء میں مولانا نے جو عربی میں نظم پڑھ کر سنائی تھی اس سے بھی انگریزوں سے بے زاری اور نفرت کا اظہار بڑے بلیغ انداز سے ہو رہا ہے۔ اس کا ایک شعر یہ ہے :

کے ساتھ کل من عبد المسیح بحول اللہ مقتولاً لمسیحاً

اس لیے مولانا کو اپنے طالب علمی کے زمانہ ہی میں انگریزوں سے مناظرہ کرنے کا شوق تھا چنانچہ کانپور میں ایک پادری نے جلسہ عام میں دین مسیحی کی فضیلت جملہ ادیان پر ثابت کرنے کا اعلان کیا تھا۔ مولانا اس زمانے میں جامع العلوم کانپور میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ پادری کا یہ اعلان سن کر مولانا اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ اُس کے جلسہ میں پہنچ گئے اور اس سے سوالات کر کے اُس کو لا جواب کر دیا۔

**ایک سوال** | مولانا نے اس پادری سے ایک سوال یہ بھی کیا تھا کہ اصلی انجیل تو آپ کے پاس ہے نہیں صرف اس کے ترجمے ہیں۔ اور مترجموں کا حال معلوم نہیں۔ یہ سلسلہ اسناد موجود ہے تو ان ترجموں کے صحیح ہونے کا یقین کیسے کیا جائے؟ پھر یہ گورکھ دھندا بھی عجیب ہے کہ خدا تین ہیں اور ایک بھی ہے۔ اس پر پادری لا جواب ہو کر کہنے لگا کہ اس کا جواب کل دیا جائے گا۔ اس کے لا جواب ہونے کا اثر یہ ہوا کہ جن جاہل مسلمان کے اس جلسہ میں عیسائی ہونے کا اعلان کرنا طے ہوا تھا پادری کے اس عجز کو دیکھ کر اُس مسلمان نے بھی عیسائی بننے سے جواب دے دیا اور کہا کہ ”جب ان سوالوں کے جواب سے میرا دل مطمئن ہوگا تب دیکھا جائے گا۔“

اس پر مولانا کے ساتھی طلباء نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور اس پادری کو بڑی ذلت اور رسوائی کا سامنا کرنا پڑا۔

مرزا بشیر احمد قادیانی کو مناظرہ کا چیلنج | مرزا بشیر احمد قادیانی ایک مرتبہ سہارنپور آیا تو مولانا مرحوم اس سے گفتگو کرنے

کے لیے اس کی قیام گاہ پر پہنچ گئے۔ مولانا کی طرف سے ابھی مولوی غلام سرور مرزائی تبلیغ کے ذریعے ختم نبوت کے مسئلہ پر مناظرہ کا پیغام پہنچایا ہی جا رہا تھا کہ میاں بشیر صاحب بھی آگئے۔ اب ان کو براہ راست مناظرہ کے لیے آمادہ کر نیکی کوشش کی گئی مگر انہوں نے مناظرہ کرنے سے صاف انکار کر دیا اور کسی طرح مناظرہ کے لیے آمادہ نہیں ہوئے اس پر مولانا کے ہمراہی نعرہ تکبیر کے ساتھ ساتھ ختم نبوت زندہ باد، منکر ختم نبوت مردہ باد کہتے ہوئے ان کی قیام گاہ سے واپس آگئے۔

حیات مسیح پر مناظرہ | مدرسہ مظاہر العلوم کی ضرورت سے مولانا کا کوہنصری پر جانا ہوا۔ وہاں سہارنپور کے ایک تاجر قادیانی

ہو گئے تھے وہ مولانا سے کہنے لگے کہ مرزا غلام احمد قادیانی اپنے آپ کو مسیح موعود کہتے ہیں اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ مولانا نے فرمایا وہ غلط کہتے ہیں۔ مسیح موعود آسمان سے نازل ہوں گے وہ بطن مریم سے پیدا ہوئے تھے۔ اور آسمان پر اٹھالیے گئے تھے۔ مرزا غلام احمد مسیح موعود کیسے ہو سکتے ہیں؟ وہ کہنے لگے کہ عیسیٰ علیہ السلام توفیق ہو چکے ہیں آسمان پر نہیں ہیں۔ اور جس مسیح کے ظہور کا وعدہ حدیثوں میں آیا ہے وہ مثیل مسیح ہو گا۔ مولانا نے فرمایا یہ تاویل سراسر غلط ہے۔ کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر اٹھایا جانا قرآن سے بھی ثابت ہے اور احادیث متواترہ سے بھی ثابت ہے اور اُمت کا اس پر اجماع ہے۔ اس کے خلاف جو تاویل ہو گی وہ رد ہو گی۔ دیر تک گفتگو ہوئی جس پر وہ تاجر لاجواب ہو گئے۔

اہل حدیث سے گفتگو اور دُتروں کے قعدہ اولیٰ کا ثبوت

طالب علمی کے زمانہ میں ایک مرتبہ مولانا مرحوم بموقع تعطیل رمضان بنارس گئے وہاں عالمگیری مسجد

اور دیگر مقامات کو بھی دیکھا پھر بنارس سے موضع اعظم گڑھ جانا ہوا وہاں پر جن صاحب کے گھر قیام ہوا کانپور میں انہوں نے اپنے کو حنفی ظاہر کیا ہوا تھا مگر وہاں جا کر معلوم ہوا کہ وہ اہلحدیث ہیں۔ مولانا احسان کی مسجد میں اپنی نماز پڑھتے رہے ایک دن اتفاق سے حنفیوں کی مسجد میں تراویح ہو چکی تھی تو مولانا نے میزبان کے ساتھ اُن کی مسجد میں نماز عشاء پڑھ لی وہاں نماز عشاء دیر سے ہوتی تھی۔ یہ لوگ تراویح آٹھ رکعت پڑھتے ہیں۔ مولانا نے گھر پر آکر بقیہ تراویح پوری کر لی اور نماز وتر کا اعادہ کیا۔ کیونکہ یہ لوگ وتر میں درمیان کا قعدہ نہیں کرتے اُن کے مولوی صاحب نے دیکھ کر مولانا سے پوچھا کہ کیا ہمارے پیچھے آپ کا وتر صحیح نہیں ہوا؟ مولانا نے کہا آپ نے درمیانی قعدہ نہیں کیا اور ہمارے یہاں درمیانی قعدہ واجب ہے اس لیے میں نے وتر کا اعادہ کیا ہے وہ کہنے لگے کہ اس کے وجوب کی کیا دلیل ہے؟ مولانا نے کہا کہ صبح کو اس پر گفتگو ہوگی۔

صبح کو دیکھا گیا کہ میزبان نے ایک بڑی میز پر بہت سی کتابیں جمع کر دیں کہ وتر میں قعدہ کے وجوب کی دلیل بتلانے کے لیے جس کتاب کی ضرورت ہو وہ موجود ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ مجھے مسلم شریف دے دی جائے اس میں باب کیفیۃ الصلوۃ سے حضرت عائشہؓ کی روایت فی کل رکعتین التعمیۃ (ہر دو رکعت پر التحیات ہے۔ دکھلا کر مولانا نے فرمایا کہ جب ہر دو رکعت کے بعد التحیات کا ضروری ہونا اس حدیث سے ثابت ہے اور التحیات قیام میں نہیں ہو سکتی قعود ہی میں ہوتی ہے

تو اس سے ثابت ہو گیا کہ وتر کے اندر بھی دو رکعت کے بعد قعدہ واجب ہے۔ اور حنفیہ کا طریقہ وتر ہی صحیح ہے۔ بغیر دو رکعت پر قعدہ کئے تین رکعتیں مسلسل نہیں پڑھنی چاہیئے۔ وہ کہنے لگے کہ نسائی کی روایت یہ ہے۔ فلاں روایت میں ہے کہ مجلس الاف آئزھن (یعنی آپ نے وتر کی تین رکعات پڑھیں اور بیچ میں قعدہ نہیں کیا) مولانا نے جواب میں فرمایا کہ یہ سب احادیث فعلیہ ہیں اور جو حدیث میں نے حنفیہ کے استدلال میں پیش کی ہے وہ قوی ہے اور قول کو فعل پر ترجیح ہوتی ہے اس لیے حدیث قوی مقدم ہے۔ اس پر وہ بہت زچ ہوئے۔

مولانا اس سفر سے مقام بھون واپس آئے تو چونکہ حضرت حکیم الامتؒ کو وہاں کے احباب سے بذریعہ خطوط حالات معلوم ہو چکے تھے۔ اس لیے وہیسی پر حضرت تھانویؒ نے اس بات پر اظہارِ خوشنودی فرمایا کہ وہاں جمعہ کے دن مولانا نے تقریر بہت اچھی کی تھی۔

اطراف بنگال میں مواعظ | ڈھاکہ کے زمانہ قیام میں بھی مولانا کو اکثر اطراف بنگال سے وعظ و تقریر کے لیے

بلا یا جاتا تھا۔ بنگال کے مدارس عربیہ ہاٹ ہزاری وغیرہ کے سالانہ جلسوں میں بھی مدعو کیا جاتا تھا ہر جگہ مولانا مرحوم کے وعظ و تقریر کا خاص اثر ہوتا تھا اور عوام و خواص سب مستفید ہوتے تھے۔

ڈھاکہ یونیورسٹی میں تبلیغ | ڈھاکہ یونیورسٹی میں بھی بعض پروفیسر و باوجود مسلمان ہونے کے بعض عقائد اسلامیہ میں تذبذب کا شکار تھے۔ حضرت مولانا کی تبلیغ سے ان کی بھی بہت کچھ اصلاح ہوئی۔ اور

بعض ہندو پروفیسر جو تاریخ، فلسفہ اور سائنس پڑھاتے تھے۔ بعض دفعہ وہ تعلیمات اسلام پر اعتراضات کرتے تو طلباء کی شکایت پر حضرت مولانا اُن کے شبہات کو بھی تقریر کے ذریعہ رفع کیا کرتے تھے۔

برما کے سکولوں میں قرآن کریم کی لازمی تعلیم کی تجویز

رنگون سے تقریباً سو میل کے فاصلہ پر ٹانگو بستی میں آل برما ایجوکیشنل کانفرنس کا

سالانہ اجلاس منعقد ہونا طے پایا۔ اس کا سیکرٹری کانفرنس کے لیے چندہ جمع کرنے کے لیے رنگون آیا اور مولانا سے کانفرنس میں شرکت کی درخواست بھی کی۔ مولانا نے فرمایا کہ اگر کانفرنس میں یہ تجویز پاس کر دی جائے کہ مسلم اسکولوں میں قرآن کریم اور تعلیم الاسلام پڑھانا لازمی ہوگا تو اس کانفرنس میں چندہ دینا اور شرکت کرنا مفید ہے ورنہ کچھ فائدہ نہیں۔

سیکرٹری نے اس تجویز کے پاس کرانے کا وعدہ اس شرط پر کیا کہ اس کانفرنس میں شرکت کی جائے۔ چنانچہ مولانا مرحوم علیہ الرحمۃ برما کے چند دوسرے علماء اور بعض تاجروں کو اپنے ہمراہ لے کر کانفرنس میں شرکت کے لیے وہاں پہنچ گئے۔

پہلے تو صدر کانفرنس کے قرآن کریم کی تعلیمات کے بارے میں نازیبا الفاظ کہنے کی وجہ سے مولانا کو جلسہ سے اٹھ کھڑا ہونا پڑا۔ جس پر جلسہ تقریباً دو تہائی آدمی اٹھ کر جلسہ سے باہر آ گئے اور جلسہ وزہم، برہم ہو گیا۔ مگر بعد میں سیکرٹری کے سمجھانے سے صدر جلسہ نے اپنی غلطی کا اعتراف کر کے معافی چاہی اور مولانا مرحوم علیہ الرحمہ کی تجویز پیش ہوتے

ہی باتفاق رائے پاس ہو گئی۔ اس طرح حضرت مولانا مرحوم اور دوسرے علمائے حق کی کوششوں کی بدولت برما میں اسکولوں میں طلباء کے لیے قرآن اور دینیات کی تعلیم کی تجویز پاس ہو گئی۔

حضرت تھانویؒ کے مواعظ کو ضبط تحریر میں لانا | اس طرح زبانی مولعظ کے ذریعے تبلیغ

احکام کے علاوہ مولانا مرحوم رحمۃ اللہ علیہ کا ایک بہت بڑا تبلیغی کارنامہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے صدہا مواعظ کو ضبط تحریر میں لانا اور قلمبند کرنا ہے جن سے مخلوق خدا کی بہت بڑی تعداد آج تک فیض یاب ہو رہی ہے اور ہزاروں گم گشتہ راہ لوگوں نے ان سے راہ ہدایت اور رہنمائی حاصل کی ہے۔ مولانا مرحوم علیہ الرحمۃ کے لکھے ہوئے ان مواعظ کی صحیح تعداد کا معلوم کرنا تو بہت دشوار ہے مگر اتنی بات یقینی ہے کہ ان کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے۔

تبلیغ مواعظ | حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ کے سلسلہ میں

دوسرا کام حضرت مولانا مرحوم نے مواعظ کی تبیین اور دوسرے حضرات کے لکھے ہوئے مواعظ کے مسودات کو صحت کرنے کی خدمت کا انجام دیا ہے۔ چنانچہ جب حاجی محمد یوسف صاحب رنگونی کی درخواست پر تبیض و وعظ کا انتظام کیا گیا تو اس کام کے لیے مولانا کا انتخاب کرتے ہوئے حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا کو ”احسن الکاتبین“ کے لقب سے نوازا تھا الفاظ یہ تھے:

”غور و مشورہ کے بعد مولوی ظفر احمد سلمہ کو جو یہاں کی جماعت میں

اس وقت احسن الکاتبین ہیں تجویز کیا گیا۔“

(النور رجب وشعبان ۱۳۴۳ھ)

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ کی تحریر و تبییض اور ان کو ضبط تحریر میں لانے کی یہ خدمت مولانا مرحومؒ نے جس حسن و خوبی کے ساتھ انجام دی اُس کو ان مواعظ کے پڑھنے والے ہی اچھی طرح محسوس کر سکتے ہیں کیونکہ حضرت مولانا مرحومؒ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے مواعظ کو صرف ضبط تحریر ہی میں نہیں لاتے بلکہ ساتھ ساتھ ان کے اجمال کی تشریح اور تفصیل بھی کہتے جاتے ہیں اور پیدا ہونے والے شبہات کو بھی حضرت تھانویؒ کی خدمت عالیہ میں پیش کر کے حل کر دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ حواشی میں جا بجا دقیق و عمیق تحقیقات علمیہ اور سوال و جواب کا جو اضافہ کیا گیا ہے وہ مولانا کا بڑا قابل قدر کارنامہ ہے۔

غرض حضرت مولانا نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے مواعظ کی تشریح و توضیح کے سلسلہ میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے علوم کے شارح و مفسر کے منصب جلیلہ کی ذمہ داری کا پورا پورا حق ادا فرمایا ہے۔ اور اس طرح آپ کی یہ خصوصی حیثیت بھی نمایاں ہوتی ہے کہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم ظاہری و باطنی کے آپ ہی بہترین شارح و مفسر تھے۔ اور آپ کے علوم و معارف کو دوسروں تک پہنچانے اور ان کی اشاعت عام میں مولانا مرحومؒ رحمۃ اللہ علیہ نے جو گراں قدر خدمات انجام دی ہیں وہ صرف آپ ہی کا حصہ تھیں۔

مسئلہ سود پر گفتگو | مولانا ظفر علی خاں ایڈیٹر ”زمیندار“ جس زمانے میں رنگون گئے اور ان کی تقریر سواتی جامع مسجد میں ہوئی۔ تقریر

کے درمیان میں انہوں نے مسئلہ سود بھی چھیڑ دیا اور علمائے کرام کو اس مسئلہ پر غور کرنے کے لیے کہا کہ ”امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دار الحرب میں کفار سے سود لینا جائز ہے۔ تو کیوں نہ اس پر فتوے دیا جائے؟“ تقریر سے فارغ ہو کر وہ اپنی قیام گاہ پر پہنچے۔ کھانے پر مولانا مرحوم بھی مدعو تھے اس لیے مولانا بھی قیام گاہ پر پہنچ گئے۔ اس وقت بڑے سیٹھوں کا مجمع تھا وہ بھی کھانے پر مدعو تھے۔ مولانا مرحوم نے اس وقت مسئلہ سود پر گفتگو مناسب سمجھی۔ مولانا ظفر احمد خاں کو مخاطب فرما کر مولانا نے فرمایا:

”میں اس وقت دلائل سے بحث نہیں کروں گا۔ واقعات سے سود کی بُرائی ثابت کروں گا۔ یہ رنگون کے تاجر آپ کے سامنے موجود ہیں ان سے معلوم کر لیا جائے کہ ایک سال رنگون کے بازار میں آگ لگی بہت سی دکانیں جل کر راکھ ہو گئیں جب ایک دین دار سیٹھ کی دکان کے پاس آگ پہنچی تو ان کے لڑکے اور ملازمین سب دوڑے ہوئے سیٹھ کے پاس گئے وہ اس وقت نماز کے لیے مسجد میں گئے ہوئے تھے ان سے کہا بازار میں آگ لگ گئی ہے اور آپ کی دکان کے پاس پہنچ گئی ہے۔ جلدی چلیے۔ سیٹھ نے بڑے اطمینان سے کہا میں نہ سود لیتا ہوں اور نہ دیتا ہوں اور ہر سال زکوٰۃ برابر دیتا ہوں بے فکر رہو۔ انشاء اللہ تعالیٰ میری دکان میں آگ نہ لگے گی۔“

ملازمین واپس آئے تو دیکھا کہ واقعی ان کی دکان کو چھوڑ کر آگ دوسری دکانوں میں لگ گئی ہے اور دونوں طرف دکانیں جل رہی تھیں مگر ان کی دکان محفوظ تھی۔

**ایک دوسرا واقعہ** | دوسرا واقعہ یہ ہے کہ رنگون میں بڑی شیرز کمپنیاں دوہیں ایک سو رتی بڑا بازار ہے جس کا کاروبار سودی نہیں ہے دکانیں اور مکانات بناتا ہے اور کرائے پر دیتا ہے۔ شیر پچیس روپے کا ہے منافع اس وقت دس روپیہ ماہوار ہے۔ اب اس نے شیرز کی فروخت بند کر دی ہے جو شیرز لینا چاہے وہ پہلے شیرز ہولڈر سے شیرز خریدتا ہے۔ آج پچیس روپے کے شیرز کی قیمت اڑھائی ہزار روپیہ سے بھی اُدپہ ہے۔

دوسری آراء ٹی کمپنی ہے جس کا شیرز دس روپے کا ہے اور منافع سالانہ ایک روپیہ ہے اور کبھی بارہ آنے ہو جاتا ہے اور شیرز کی قیمت وہی دس روپے ہے۔ سواتی بڑے بازار کے جس شیرز ہولڈر کے پانچ سو شیرز تھے آج وہ لکھ پتی ہے اور آراء ٹی کمپنی کے شیرز ہولڈر کے پاس اگر پانچ سو شیرز ہیں وہ ہزار پتی سے اُدپہ نہیں کیونکہ اس کا کاروبار سودی ہے۔ پھر آپ تو صحافی ہیں۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ آج دنیا کی اقتصادی حالت کے خراب ہونے اور اشیاء کے گراں ہونے کا بڑا سبب امریکہ کا سود ہے۔ دنیا کی ساری حکومتیں امریکہ کی مقروض ہیں اور اس کو سود دیتی رہتی ہیں۔ جس کی وجہ سے ہر حکومت کی معیشت پر بڑا بار ہے اسی لیے گرانی بڑھتی ہے۔ تاریخ اسلام شاہد ہے کہ جب مسلمانوں کا عروج تھا اس وقت مسلمان سودی کا وہاں

نہیں کرتے تھے۔ بلکہ شرکت مضاربہ سے کاروبار کرتے تھے۔ اور اس میں اتنی برکت تھی کہ آج کل اس کی نظیر ملنا محال نہیں ہے تو دشوار ضرور ہے۔

ایک تاریخی واقعہ | تاریخی واقعہ ہے کہ بغداد سے ایک تاجر بہت سے جہاز لے کر تجارت کو چلا تو اس کے دوستوں

اور قریب داروں نے اپنا اپنا مال بھی اس کو دے دیا کہ اس کو بھی اپنی تجارت میں شامل کر لو اور جو منافع ہو گا وہ آدھوں آدھا تقسیم کر لیا جائے گا۔

اس وقت ایک بڑھیا بھی کھڑی تھی جو اس تاجر کی قرابت دار تھی۔ تاجر نے ہنس کر کہا کہ اماں تم بھی کچھ تجارت میں لگا دو۔ اس نے پوچھا کتنا نفع ہونے کی امید ہے؟ اس نے کہا کہ ہر چھ مہینے میں دو گنا ہو جانے کی امید ہے۔ اُس بڑھیا نے ایک روپیہ نکال کر دے دیا کہ میری طرف سے یہ لگا دینا۔

تاجر نے روپیہ جیب میں ڈال لیا۔ بارہ سال کے بعد واپس آیا اور سب لوگوں کا حساب کر دیا۔ بڑھیا بھی پہنچی تو اُس نے اپنے منشی سے کہا کہ:

” بڑی بی کو پانچ ہزار روپیہ دے دو “

بڑھیا نے کہا: ”یوں نہیں تو حساب سے لوں گی۔ حساب کر کے

میرا نفع دو“ تاجر نے منشی سے کہا:

” ان کو ڈھائی لاکھ روپیہ دے دو “

بڑھیا خوش ہو کر چلی گئی۔ منشی نے کہا ”آپ نے بڑی بی کو بہت دیدیا۔  
 تاجر نے کہا ”میں نے اُس کا روپیہ تجارت میں لگایا نہیں تھا، دوسری جیب میں  
 پڑا رہا۔ اگر تجارت میں لگاتا تو حساب سے اس کا حق اس سے بھی  
 زیادہ ہوتا۔

کیا آج اس کی نظیر مل سکتی ہے کہ ایک روپیہ سے بارہ سال میں  
 اڑھائی لاکھ روپے نفع ہو جائے۔ یہ اربع شریعت کی برکت تھی اور  
 سود سے بچنے کی۔

ظفر علی خاں صاحب نے مولانا مرحوم کی اس گفتگو کے بعد اپنی اگلی تقریر  
 میں اعتراف کیا کہ مسلمانوں کو سود سے بچنا چاہیے اور شریعت کے موافق  
 شرکت مضاربہ کرنا چاہیے۔

(انوار النظر ص )



## باب پنجم

### مولانا مرحوم کی اصلاحات

حضرت مولانا مرحوم نے اپنے طویل تعلیمی تجربے اور مدت تک اصلاحی اور تبلیغی کام کرنے کے بعد ایک ماہر تعلیم و تبلیغ کی حیثیت سے تعلیمی اور تبلیغی شعبوں میں کام کرنے والوں کے لیے بعض مفید اور کامد اصلاحات اور مشورے بھی دیئے ہیں۔ اگر ان اصلاحات اور مشوروں کو پیش نظر رکھا جائے تو امید ہے کہ مدارس دینیہ اور تبلیغی اداروں کے فوائد اور ثمرات موجودہ حالت کی نسبت سے کہیں زیادہ بہتر صورت میں برآمد ہو سکتے ہیں اور جس طرح ان اصلاحات کو مد نظر رکھ کر اور ان پر عمل پیرا ہو کر تعلیمی اداروں سے عمدہ اور قابل رجال کا ر یعنی اچھے مدرس و مبلغ اور ماہر مفتی اور لائق مصنف ہیا ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح اصلاح معاشرہ کے لیے عمومی کام کرنے والوں کے کام کا فائدہ بھی زیادہ مفید صورت میں سامنے آ سکتا ہے۔ ذیل میں حضرت مولانا مرحوم کی تعلیمی اور تبلیغی شعبوں میں اصلاحات کا مختصر طور پر ذکر کیا جاتا ہے۔

**تعلیمی اصلاحات** | حضرت مولانا مرحوم کے نزدیک علوم شرعیہ میں قابلیت و مہارت پیدا کرنے کے لیے مدارس عربیہ میں مروجہ درس نظامی بہت کافی ہے اس لیے اس نصاب میں کوئی تبدیلی کرنے کی بجائے مدارس عربیہ کے موجودہ طریقہ تعلیم کو بدلنے کی ضرورت پر حضرت مولانا

زیادہ زور دیا کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا مرحوم کی اصلاحات کا خلاصہ درج ذیل ہے :-

۱۔ علم ادب کی کتابوں کو کافیہ اور شرح جامی کے بعد ہی پڑھا جایا کرے۔  
ادب عربی کی کتابوں کو درس نظامی کے آخر میں پڑھانے کا جو دستور ہو گیا ہے یہ اچھا نہیں اس لیے کہ عربی زبان پر حاوی ہونا کتب فقہ اور تفسیر و حدیث کی کتابیں پڑھنے سے پہلے ضروری ہے۔

۲۔ علم ادب پڑھانے کے ساتھ اردو کی عربی، عربی کی اردو بنانے کی مشق بھی کرائی ضروری ہے۔

۳۔ فقہ کی کتابوں کی تعلیم کے ساتھ فتوے نویسی کی اور علم حدیث پڑھانے کے ساتھ طلبہ کو وعظ و تبلیغ کی مشق بھی کرائی جائے۔

۴۔ علم منطق اور فلسفہ کی کتابیں زیادہ پڑھانے کی ضرورت نہیں ہے ان کی اتنی مقدار پڑھائی جائے جس سے متقدمین کے علم کلام کو سمجھنے کے لیے قابلیت پیدا ہو جائے کیونکہ متقدمین کے علم کلام کو پڑھنا ضروری ہے اس میں فلسفہ یونان کا رد کیا گیا ہے اور منطقی اصلاحات سے بہت کام لیا گیا ہے اس لیے کسی قدر منطق و فلسفہ قدیم سے واقف ہونا ضروری ہے البتہ منطق و فلسفہ کی زائد کتابیں حذف کر کے علم تفسیر اور علم تاریخ کی کتابوں کا اضافہ کیا جانا چاہیے۔

۵۔ قرآن کریم کا ترجمہ جلالین سے پہلے ضرور پڑھایا جائے۔

۶۔ چونکہ سرکاری مدارس کی تعلیم سے دینی منافع کا حاصل کرنا مقصود ہے اگر درس نظامی کے ساتھ طلبہ کو سرکاری مدارس کی تعلیم بھی دی جائے

تو تجربہ ہے کہ وہ درس نظامی پر توجہ نہیں کرتے۔ مدرسہ عالیہ اور  
ڈھاکہ یونیورسٹی میں اس کا تجربہ ہو چکا ہے اس لیے درس نظامی  
پڑھانے کے زمانہ میں انگریزی کی تعلیم نہ دی جائے۔ البتہ درس  
نظامی سے فارغ ہونے کے بعد جو طلباء سرکاری تعلیم حاصل کرنا  
چاہیں حاصل کر لیں۔ اگرچہ تجربہ یہ ہے کہ بعد میں سرکاری امتحان دینے  
والے بھی علوم شرعیہ میں ترقی نہیں کرتے۔ الا ماشاء اللہ اکثر وہ بھی  
سرکاری مدارس کے چکر میں ہی رہتے ہیں اور اس طرح ان کا علمی نفع  
محدود اور علمی ترقی بند ہو جاتی ہے۔

۷۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں ”بغیر تدیس کے علم  
مستحکم نہیں ہوتا۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ قاضی کو بھی چاہیے کہ عہدہ  
قضا کے ساتھ درس و تدیس کا سلسلہ جاری رکھے تاکہ علم پیختہ  
ہو جائے“ (انوار النظر)

۸۔ مشکوٰۃ شریف کے طلباء اور حضرات مدسین کے لیے حضرت مولانا مرحوم  
کا ایک مفید مشورہ یہ بھی تھا کہ مشکوٰۃ شریف کے ہر باب کے ساتھ  
بطور فصل راجع کے اعلاء السنن کے متن سے لے کر احادیث مؤیدہ  
حنفیہ کو جمع کر کے ان کو سبقاً سبقاً پڑھایا جائے۔ اس طرح  
مشکوٰۃ شریف پڑھنے والے طلباء کو ہر بات میں حنفیہ کے دلائل  
کا بھی ساتھ ساتھ علم ہوتا رہے گا اور احادیث متن کی شرح کو  
حضرات علماء مدسین اعلاء السنن سے معلوم کر سکتے ہیں۔ اعلاء السنن  
سے طلباء اور علماء کے لیے استفادہ کرنے اور اس سے فائدہ کو

عام کرنے کی یہ بہترین صورت ہے اُمید ہے کہ ارباب مدارس عربیہ اس پر توجہ فرمائیں گے۔

۹۔ حضرت مولانا مرحوم کا خیال تھا کہ دلائل حدیثیہ کے بعد دلائل قرآنیہ جمع ہو جائیں اور اس کے بعد مسائل اجماعیہ بھی جمع ہو جائیں تو مذہب حنفی میں قیاسی مسائل کی تعداد بہت کم رہ جاتی ہے اور محدث ابن المنذر کی کتاب الاثرات طبع ہو جائے تو مسائل اجماعیہ کا بڑا ذخیرہ جمع ہو جائے گا ورنہ المغنی لابن ابی قدامہ سے ہر بات میں مسائل اجماعیہ معلوم ہو سکتے ہیں۔“

ذیل میں مولانا کے مضمون ”دینی مدارس کے انحطاط کے اسباب“ سے چند اقتباسات درج کئے جاتے ہیں :

۱۰۔ افسوس کہ اب مذہبی قومی مدارس عربیہ کے طلبہ بھی مولوی فاضل پاس کرنے اور سکولوں کالجوں میں معلم دینیات بننے کے لیے علم حاصل کرتے ہیں۔ علم کو علم کے لیے اور اللہ کی رضا کے لیے علم حاصل کرنے والے کم ہیں۔“

۱۱۔ ”العلم لا یعطیٰ بحضہ حتیٰ تعطیہ کلک“ ”آج کل طلبہ میں یہ جذبہ نہیں رہا۔ زیادہ وقت فضول قصوں میں ضائع کرتے ہیں اور مطالعہ تکرار اور کتب بینی بہت کم ہے۔“

۱۲۔ ہمارے بزرگوں کو طلباء کی صرف درسی تعلیم کا اہتمام نہ تھا بلکہ دینی و اخلاقی اصلاح کا بھی اہتمام تھا۔ بزرگوں کو اس کا اہتمام ہو طلبہ اہل اللہ کی زیارت و صحبت سے مستفید ہوں۔ طلبہ ایام تعطیل

رمضان وغیرہ میں کسی اہل اللہ کی صحبت میں گزاریں۔ آج کل طلبہ نے صحبت اولیاء اللہ کا اہتمام چھوڑ دیا۔

۱۳۔ ہمارے اسلاف طلبہ کو محض درس دے کر نہیں چھوڑتے تھے بلکہ ایک وقت ان کی نصیحت و اصلاح کا بھی مقرر کرتے تھے کہ اس وقت طلبہ اپنے اساتذہ کے ملفوظات سے مستفید ہوں یا ان کے ارشاد سے بزرگوں کے مواعظ و ملفوظات ان کے سامنے پڑھیں۔“

(۲۸ رجب ۱۳۹۱ھ البلاغ ماہ شوال ۱۳۹۱ھ)

**تبلیغی اصلاحات** | عمومی اصلاح معاشرہ کے لیے حضرت مولانا مرحوم کے نزدیک جماعت تبلیغی میں شامل ہونا بہتر اور مفید ہے۔

جیسا کہ انوار النظر میں فرمایا ہے کہ ”اصلاح معاشرہ کے لیے میرے نزدیک جماعت تبلیغی میں شامل ہونا بہت مفید ہے (انوار النظر میں اپنے اس خیال کا اظہار فرمانے کے علاوہ حضرت مولانا نے اپنے شجرہ طیبہ میں بھی اس جماعت کے بارے میں حسب ذیل الفاظ میں اپنے متوسلین کو نصیحت فرمائی ہے :-

”جماعت تبلیغی جس کامرکنہ نظام الدین دہلی ہے بہترین جماعت ہے بشرطیکہ اصول کے موافق خلوص سے کام کرتی رہے۔ میرے سفرنامہ مجاز حقہ دوم میں اس جماعت کے کام کی تفصیل اور اس کا تعارف اچھی طرح کر دیا گیا ہے اور جن خامیوں پر تنبیہ کی ضرورت تھی ان پر تنبیہ بھی کر دی گئی ہے۔ یہ مضمون لاہور کی کسی جماعت نے مستقل بھی شائع کر دیا ہے۔ اسکو دیکھ لیا جائے اور اس جماعت کے ساتھ مل کر کام کیا جائے۔

(شجرہ طیبہ ص ۴۵ و ص ۴۶)

مگر تبلیغی جماعت میں شامل ہونے اور اس کے ساتھ مل کر کام کرنے  
 ہی کو اصلاح کے لیے حضرت مولانا نے کبھی کافی نہیں سمجھا اور اسی پر اکتفا کرنے کی  
 ہدایت نہیں فرمائی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ کسی عالم و عارف کی صحبت کو بھی  
 ضروری قرار دیا ہے۔ جیسا کہ مولانا مرحومؒ نے اپنی خود نوشت سوانح ”انوار النظر“  
 میں تحریر فرمایا ہے کہ ”کسی اہل دل عالم عارف کی صحبت میں گاہے گاہے  
 حاضر ہونا بھی ضروری ہے“

ایک مرتبہ ہارن آباد سے ایک صاحب نے اپنے خط میں تبلیغی جماعت  
 کے بعض تشدد حضرات کی شکایت حضرت مولانا سے کی تو حضرت مولانا نے تبلیغی  
 جماعت کے سرپرست ہونے کی حیثیت سے اس جماعت کے بعض لوگوں کے  
 غلو اور تشدد نیز جماعت کی قابل اصلاح غلطیوں پر ان الفاظ میں تنبیہ فرمائی۔  
 ”میں نے اپنے سفر نامہ حجاز حصہ دوم میں تبلیغی جماعت کی بعض غلطیوں  
 پر تنبیہ کر دی ہے۔ ان میں سے یہ بھی ہے کہ چلہ وغیرہ پر زور دینا  
 غلو اور تشدد ہے۔ (البلاغ)

مذکورہ شکایت نامہ میں جماعت تبلیغ کے اس طرز عمل کا ذکر کیا گیا تھا  
 کہ حقوق العباد میں کوتاہی اور حتی نفعی کا خطرہ ہونے بلکہ بعض اوقات فوت  
 ہونے کے باوجود چلہ دینے اور باہر جانے کے لیے زور دیا جاتا ہے  
 اور بیوی بچوں کے حقوق واجبہ نان نفقہ کی پرواہ کئے بغیر چلہ دینے پر مجبور  
 کیا جاتا ہے تو حضرت مولانا مرحومؒ نے جماعت کے اس طرز عمل کو غلو اور تشدد  
 سے تعبیر کیا مگر اس کے ساتھ ہی آپ کی حد درجہ محتاط اور انصاف پسند  
 طبیعت نے پوری جماعت کی طرف اس غلو اور تشدد کو منسوب نہیں فرمایا اور

یہ فرما کر کہ ”بہر حال سب لوگ ایسی غلطی نہیں کرتے بلکہ جماعت کے سرپرست ایسی غلطیوں کی اصلاح کرتے رہتے ہیں عوام کا اعتبار نہیں“ (البلاغ)

جماعت کی طرف سے حتیٰ دفاع ادا فرمادیا اور پوری جماعت کی طرف اس غلو اور تشدد کے انتساب کی نفی فرمادی۔ حضرت مولانا مرحوم نے اسی طرح حضرت حکیم الامت تھانویؒ کو بھی تبلیغی جماعت کے بارے میں اطمینان دلانے کی کوشش فرمائی تھی جس کا ذکر مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اپنی کتاب ”حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت میں اس طرح کیا ہے :-

”مولانا تھانویؒ کو ایک بے اطمینانی یہ تھی کہ علم کے بغیر یہ لوگ فریضہ تبلیغ کیسے انجام دے سکیں گے؛ لیکن جب مولانا ظفر احمد صاحب نے بتایا کہ یہ مبلغین ان چیزوں کے سوا جن کا ان کو حکم ہے اور کسی چیز کا ذکر نہیں کرتے تو مولانا کو مزید اطمینان ہوا۔ (ص ۱۰۹)

لیکن اگر کسی وقت یہ جماعت اپنے اصولوں سے ہٹ جائے اور ان خامیوں کی اصلاح کی طرف بھی توجہ نہ دے جن پر اس کو متنبہ کیا گیا ہے تو پھر اس سے وہ مقاصد اور فوائد کیسے حاصل کئے جاسکتے ہیں جن کا تذکرہ مولانا مرحوم نے اپنی تحریروں میں فرمایا ہے اسی طرح جب یہ جماعت اور اس کے مبلغین تبلیغ کے بنیادی امور کے علاوہ جن کا ان کو حکم دیا جاتا ہے دوسری چیزوں کا ذکر کرنے لگیں تو حضرت تھانویؒ کو جس بنیاد پر جماعت اور اہل جماعت پر اطمینان حاصل ہوا تھا وہ بنیاد ہی منہدم ہو جاتی ہے جیسا کہ آج کل بکثرت دیکھنے میں آ رہا ہے کہ گشت کرنے والی عام جماعتوں نے اس اصول کو بالائے طاق رکھ دیا ہے اور کم علم مبلغین اور عمر آدھری کی

غیر متعلق باتیں اور قصے کہانیاں بیان کرتے رہتے ہیں اور اکثر دہلیشتراپنے علم کی حد سے گزر جاتے ہیں چنانچہ جماعت کے سربراہ اور وہ حضرات کو بھی اس کا احساس ہے اور حضرت مولانا کے اس ارشاد گرامی کی تائید کہ ”جماعت کے سرپرست ان غلطیوں کی اصلاح کرتے رہتے ہیں“ اس سے بھی ہوتی ہے کہ جماعت تبلیغ کے موجودہ سرپرست حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد ذکریا صاحب کاندھلوی مدظلہ نے بھی اپنی کتاب ”جماعت تبلیغی پر اعتراضات کے جوابات میں“ بعض افراد جماعت کی ایسی غلطیوں پر جا بجا تنبیہ فرمائی ہے چنانچہ آپ مقرض کو چلہ پر جانے کی اجازت نہیں دیتے اور لکھتے ہیں :

”جو لوگ اپنے مقرض ہونے کا عذر کرتے ہیں اگرچہ یہ ناکارہ خود کبھی ایسے لوگوں کو جو مقرض ہوں یا قرض لے کہ جائیں جانے کی اجازت نہیں دیتا تا وقتیکہ ادائیگی قرض کا کوئی بااعتماد ذریعہ معلوم نہ ہو جائے“ (ص ۱۲۷)

ایک صاحب کے خط کے جواب میں حضرت شیخ نے تحریر فرمایا :  
 ”آپ نے جو حالات لکھے ان کے لحاظ سے میرے نزدیک چلہ پر جانا ہرگز مناسب نہیں بلکہ گھروالوں کی معاشی خبر گیری اور قرض والوں کا قرض ادا کرنا بہت ضروری ہے“ (ص ۱۲۹)

اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ حضرت شیخ الحدیث کے نزدیک حقوق العباد کی ادائیگی تبلیغی چلہ میں جانے سے اہم اور مقدم ہے اگے چلکر آپ نے بالکل واضح طور پر لکھ دیا ہے کہ :  
 ”مجھے دو چیزوں میں خاصی قلمب ہے ایک یہ کہ جن کے ذمہ حقوق العباد

ہوں وہ مقدم ہیں۔ دوسرے یہ جو کسی شیخ سے منسلک ہوں اور شیخ کی طرف سے مانعت ہو وہ ہرگز بغیر اجازت کے شریک نہ ہوں۔ (ص ۱۳۵)

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں :-

”یہ ناکارہ تو والد صاحب کی اجازت کے بغیر جانے کی اجازت نہیں دیتا“ (ص ۱۲۵)

حضرت شیخ کے ارشادات گرامی کی روشنی میں دینی درسگاہوں سے منسلک مدرسین و طلباء کے لیے بھی واضح ہدایت موجود ہے کہ دینی درسگاہ یا استاد کی طرف سے اجازت نہ ہو تو ہرگز چلہ میں شریک نہیں ہونا چاہیے۔ اب جو لوگ گھر والوں کی معاش یا اداء قرض کا انتظام کئے بغیر بلکہ قرض لے کر چلہ دینے کی ترغیب دیتے ہیں اور خانقاہوں یا دینی درس گاہوں کے اندر ذکر و شغل میں مصروف اور تعلیم و تعلم میں مشغول ذاکرین و طالبین کو اپنے دینی مشاغل ترک یا مؤخر کر کے چلہ میں لے جانے پر زور دیتے ہیں ایسے لوگ یقیناً جماعت کے سرپرستوں کی مرضی اور منشاء کی صراحتاً خلاف ورزی کے مرتکب ہوتے ہیں۔

اسی طرح مولانا منظور احمد نعمانی نے بھی تبلیغی جماعت کے اس طرز عمل کو کہ ہر کس و ناکس کو بات کرنے کے لیے کھڑا کر دیا جاتا ہے فکرمذکورہ کے لائق قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں :-

”یہ غلطی عام طور پر ہوتی ہے کہ عام مجموعوں میں ایسے لوگوں کو بات کرنے کے لیے کھڑا کر دیا جاتا ہے جو اس کے اہل نہیں ہوتے بلکہ اس کام سے اچھی طرح واقف بھی نہیں ہوتے اور وہ بات کرنے میں اپنے علم کی حد کی پابندی

بھی نہیں کہتے۔ واقعہ یہی ہے کہ ایسی غلطیاں بکثرت ہوتی ہیں اور یہ بات کام کے ذمہ داروں کے لیے بلاشبہ بہت فکر و توجہ کے لائق ہے۔

(تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات ص ۲۱۶)

غرض حضرت مولانا مہتمم نے جماعت تبلیغی کے ساتھ وابستہ لوگوں اور معترضین دونوں گروہوں کو راہ اعتدال و توازن پر گامزن رہنے کی تلقین کیا۔ فرض ادا کر نیچے سمیت جماعت کے قابل اصلاح پہلوؤں کو بھی نظر انداز نہیں ہونے دیا اور اس کے افادی پہلو سے بھی صرف نظر نہیں فرمایا۔

**تبلیغ عام** | مسلمانوں پر تبلیغ عام کا ضروری ہونا ثابت کرتے ہوئے ایک مقام پر مولانا تحریر فرماتے ہیں کہ :-

”تبلیغ احکام صرف علماء ہی کے ذمہ نہیں بلکہ ہر مسلمان کے ذمہ ہے جس شخص کو جتنا علم جس کام کا حاصل ہے اُس کو دوسروں تک پہنچانا اس کے ذمہ فرض ہے اسی طرح جن کاموں کا گناہ ہونا معلوم ہے اُن کا گناہ ہونا اس شخص کو بتلایا جائے جو ان میں مبتلا ہے“ (زحمت القدس)

لیکن علماء اور عوام کی تبلیغ کا طریقہ ایک ہی طرح کا نہیں ہے اور علماء کی طرح ہر شخص کو وعظ کہنے کے لیے کھڑا کر دینے کا طریقہ قابل اصلاح ہے حضرت مولانا تحریر فرماتے ہیں :-

”البتہ عام لوگوں کو وعظ کی صورت سے تبلیغ نہ کرنا چاہیے کہ یہ منصب اہل علم کا ہے۔ جاہل جب وعظ کہنا شروع کرتا ہے تو غلط یا صحیح جو زبان پر آتا ہے کہہ جاتا ہے جس سے گمراہی کا اندیشہ ہے اس لیے عوام کو وعظ نہ کہنا چاہیے بلکہ گفت و شنید اور نصیحت کے طور پر ایک دوسرے کو ضروری احکام سے مطلع کرنا

کرنا چاہیے کیونکہ تبلیغ احکام فرض بھی ہے اور اس کو اصلاح حال میں بھی  
بڑا دخل ہے۔“ (رحمت القدوس ص ۲۹۳)

مجلس صیانتہ المسلمین | حضرت مولانا مرحومؒ نے اصلاح معاشرہ کے لیے  
تبلیغی جماعت کو جس طرح مفید سمجھا ہے اسی طرح

حضرت حکیم الامتؒ تھانویؒ کی منظور نظر مجلس صیانتہ المسلمین سے بھی حضرت مولانا  
کو دلی لگاؤ اور قلبی تعلق رہا ہے اور اپنی اس دلی وابستگی کا اظہار بھی حضرت  
مولانا ہمیشہ فرماتے رہا کہ تہمتیں چنانچہ ایک والا نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:-  
”مجلس صیانتہ المسلمین سے مجھے قلبی تعلق ہے حکیم الامتؒ قدس سرہ کے  
بتائے ہوئے نسخے سب نسخوں سے زیادہ مفید اور موثر ہیں ضرورت ہے کہ  
حضرت حکیم الامتؒ کے خلفاء اور متوسلین ان پر عمل پیرا ہوں۔“

(مجلس صیانتہ المسلمین ممتاز علماء کی نظر میں ص ۱)

مجلس صیانتہ المسلمین کی جامعیت | مجلس صیانتہ المسلمین کا نظام عمل  
چونکہ پوری شریعت پر حاوی ہے

اور جامع ہے جیسا کہ اس کے نظام عمل کے دیکھنے سے واضح ہے اس لیے  
اس مجلس کی برتری اور جامعیت کا اظہار بھی مولانا مرحومؒ نے وضاحت کے ساتھ  
فرما دیا ہے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:-

”آخر میں یہ ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ اس مجلس کو اس تبلیغ سے جس کا  
مرکز ہندوستان میں نظام الدین دہلی اور پاکستان میں رائے دند ہے پورا  
اتفاق اور تعاون حاصل ہے کیونکہ دونوں کا مقصد خدمت اسلام اور اصلاح  
مسلمین ہے۔ صرف طریق کار کا فرق ہے۔ پہلی تبلیغ چند اصول پر منحصر ہے اور

صیانتہ المسلمین پوری شریعت پر حاوی ہے۔ جیسا کہ صیانتہ المسلمین کے مطالعہ سے ظاہر ہے۔ صیانتہ المسلمین میں پہلی تبلیغ کے اصول بھی شامل ہیں جیسا کہ تفہیم المسلمین سے بخوبی معلوم ہو جائے گا۔ (انوار النظر)

حضرت مولانا مرحومؒ نے دونوں جماعتوں میں طریق کار کے فرق و اختلاف کے پائے جانے کے باوجود ان کے اتحاد مقصد یعنی خدمت اسلام اور اصلاح مسلمین پر نظر فرماتے ہوئے دونوں جماعتوں کے اندر پورے اتفاق اور تعاون کا اظہار فرما کر درحقیقت دونوں جماعتوں میں کام کرنے والوں کو اصل مقصد خدمت اسلام اور اصلاح مسلمین کو پیش نظر رکھنے اور آپس میں متحد اور متفق ہو کر کام کرنے کی تلقین اور ایک کو دوسری کے ساتھ وابستہ ہونے کا سبق دیا ہے اور اس کے ساتھ ہی دونوں جماعتوں کی افادیت اور حیثیت پر تبصرہ فرما کر دونوں جماعتوں کے بنیادی اور جوہری فرق کو بھی واضح فرمادیا۔ ان دونوں کے کام میں جہد اور کل کی نسبت ہے۔ پہلی تبلیغ چند اصول میں منحصر ہونے کی وجہ سے جزوی امور اور محدود اصولوں کی تبلیغ ہے اور صیانتہ المسلمین کیونکہ پوری شریعت پر حاوی ہے اس وجہ سے اس کا نظام جامع اور کلی ہے اور ظاہر ہے کہ محدود اور جزوی امور کی تبلیغ خواہ کتنے ہی وسیع طریقہ اور ہمہ گیر انداز پر کی جائے پھر بھی اس کا نفع عام ہونے کے باوجود تام نہیں ہو سکتا۔ بلکہ محدود اور ناقص ہی رہے گا بخلاف جامع طرز تبلیغ کے کہ وہ اگرچہ محدود حلقے میں کیوں نہ ہو اسکا فائدہ اور نفع عام ہوگا۔ مقصد یہ ہے کہ پہلی تبلیغ کا نفع عام ہے تام نہیں۔ اور صیانتہ المسلمین کا نفع عام ہے گو عام نہ ہو۔ اور اگر اس پر پوری طرح توجہ دی جائے تو اس کو

عام بھی کیا جاسکتا ہے۔

مجلس دعوة الحق | انوار النظر میں اس جگہ حیات المسلمین اور تفہیم المسلمین کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ مگر رحمۃ القدوس میں حضرت مولانا مرحوم نے

تبلیغ کی ضرورت اور اس کے نظام عمل سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے حیات المسلمین کے ساتھ حضرت تھانویؒ کے دوسرے رسالہ دعوة الداعی کے مطالعہ کرنے کی ہدایت بھی فرمائی ہے جس میں حضرت حکیم الامت کی تصدیق شدہ ایک دوسری مجلس دعوت الحق کے طریق تبلیغ کی وضاحت فرمائی گئی ہے۔

انجمن تبلیغ القرآن ڈھاکہ | حضرت مولانا مرحوم کو جس طرح مسلمانوں میں اصلاح معاشرہ کے لیے تبلیغ کا اہتمام تھا اور اس پر

آپ زور دیتے رہتے تھے اسی طرح غیر مسلموں عیسائیوں وغیرہ میں بھی اسلام کی تبلیغ کرنے کی ضرورت پر اظہار خیال فرماتے رہتے تھے۔ ایسے واقعات کا ذکر حضرت مولانا کی تبلیغی جدوجہد کے عنوان میں آپ پڑھ چکے ہوں گے چونکہ مذکورہ انجمن اسی ضرورت کے ماتحت کام کر رہی تھی اس لیے اسی کے بارے میں بھی حضرت مولانا مرحوم نے اپنے شجرہ طیبہ میں حسب ذیل نصیحت فرمائی ہے :-

”جامع مسجد لال باغ ڈھاکہ میں انجمن تبلیغ القرآن قائم ہے جس کا مقصد عیسائیت کی تبلیغ کو روکنا اور پہاڑی علاقہ کے مسلمانوں کے ایمان کو محفوظ کرنا ہے کہ اسی علاقہ میں عیسائی مشینری بہت زہر پھیلاتے ہیں جو احباب اہل وسعت ہیں وہ اس انجمن کی امداد مالی میں دل کھول کر حصہ لیں اور جو اہل علم ہیں وہ کچھ وقت تبلیغ میں دیں۔ اگر وہ کسی مدرسے سے متعلق ہیں تو ایام تعطیل

میں لوجہ اللہ اس انجن کے صدر اور ناظم کے مشورہ سے تبلیغ کرے گی اور اگر فارغ البال ہیں تو جتنا بھی وقت دے سکیں تبلیغ میں ضرور دیں مگر انجن کے صدر ناظم سے مشورہ کر کے کام کرے گی۔“ (شجرہ ص ۴۷)

مدارس دینیہ کے اصل تعلیمی مشاغل میں خلل آنے بغیر ایام تعطیل میں اہل علم کو تبلیغ اسلام کے لیے کام کرنے کی ہدایت فرمانا اسی اعتدال و توازن کو قائم رکھنے کی مثال ہے جو تعلیم و تبلیغ کے دونوں شعبوں میں ہمیشہ حضرات اکابر کے پیش نظر رہا ہے اور جس کو آج یکطرفہ ذہن سے کام لیتے ہوئے عام طور پر نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ اسلام کے بقار اور تحفظ کے لیے دونوں شعبوں میں کام کرنے کی ضرورت ہے اور دونوں کی ہی افادیت و نافعیت اپنے اپنے دائرہ عمل میں مسلم اور ناقابل انکار حقیقت ہے۔ ان دونوں میں سے کسی ایک شعبہ کی بھی ضرورت اور افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

اسی لیے حضرت مولانا مرحوم مدارس عربیہ کو بھی تعلیمی نظام کے ساتھ تبلیغ کے لیے مبلغین کے انتظام کرنے کی تاکید فرمایا کرتے تھے اور اہل مدارس کے صرف درس و تدریس کے لیے معلمین کے انتظام پر ہی اکتفا نہ کر لینے کو کافی نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا اقام فرماتے ہیں کہ ضرورت ہے کہ ہر اسلامی مدرسہ میں جہاں درس و تدریس کے لیے دس پندرہ مدرس مقرر کئے جاتے ہیں وہاں تبلیغ احکام کے لیے بھی کم از کم تین چار مبلغ رکھے جائیں مگر ان سے تحصیل چندہ کا کام نہ لیا جائے۔ کیونکہ محصل چندہ مبلغ احکام نہیں ہو سکتا۔ وہ اگر تبلیغ احکام بھی کرتا ہے تو اس کا معین براثر نہیں ہوتا۔“ (روح القدس ص ۲۷۲)

اس میں کہاں تک شک ہے کہ مدارس اسلامیہ میں درس و تدریس کے تعلیمی مشاغل کو قائم رکھتے ہوئے اگر تبلیغ احکام کی طرف بھی توجہ دی جائے تو مدارس کی نافعیت کا حلقہ وسیع ہو کر نفع خاص کے ساتھ نفع عام بھی حاصل ہو جائے اور دین کے دونوں شعبوں کے امتزاج سے یقیناً مدارس کی افادیت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو جائے لیکن مدارس اسلامیہ کے اصلی تعلیمی مشاغل کو ترک کر کے یا ان میں حرج و نقصان کر کے محض تبلیغ عام پر ہی زور دینا یا درس و تدریس اور تعلیمی مشاغل کو ثانوی درجہ پر رکھنا، یہ طریقہ غیر مفید ہی نہیں ہے بلکہ مقاصد دینیہ کے لیے مضرت رساں بھی ہے۔ کیونکہ تبلیغ عام چاہے جس قدر بھی عام ہو جائے اور اصلاح معاشرہ کے لیے خواہ وہ کتنی ہی مفید کیوں نہ ہو مگر حقیقت یہ ہے کہ مدارس دینیہ کے موجودہ نظام کے ذریعہ جو دینی مقاصد حاصل ہو رہے ہیں اور حدیث و تفسیر اور فقہ وغیرہ دینی تعلیم کے مختلف شعبوں میں ان مدارس سے جن قدر علوم دینیہ کے ماہرین تیار ہوتے ہیں تبلیغ عام کے ذریعے وہ مقاصد کبھی بھی حاصل نہیں کئے جاسکتے اور اس طریقہ سے دینی شعبوں کے لیے کسی طرح بھی رجال کار اور ماہرین کا مہیا کیا جانا ممکن نہیں۔

**ایک شبہ کا ازالہ** | یہ بات درست ہے کہ قرونِ اولے کے مسلمانوں میں درس و تدریس اور تربیت و اصلاح کا یہ موجودہ

طریقہ اور نظام نہیں تھا اور مدارس یا خانقاہوں کا سلسلہ اس طرز پر قائم نہ تھا بلکہ زمانے کے بدلے ہوئے حالات کے تحت علماء اور صلحاء امت نے بتا خلائے ضرورت اس نظام کو اختیار فرمایا تھا لیکن مدارس اور خانقاہوں کے موجودہ نظام کو علماء و صلحاء نے زمانے کے جن تعاضوں اور ضرورتوں کی بناء پر اختیار فرما کر

اپنا یا تھا اب بھی وہ تمام تقاضے اور ضرورتیں جوں کی توں بدستور موجود اور قائم ہیں بلکہ اس زمانے میں پہلے سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ وہ تمام کے تمام تقاضے پائے جاتے ہیں اس لیے درس و تدریس اور اصلاح و تربیت کے موجودہ طریقے اور نظام کے بقاء و تحفظ کی پہلے سے بھی زیادہ ضرورت ہے۔ اور یہ بھی ایک واضح حقیقت ہے کہ اگر علم دین کی تحصیل اور تزکیہ نفس کے لیے مدارس اور خانقاہوں کے نظام کی ضرورت نہ ہوتی تو ہمارے اکابر اس طرز کو ہرگز اختیار نہ فرماتے۔ لہذا اب یہ تصور کر لینا کہ چونکہ قرون اولیٰ میں تعلیم و تربیت کی موجودہ صورت اپنے اس طرز خاص کے ساتھ نہیں تھی اس لیے مدرس اور خانقاہوں کے نظام کو ترک کر کے محض قرون اولیٰ کے تعلیمی اور تربیتی نظام پر عمل پیرا ہونے سے آج بھی دین کے مطلوبہ مقاصد و نتائج پیدا ہو سکتے ہیں اور تمام دینی ضرورتوں کو پورا کیا جاسکتا ہے ہرگز درست نہیں کیونکہ موجودہ دور میں قدیم نظام تعلیم و تربیت کے ذریعے علوم دینیہ کے ماہرین اور خصوصی تربیت یافتہ علماء و صلحاء کا پیدا ہونا ہرگز ممکن نہیں۔

اہل علم سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ علوم دینیہ کے تمام مذکورہ شعبوں میں کمال اور مہارت کا حاصل کرنا پوری اُمت پر فرض کفایہ ہے اور تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ مدارس دینیہ کا موجودہ طرز خاص ہی اس کی تحصیل میں از بس مفید بلکہ اس طرز پر ہی اس کا حصول موقوف ہے لہذا فرض کفایہ کے موقوف علیہ ہونے کی وجہ سے اس نظم خاص کا باقی رکھنا اور اس کا تحفظ کرنا بھی فرض کفایہ میں داخل ہے اور یہی حکم تزکیہ نفس اور نسبت احسان کے حصول کے لیے خانقاہوں کے بقاء اور تحفظ پر عائد ہوتا ہے کہ یہ بھی اُمت

پر فرض کفایہ ہے کیونکہ اس زمانے میں تزکیہ نفس اور نسبت احسان کا حصول بھی اسی طرز خاص (طریق خانقاہی) پر موقوف ہو گیا ہے عمومی تبلیغ کے موجودہ طریق کار کے ذریعے اگر وہ صحیح اصول کے ساتھ ہو تب بھی عام مسلمانوں میں صرف دین کی طلب اور دین کی ضرورت کا احساس پیدا کر کے محدود طور پر ان کو دینی ضروریات سے روشناس ہی کرایا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد بھی ان کو ضروریات دین کا علم حاصل کرنے کے لیے مدارس عربیہ اور علوم دینیہ کے جاننے والے علماء کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت باقی رہتی ہے جیسا کہ بانی تحریک تبلیغ کا ارشاد ہے کہ :-

”علماء سے کہنا ہے کہ ان تبلیغی جماعتوں کی چلت پھرت اور محنت و کوشش سے عوام میں صرف دین کی طلب و قدر ہی پیدا کی جاسکتی ہے اور ان کو دین سیکھنے پر آمادہ بھی کیا جاسکتا ہے اگے دین کی تعلیم و تہذیب کا کام علماء و صلحاء کی توجہ فرمائی ہی سے ہو سکتا ہے۔ اس لیے آپ حضرات کی توجہات کی بڑی ضرورت ہے“ (ملفوظات حضرت مولانا الیاس ص ۲۳)

الغرض عوامی تبلیغ کا موجودہ طریق کار علوم دینیہ میں مہارت حاصل کرنے اور دین کے مختلف شعبوں میں کام کرنے کی اہلیت پیدا کرنے سے بالکل قاصر ہے۔ اس لیے علوم دینیہ کے بقاء اور تحفظ کے لیے مدارس دینیہ اور عمومی طور پر اصلاح معاشرہ کے لیے تبلیغ عام دونوں ہی کے انتظام کی ضرورت ہے۔ ان میں سے کوئی ایک صورت بھی دوسری صورت کی قائم مقام اور اس کے مقاصد کے حصول کے لیے کافی نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اس زمانہ میں مدارس دینیہ کی ضرورت اور ان کا سنت ہونا ثابت کرتے ہوئے حضرت حکیم الامت مولانا مہناوی فرماتے ہیں :-

” پہلے زمانے میں صحابہ و تابعین کو تدریس متعارف کی کوئی حاجت نہیں تھی ان کا تو بغیر اس کے کام چلتا تھا۔ ان کے حافظے اور اذہان کافی تھے اور تدین بھی تھا اور اس وقت اس کی ضرورت اس لیے ہے کہ اگر کتابیں مدون نہ ہوں اور آج کل لوگوں کا نہ حافظہ ویسا ہے نہ تدین ہے نہ ان کے قول پر ان جیسا دُتوق ہے۔ پھر زبانی کوئی مضمون حدیث و فقہ کا بیان کیا جاتا تو پھر سامعین کو ہرگز تسلی نہ ہوتی اور خیال ہوتا کہ نہیں معلوم یہ جو کچھ کہتے ہیں ٹھیک بھی ہے یا نہیں اور یونہی الٹ پلٹ کر رہے ہیں۔ اگر کتابیں مدون نہ ہوتیں تو بڑا غلط بحث ہوتا دین میں بڑا فساد پھیلتا۔ خدا کا بڑا احسان ہے کہ اپنی عنایت و رحمت سے اُس نے کتابیں مدون کرا دیں۔ مگر سے قائم کرا دیئے اسکے سامان مہیا کر دیئے اگر کتابیں نہ ہوں تو سلف کی باتیں ہم تک پہنچنے کی کوئی صورت نہیں اور بغیر مدارس قائم کئے تعلیم کتب ممکن نہیں۔ لہذا یہ بدعت نہیں بلکہ سنت ہے۔ چونکہ اس درس و تدریس سے بھی مقصود تبلیغ ہی ہے خواہ بلا واسطہ یا بالواسطہ چنانچہ بلا واسطہ تو تبلیغ مخاطب اول کو ہے یعنی طلباء کو اور بالواسطہ مخاطب ثانی کو یعنی عوام کو۔ سو یہ درس و تدریس تبلیغ کا اتنا بڑا فرد ہے “ (آداب تبلیغ) اور منہ مانتے ہیں :-

” میں یہ رنگ دیکھ رہا ہوں کہ آج کل وہ طلباء بھی جو علم سے فارغ نہیں ہوئے تبلیغ میں مشغول ہونا چاہتے ہیں۔ میرے نزدیک انکے لیے تکمیل علم اول ضروری ہے کیونکہ اگر یہ پڑھنا پڑھانا نہ ہوتا تو تصنیف و تبلیغ وغیرہ بھی سب بیکار ہے کیونکہ ناقص کی تبلیغ وغیرہ قابل اعتبار نہیں بلکہ اس طرح تو چند روز میں علم بالکل ہی معدوم ہو جائیگا “ (آداب تبلیغ)

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے تبلیغ

کے بارے میں چند اور ارشادات

حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ اپنے وعظ التبلیغ میں فرماتے ہیں:

”غرض امر بالمعروف یقیناً واجب ہے اور دیکھا جاتا ہے کہ اس طرف توجہ بالکل نہیں اور یہ ایک بڑی کوتاہی ہے اسی کوتاہی کو دفع کرنے کے لیے یہ مضمون اختیار کیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ نماز روزہ کی طرح یہ بھی فرض ہے الہیہ مختلف اوقات میں اس کے طریقے مختلف ہیں مثلاً اس وقت آپ لوگوں کا پڑھنا بھی تبلیغ ہے۔ اگر نیت اچھی ہو انما الاعمال بالنیات اگر آپ کی نیت یہ ہو کہ پڑھنے سے فارغ ہو کہ امر بالمعروف کروں گا تو یہ پڑھنا بھی شعبہ تبلیغ ہی کا ہے۔“ (آداب التبلیغ)

پھر تبلیغ کی مختلف قسمیں بیان فرماتے ہوئے حضرت حکیم الامت تھانوی مددین اور طلباء کو ہدایت فرماتے ہیں:-

”پس مدرسین و طلباء تبلیغ کا ثواب سن کر پڑھنا پڑھانا نہ چھوڑ دیں بلکہ وہ اس میں نیت تبلیغ کر لیں اور اگر تبلیغ کی قسمیں کہ دی جائیں کہ ایک تبلیغ اصول و عقائد کی ہے کفار کو۔ دوسری قسم تبلیغ فردغ ہے مسلمانوں کو۔ تیسری قسم ایک جماعت کو تبلیغ کے قابل بنانا پھر تدریس و تدریس کا تبلیغ میں داخل ہونا بالکل ظاہر ہے۔“ (آداب التبلیغ)

مدرسین اور طلباء کے لیے حضرت حکیم الامت کی یہ ہدایت ہر وقت پیش نظر رکھنے کے قابل ہے۔ حضرت کا یہ ارشاد کس قدر حقیقت افروز اور

حقیقت نمائی کرنے والا ہے کہ درس و تدریس کا کام بھی تبلیغ میں داخل اور تبلیغ کا ہی ایک حصہ ہے۔ اس حقیقت سے بے خبر ہونے کی وجہ سے ہی بعض لوگ درس و تدریس کے کام کو تبلیغ کے خلاف اور غیر ضروری کہنے اور سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ اگے حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے اس غلو اور غلطی کی اصلاح فرمائی ہے جو یکطرفہ ذہن سے کام لیتے ہوئے صرف دین کے ایک ہی شعبہ میں کام کرنے پر زور دینے اور دین کے دوسرے تمام شعبوں میں سے صرف ایک اسی شعبہ کو اہمیت دینے کی عام لوگوں میں عادت پیدا ہو جاتی ہے جس میں وہ مشغول ہوتے ہیں حالانکہ دین کے تمام ہی شعبے لائق اعتناء اور قابل توجہ ہیں اور تقسیم کار کے اصول کے لحاظ سے ان تمام شعبوں میں کام کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ ہر شخص ایک وقت تمام خدمات انجام نہیں دے سکتا اور نہ ہی یہ اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ تمام شعبوں میں خدمات انجام دے۔

ضروری بات صرف اتنی ہے کہ دین کے تمام شعبوں میں کام ہوتا رہے۔ چنانچہ کسی خاص شعبہ میں کسی ایک جماعت کے بقدر ضرورت خدمات انجام دینے سے یہ فرض کفایہ ادا ہو جاتا ہے اور ہر شخص یا ہر جماعت کو ایک ہی کام کی طرف کھینچنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ خود قرآن کریم سے تقسیم کار اور تقسیم خدمات کا ثبوت ملتا ہے۔ ارشاد باری ہے :-

”وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ

طَائِفَةٌ“ اس میں حق تعالیٰ نے سب کو یک نعت جہاد میں جانے پر

عتاب فرمایا ہے اور یہ ہدایت کی ہے کہ ایک جماعت جہاد میں جاتی تو دوسری علم حاصل کرتی۔ اگرچہ آیت مذکورہ میں اس سے بحث نہیں کی گئی کہ ان میں رائج

اور مرجوح کیا ہے مگر اتنی بات واضح ہے کہ ہر جماعت کو کسی ایک ہی کام پر نہیں لگ جانا چاہیے بلکہ تقسیم کار کے اصول پر عمل کرتے ہوئے مختلف شعبوں میں مختلف خدمات انجام دینی چاہئیں۔ اگر ہم اس حکیمانہ ہدایت پر عمل پیرا ہوں اور دین کے تمام شعبوں میں مل جل کر کام کریں تو ان میں کبھی ہم اہمگی پیدا ہو سکتی ہے حق تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

### مولانا کا مثالی اعتدال

جماعتی تعصب اور تحرب کا ظہور اچھے اچھے خلوص سے کام کرنے والوں میں بھی کسی ایک جماعت سے وابستہ ہو جانے کے بعد ہونے لگتا ہے اور اکثر دیکھا جاتا ہے کہ کسی کی ذاتی یا جماعتی موافقت اور مخالفت میں یکطرفہ ذہن سے ہی کام لیا جانے لگتا ہے۔ مگر حضرت مولانا مرحوم کی کسی تحریک یا آپ کے طرز عمل میں اس طرح کا گہرہ تعصب و غلو کا کہیں نام و نشان نہیں ملتا۔ بلکہ آپ کی طبیعت اور مزاج میں حدودِ جہِ مثالی اعتدال اور انصاف پایا جاتا ہے جو قابلِ تقلید اور لائقِ عمل ہے۔ چنانچہ تبلیغی کام کرنے والوں کی مختلف جماعتوں کے ساتھ جن کا ذکر اوپر اچکا ہے آپ کا طرز عمل اور ان کے بارے میں آپ کی تحریرات اس پر شاہدِ عدل ہیں۔ اس کی ایک مثال مودودی صاحب کے ساتھ آپ کا طرز عمل بھی ہے۔ مودودی صاحب کو ۱۹۵۳ء میں فوجی عدالت نے گرفتار کر کے پہلے پھانسی کی سزا تجویز کی پھر اس کو ہم سال کی قید میں تبدیل کر دیا۔ حضرت مولانا مرحوم کو باوجودیکہ مودودی صاحب کے ساتھ ان کے بہت سے نظریات میں اختلافات تھے اور ان کے طرز عمل سے حضرت مولانا متفق نہیں تھے جس کا اظہار بھی مولانا بے ملاحظہ

رہے تھے مگر پھر بھی حضرت مولانا مرحوم نے جو اس وقت ڈھاکہ میں تشریف فرما تھے فوجی عدالت کے اس حکم پر جلسہ عام میں کڑی نکتہ چینی فرمائی۔ اگرچہ مودودی صاحب کے اس وقت کے بعض غالی مخالفین کے دلوں میں حضرت مولانا مرحوم کے اس طرزِ عمل سے شکایت پیدا ہوئی اور انہوں نے اس کو پسند نہیں کیا۔ لیکن ظاہر ہے کہ مولانا مرحوم نے کسی کی شخصی حمایت اور ذاتی نظریات سے قطع نظر اسلام کے مستفقہ مسئلہ ختم نبوت اور مسئلہ قادیانی کی تائید کے لیے اس طرزِ عمل کو اختیار فرمایا تھا اس سے نہ تو مودودی صاحب کے نظریات اور ان کی شخصیت کی حمایت مقصود ہو سکتی تھی اور نہ ہی کسی کی ذاتی وجاہت اور علمیت سے بے جا تاثر کا یہ نتیجہ تھا۔ چونکہ مودودی صاحب کی علمی حیثیت کا اظہار تو حضرت مولانا مرحوم نے برائۃ عثمان کے مقدمہ میں اپنے ان الفاظ سے فرمادیا ہے کہ :-

» معلوم ہوا کہ بعض صحافی علما نے ان کی شان رفیع میں ایسے کلمات

استعمال کئے ہیں جو نازیبا ہیں « (برائۃ عثمان ص ۱)

اور جب مولانا کے اس طرزِ عمل کے بارہ میں خود مولانا کے سامنے ہی انوار النظر ص ۸۲ کے حوالہ سے اس اندیشہ کا اظہار کیا گیا کہ بعد کے لوگ اسے مودودی صاحب کے عظمت پر دلیل بنانا چاہیں گے کہ حضرت مولانا بھی ان کے تبحر علمی کے قائل تھے تو اس کے جواب میں حضرت مولانا مرحوم نے مودودی صاحب کے علمی مقام کو بڑے واضح الفاظ میں متعین فرمادیا ہے وہ الفاظ یہ ہیں » انوار النظر کے کسی لفظ سے بھی مولانا مودودی کے تبحر علمی پر استدلال نہیں ہو سکتا وہ محض صحافی مولانا ہیں جیسے مولانا محمد علی جوہر اور مولانا ظفر علی خان ایڈیٹر زمیندار تھے « (البلاغ)

اس سے واضح ہے کہ حضرت مولانا مرحوم رحمۃ اللہ علیہ کا مودودی صاحب کو مولانا لکھ دینا جیسا کہ اُن کے لیے علمیت کی سند عطا کر دینے کی دایل نہیں ہے اسی طرح اس پر چیں بچیں ہونا بھی حقیقت فہمی سے دُور ہے۔ اس لیے کہ حضرت مولانا مرحوم رحمۃ اللہ علیہ نے اس لفظ کو مودودی صاحب کے لیے معمول کے مطابق اسی طرح استعمال کیا ہے جیسا کہ عام طور پر محمد علی جوہر وغیرہ غیر علماء کے لیے یہ لفظ استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ اس پر نہ تو کسی کو اعتراض ہی ہوتا ہے اور نہ اس لفظ کو ان کی عظمت کی دلیل قرار دیا جاتا ہے۔

اسی طرح مولانا مرحوم رحمۃ اللہ علیہ نے جب محمود احمد عباسی صاحب کی تحریرات میں حد سے تجاوز اور اہلسنت والجماعت کے مسلک سے خروج محسوس فرمایا تو ایسے لوگوں کو تنبیہ فرمائی جو عباسی صاحب کی تحریرات کی مدح سرائی میں لگے ہوئے تھے۔ چنانچہ مولانا علی محمد صاحب مرحوم ٹوبہ ٹیک سنگھ کے نام اپنے ایک مکتوب میں حضرت مولانا مرحوم ارقام فرماتے ہیں :-

”مولانا سلطان احمد صاحب سے کہہ دیجئے کہ محمود عباسی کی کتاب کی شان میں قصیدہ خوانی مناسب نہیں ہے اس سے لوگ پوری کتاب کو اسلام کی رُوح سمجھیں گے حالانکہ اس کی بعض باتیں غلط ہیں“

غرضیکہ حضرت مولانا مرحوم کے مزاج مبارک میں حد درجہ انصاف اور مثالی اعتدال و توازن پایا جاتا تھا ہر جماعت اور ہر شخص کو اس کے درجہ پر رکھ کر اس کے ساتھ وہی معاملہ فرماتے تھے جس کا وہ اذدوئے

انصاف حق دار ہوتا تھا۔ کسی کی حمایت اور مخالفت میں حدود سے تجاوز نہیں فرماتے تھے جیسا کہ عام طور پر آج کل دیکھا جا رہا ہے کہ کسی کی حمایت اور مخالفت کرنے میں حدود انصاف کو پامال کر دیا جاتا ہے۔ جس کی لغت کی جاتی ہے اس کے محاسن بھی معائب کہہ کے دکھلائے جاتے ہیں۔ اور جس شخص کی حمایت مقصود ہوتی ہے اور اس کے معائب پر بھی طرح طرح سے تاویلیں کہہ کے پردہ ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ بلکہ ان معائب کو محاسن بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت مولانا مرحوم رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے اس افراط و تفریط سے بالکل محفوظ رکھا تھا۔ وہ حمایت اور مخالفت میں حدود انصاف کو پوری طرح ملحوظ رکھتے تھے اور نہ نصفاد ۶ ما کہہ دہیں پوری طرح عامل تھے۔ آپ کی پوری زندگی اور بے شمار تحریکات اس کا ثبوت اور اس پر گواہ ہیں۔



## باب نششم

### سلوک و تصوف اور تربیت باطن

درسیات سے فارغ ہو کر ۱۳۲۸ھ میں مولانا نے جب حج کا ارادہ کیا تو حج سے پہلے اپنی تربیت باطنی کے لیے بیعت ہونا مناسب سمجھا۔ اس وقت حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ اور حکیم الامت تھانویؒ دو بزرگ ایسے تھے جن سے بیعت ہونے کا خیال مولانا کو ہوتا تھا مگر اس بارہ میں فیصلہ کرنے کے لیے مولانا نے حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ سے مشورہ کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ”تم دیکھتے ہو کہ میں نے حضرت مولانا گنگوہیؒ کے بعد مولانا خلیل احمد کا دروازہ پکڑا ہوا ہے اور میاں ظفریہؒ تو اللہ کو معلوم ہے کہ ان کے یہاں بیڑا کون ہے؟ مگر طریق سلوک میں آج حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔“

اس پر حضرت مولانا نے حضرت سہارنپوریؒ سے بیعت کی درخواست کی۔ حضرت سہارنپوریؒ نے فرمایا تمہارے گھر میں پیر موجود ہیں ان سے بیعت ہو جاؤ اور کسی دوسرے سے بیعت ہونا چاہو تو ان سے اجازت حاصل کر کے بیعت ہونا۔ مولانا نے اپنے استاد عبداللہ گنگوہیؒ کے واسطے سے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی خدمت میں اپنے قلبی میلان کا تذکرہ کر کے دریافت کیا کہ حضرت کے

نزدیک جہاں میرا حصہ ہو بتلادیا جائے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ تم مولانا خلیل احمد سے بیعت ہو جاؤ اس صورت میں مجھ سے بھی نفع پہنچتا رہے گا۔

حضرت مولانا سہارنپوریؒ سے بیعت

مولانا نے سہارنپور حاضر ہو کر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب

سہارنپوریؒ سے مدت حال عرض کر کے دوبارہ بیعت کی درخواست کی۔ حضرت نے بیعت فرما کر ذکر و شغل اور ادعیہ ماثورہ متعلقہ اوقات مختلفہ کی پابندی کا حکم فرمایا۔ اس بیعت کا مختصر حال خود مولانا مرحوم کا بیان مندرجہ تذکرۃ الخلیل سے نقل کیا جاتا ہے۔

» اس کے بعد آپ نے اپنے دست مبارک میں میرا ہاتھ لے کر حسب معمول بیعت فرمایا اور پھر دوسو بار ذکر نفی اثبات اور دو ہزار مرتبہ اسم ذات کی تلقین فرمائی اور خود باقاعدہ کہہ کے دکھلایا کہ چار زانو بیٹھ کر آنکھیں بند کر کے لا الہ کو کامل حد کے ساتھ گم دن کی دائیں طرف لے جا کر لا الہ کو قلب پر ہلکی ضرب کے ساتھ ختم کیا۔ دو تین بار اس طرح کہہ کے دکھلایا اور فرمایا مشائخ کا معمول یوں ہی ہے اور اسی طرح سکھاتے آئے ہیں۔ اسی طرح نفع زیادہ اور جلدی ہوتا ہے اسکے بعد ذکر اسم ذات بھی خود کہہ کے دکھلایا اور پھر فرمایا حض صہبہ سے ادعیہ ماثورہ متعلقہ اوقات و حالات مختلفہ معلوم کر کے ان کا بھی ورد کیا جائے اور چلتے پھرتے تسبیح ہاتھ میں رکھ کر شغل پاس انفاس کی مشق کی جائے۔ اوپر کے سانس اور نیچے کے سانس میں ہو کا تصور کیا جائے۔ یہ بہت ثمرانوار و برکات ہے۔ نیز اسم ذات میں یہ تصور کیا جائے کہ لفظ اللہ کے ساتھ ایک نور منہ سے

نکلتا ہے جو میرے سارے جسم کو محیط ہے اور پھر احاطہ کو اس قدر وسیع کیا جائے گویا تمام عالم کو محیط ہے اور تم اس میں فانی و لائیتی ہو۔ اور لا الہ میں یہ تصور کیا جائے کہ قلب سے میں تمام ظلمات علائق ماسوا اللہ کو پس پشت پھینک رہا ہوں اور الا اللہ میں یہ تصور کیا جائے کہ قلب انوارِ محبت و عظمت حق سے پر ہو گیا۔ (تذکرہ ص ۴۶۱)

سفرِ حج کے بعد مولانا کا تقرر بطور مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ہی میں ہو گیا تھا اس طرح مولانا کو اپنے شیخ و مربی کا قرب جسمانی بھی سالہا سال تک نصیب رہا اور درس و تدریس کے ساتھ حسب ہدایت حضرت شیخ ذکر و شغل کا سلسلہ بھی مولانا نے جاری کیا۔ شب کو مولانا کا قیام مدرسہ قدیم کی سب سے بلند عمارت میں رہتا تھا اس لیے مدرسہ قدیم کی مسجد میں صبح کی اذان بھی مولانا کے سپرد تھی اور اس مسجد میں نماز بھی مولانا مرحوم ہی پڑھایا کرتے تھے۔

مولانا کو حضرت سہارنپوریؒ کی تاکید تھی کہ تہجد کے بعد ذکر اللہ اتنی بلند آواز سے کیا کریں کہ حضرت کو ذکر اللہ کی آواز پہنچتی رہے۔ حضرت کا مکان مدرسہ کے قریب ہی تھا۔

حضرت سہارنپوریؒ کا دستور تھا کہ فجر کی سنتیں گھر پڑھ کر جماعت فجر سے پندرہ بیس منٹ پہلے مدرسہ میں تشریف لاتے اور اپنے حجرے کی دیوار سے کمر لگا کر بیٹھ جاتے خدام حاضر خدمت ہو جاتے، اس وقت حضرت کی توجہ خدام کے حال پر بہت زیادہ ہوتی تھی۔ مولانا اپنا حال خود فرماتے ہیں کہ:

”مجھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دل کو دبا لیا ہے کہ ادھر ادھر توجہ نہ رہے

اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہمہ تن متوجہ رہوں “

حضرت سہارنپوریؒ مولانا کے حال پر خصوصی توجہ اور ذکر اللہ کی نگرانی بھی فرماتے تھے اور ذکر کے اثرات کا اظہار بھی فرماتے رہتے تھے ایک مرتبہ فرمایا ” ماشاء اللہ مولوی ظفر کا ذکر نفی اثبات کامل ہو گیا ہے “

یہ ارشاد حضرت شیخ سہارنپوریؒ کی طرف سے مولانا کے ذکر اللہ میں کامل ہونے کی شہادت اور کمالِ رسوخ کی دلیل ہے۔

شیخ سہارنپوریؒ سے قلبی ربط | بارہا کا واقعہ ہے کہ مولانا اپنے اسی بالائی حجرہ میں مشغول ذکر ہوتے اور

دفعۃً مولانا کے دل کو حضرت شیخ سہارنپوریؒ کی کشش ہوتی۔ مولانا نیچے اتر کر آتے تو دیکھتے کہ حضرت شیخ ٹہل رہے ہیں۔ مولانا پوچھتے کہ کچھ مجھے فرماتا ہے تو حضرت فرماتے کہ ہاں پلنگ پر بستر بچھا دو ذرا آرام کرنا چاہتا ہوں مولانا فوراً بستر بچھا دیتے اور حضرت شیخ کے پاؤں دبانے لگتے کبھی کسی اور کلم کے لیے ارشاد فرماتے۔ غرضیکہ حضرت شیخ کو مولانا مرحوم کے حال پر بہت ہی توجہ تھی اور مولانا کو بھی حضرت شیخ کے ساتھ بڑا قلبی تعلق اور ربط کامل تھا۔ اور محبت شیخ اور عقیدتِ مرشد میں فناء کے درجے پر پہنچے ہوئے تھے۔ ایک خط میں اپنے باطنی حالات لکھتے ہوئے مولانا مرحوم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تاثرات کا ایک فارسی نظم میں اظہار کیا تھا۔ اس نظم کا ایک شعر یہ ہے۔

بیا بیا و تماشا ئے خود نظارہ کن  
چہ گل شگفتہ بدل از نسیم کوئے خلیل

حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ | مولانا کی تربیت باطنی میں حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ

کی توجہ کا بھی بڑا دخل ہے۔ حضرت مولانا کاندھلوی مرحوم یعنی مرتبہ مسجد قدیم کی مسجد کے بالائی حجرہ میں مولانا کے ساتھ مل کر ذکر اسم ذات دو ضربی اللہ اللہ دیر تک کیا کرتے تھے مولانا خود فرماتے ہیں کہ :-  
 ” اس کی حلاوت مجھے آج تک یاد ہے “

آخری توجہ | مولانا فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نے اس رات کو جس کی صبح کو اشراق کے وقت آپ کا انتقال ہونے والا تھا۔ بڑی تاکید سے مجھے اپنے مکان پر سونے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ حسب الحکم مولانا شب بھر مولانا موصوف کے قریب ہی رہے۔ آخری وقت میں بھی سامنے ہی حاضر تھے۔ سورہ یسین شریف پڑھتے تھے۔ اور قلب کی طرں متوجہ تھے۔ حضرت مولانا کاندھلویؒ نے ایک خاتون مسماۃ حاجرہ بیعت تھیں اور بڑی صاحبہ احوال تھیں۔ انہوں نے حضرت مولانا کاندھلویؒ کو ان کے انتقال کے بعد عالم واقعہ میں دیکھا اور شکایت کی کہ آپ نے آخری نظر مولوی ظفر پر ڈالی مجھ پر نہ ڈالی۔ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ نے فرمایا کہ :-

” یہ میرے اختیار کی بات نہ تھی “

یہ روایت مولانا نے حضرت مولانا محمد الیاسؒ سے سنی تھی۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی طرف رجوع | تربیت باطنی کے سلسلہ میں مولانا کو عالم رویا میں بعض

بزرگوں کی طرف سے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی طرف رجوع کرنے کا اشارہ

ہو رہا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ مولانا نے خواب میں دیکھا کہ قطب عالم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی فرما رہے ہیں کہ :-

”تم کو نسبت تو حاصل ہے لیکن اپنے اخلاق کی اصلاح کے لیے

مولانا اشرف علی سے رجوع کرو“ (اشرف السوانح)

اسی اثناء میں یہ واقعہ پیش آگیا کہ شوال ۱۳۳۳ھ میں حضرت مولانا شیخ

خلیل احمد سہارنپوریؒ نے سفر حج کا ارادہ فرمایا اور بظاہر ہجرت کا خیال معلوم

ہو رہا تھا اس زمانہ میں مولانا نے اپنے ماموں حکیم الامت تھانویؒ کی طرف

تربیت باطنی کے لیے رجوع کیا۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی طرف رجوع کرنے کے بعد مولانا کو جو

حالات باطنہ اور مدارج روحانیہ پیش آتے رہے وہ حضرت تھانویؒ کے معمول

کے موافق ضبط تحریر میں آتے گئے۔ کیونکہ حضرت تھانویؒ کے یہاں ذاکرین و

شاغلین کی خط و کتابت، تربیت الساک میں محفوظ کر لی جاتی تھی۔ اس طریقہ

کے موافق حضرت تھانویؒ نے مولانا کے خطوط متعلقہ تربیت کو انوار النظر فی

آثار النظر کے نام سے موسوم کر کے تربیت الساک میں شائع فرمایا تھا۔ مولانا

کے یہ خطوط تربیت الساک کے مطبوعہ مجموعہ جو کہ بڑی تقطیع کے ۱۲۷۸ صفحات

پر مشتمل ہے اس کے ص ۱۹۰ سے ص ۲۱۰ تک تو مسلسل درج ہیں اس کے بعد بھی

ص ۶۵۹، ص ۶۳، ص ۸۲، ص ۵۵، ص ۹۰۲، ص ۹۲۲، ص ۹۲۴، ص ۹۳۶، ص ۹۵۵

ص ۹۵۵، ص ۹۵۸، ص ۹۶۰، ص ۹۸۲، ص ۹۸۳، ص ۹۹۸، ص ۱۰۰۱، ص ۱۰۰۲، ص ۱۰۱۲

ص ۱۰۶۵ پر درج ہیں۔ حضرت مولانا مرحوم نے ان تمام خطوط کو تربیت الساک سے

نقل فرما کر اپنے سوانح انوار النظر حصہ دوم کا جزء بنا کر شائع کر دیا ہے۔ تربیت الساک

میں شائع شدہ ان خطوط کے پڑھنے سے واضح ہے کہ حضرت مولانا کو راہ سلوک میں بڑے بڑے احوال رفیعہ پیش آئے تھے اور بہت ہی اونچے اونچے مقامات کی سیر کرانے کے بعد حضرت تھانویؒ نے آپ کو اجازت و خلافت عطا فرمائی تھی۔ اس کی تفصیل ان خطوط کے پڑھنے سے ہی معلوم ہو سکتی ہے۔ حضرت مولانا مرحوم ارقام فرماتے ہیں :-

” ان خطوط میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ حضرت حکیم الامتؒ نے مجھے سلسلہ چشتیہ میں اجازت (اور خلافت) سے بھی نوازا ہے۔ “ (انوار النظر ص ۲۷۷)

واقعہ یہ ہے کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ اور حضرت حکیم الامتؒ مولانا اشرف علی تھانویؒ دونوں درباروں سے استفادہ کرنے اور فیض یاب ہونے کے بعد حضرت مولانا مرحوم کا باطن دو آتشہ بن گیا تھا۔ اور حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو نسبت نبوت اور نسبت ولایت دونوں رنگوں سے رنگین کر کے نسبت رشیدیہ، خلیلیہ، نقشبندیہ اور نسبت اشرفیہ چشتیہ دونوں نسبتوں کا جامع بنایا تھا۔ حضرت مولانا فرماتے ہیں :-

” اگرچہ میں کچھ نہیں اور واللہ کسی قابل نہیں مگر الحمد للہ کہ حق تعالیٰ نے مجھے جامع نسبتین (نسبت رشیدیہ، حنفیہ، نقشبندیہ نسبت امدادیہ، اشرفیہ چشتیہ بنایا فلہ۔ الحمد للہ والبرکات۔

۵۔ یک جہاں بار امانت نتوانست کشید

قرعہ فال بنام منے دیوانہ زدند

نسبت تمکین و انتہا  
نسبت تمکین و انتہا جس کی طالب میں ایک عالم  
حیران و پریشان ہے اور دولت وصال اور

نعمت حضوری کے حصول پر مولانا کو حضرت حکیم الامتؒ نے اپنے خطوط میں مبارک باد بھی دی ہے اور سالک و واصل کو جو جو ملکات فاضلہ اور مقامات عالیہ حاصل ہوتے ہیں جا بجا ان کے ممکن پر مسرت کا اظہار بھی فرمایا ہے یہاں تک کہ انتہا عروج کے بعد نزول کے عطا ہونے پر بھی حضرت مُرشد تھانویؒ نے حضرت مولانا کو مبارک بادی سے نوازا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ یہی وہ نزول ہے جس کو شیخ الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ نے مانتھایہ انتہا کیا ہے؟ کے جواب میں العود الی البدایہ، شروع کی طرف لوٹنا ہے سے تعبیر فرمایا ہے۔ چنانچہ مولانا مرحومؒ کے عرض حال پر ایک والانامہ میں حکیم الامتؒ نے ارقام فرمایا ہے :-

”میرے وجہان میں یہ نسبت تمکین ہے جو بعد تلوین عطا ہوتی

ہے مبارک ہو“ (انوار النظر ص ۶۹)

**خلافت و اجازت بیعت** | چونکہ حضرت مولانا کے اصل پیر طریقت اور پہلے شیخ ارشاد و تربیت حضرت مولانا خلیل احمد

سہارنپوری تھے اس لیے مولانا کو ذکر و اذکار کی تعلیم اور تربیت باطنی کا سلسلہ ابتداء سے ہی حضرت سہارنپوریؒ سے ہی وابستہ تھا اس کے بعد حضرت سہارنپوری کے سفر حجاز کے زمانہ میں حضرت مولانا نے اپنی باطنی تربیت اور تکمیل سلوک کے لیے حضرت مُرشد تھانویؒ کی طرف رجوع فرمایا تھا۔

حضرت حکیم الامتؒ تھانویؒ کی نظر بصیرت میں باوجودیکہ مولانا کو مقامات سلوک میں رسوخ حاصل ہو گیا تھا اور ایسے احوال و ذنیعہ کے حصول سے آپ مشرف ہو چکے تھے جن کے حصول پر کوئی سالک طریق خلافت و اجازت بیعت دیئے جانے کا اہل قرار پاتا ہے اور مقام ارشاد و ہدایت پر ممکن ہوتا ہے مگر حضرت مُرشد تھانویؒ

پر عبدیت اور تواضع کے غلبہ کے ساتھ اپنے اکابر کے ساتھ ادب کا غلبہ بھی قابلِ تقلید تھا۔ اس لیے حضرت سہارنپوری کے تربیت یافتہ مسترشد اور روحانی فہرزد کو خلافت و اجازت بیعت دینے میں تامل فرماتے رہے چنانچہ ایک والا نامہ میں حضرت مُرشد تھانویؒ نے اس کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا تھا:-

” میرے نزدیک تم اس کے اہل ہو کہ تم کو متقیین و تعلیم اور بیعت لینے کی اجازت دیدی جائے، اگر یہ اجازت دینا موہم تصرف فی ملک الاکابر نہ ہوتا تو میں اجازت دے دیتا“  
(انوار النظر ص ۲۹)

مگر اس راہ کی مشکلات کے حل تلاش کر لینے اور الجھے ہوئے معاملات اور پیچیدہ گتھیوں کے سلجھانے کے تو حضرت مُرشد تھانویؒ بادشاہ تھے۔ چنانچہ اپنی طرف سے اجازت بیعت دینے اور استخلاف کی بھی ایسی صورت حضرت تھانویؒ نے نکال ڈھونڈی جس میں ادب طریقت کی بھی پوری رعایت ملحوظ تھی اور وہ صورت یہ تھی کہ سلسلہ چشتیہ میں اپنی طرف سے خلافت و اجازت بیعت سے نواز دیا۔ اور دوسری نسبت میں تصرف نہیں فرمایا چنانچہ حضرت تھانویؒ کے گرامی نامہ کے الفاظ ذیل سے واضح ہے:

” رہا قصہ استخلاف کا جس میں تصرف فی ملک الاکابر کا مجھ کو وہم تھا اب یوں سمجھ میں آیا کہ ایک نسبت کا استخلاف میں نافذ کر دوں اور دوسری نسبت میں تصرف نہ کروں“ نافذ نہ تو کلا علی اللہ و افوض امری و امر الی اللہ“  
(انوار النظر ص ۳۰)

اس کے بعد حضرت تھانویؒ نے حضرت مولانا کا اسم گرامی اپنے خلفاء کی فہرست میں شامل فرمایا اور حسب معمول تتمہ راجع تنبیہات وصیت بابت ۱۲۳۴ھ

میں بالفاظ ذیل آپ کے نام کا اعلان فرمادیا ۔

(۳۰۔ مولوی ظفر احمد دیوبندی سابق و تھانوی حال ہمیشہ زادہ احقر

بتخصیص سلسلہ علیہ چشتیہ )

اس وقت تک حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سفرِ حرمین سے واپس تشریف نہیں لائے تھے جب حضرت مولانا شوال ۱۳۳۲ھ میں تھانہ بھون سے حسب معمول مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور اپنی جگہ پر پہنچے تو حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نے مولانا کو اس پر مبارک باد دی کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ کو حضرت مولانا اشرف علی صاحب کی طرف سے اجازت و خلافت سے نواز دیا ہے ۔

مولانا نے عرض کیا کہ پوری مبارک باد توجب ہوگی کہ حضرت مولانا خلیل احمد بھی اس کی تصدیق فرمادیں ۔ مولانا کا ندھلوی نے فرمایا کہ وہ بھی انشاء اللہ فرمادیں گے اور تمہارا شیخ تو میں بھی ہوں ۔ میں تم کو اپنی طرف سے اجازت و خلافت دیتا ہوں ۔ مولانا نے عرض کیا واقعی آپ بھی میرے شیخ ہیں آپ کی طرف سے طرف سے اجازت و خلافت بھی میرے لیے بڑی نعمت ہے جس کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا ۔ ہمارے مولانا مرحوم کو اس کا افسوس رہا کہ حضرت مولانا خلیل احمد کی سفرِ حرمین سے واپس تشریف آوری اس وقت ہوئی جب مولانا محمد یحییٰ صاحب کی وفات ہو گئی تھی ۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی تصدیق کے سفرِ حرمین سے واپسی

پر حسب ارشاد حضرت حکیم الامت تھانوی مولانا مرحوم نے وہ خطوط جس میں سلسلہ چشتیہ میں خلافت و اجازت بیعت دی گئی تھی حضرت سہارنپوری کی خدمت میں

پیش کر دیئے حضرت سہارنپوریؒ نے اس وقت تو اس اجازت کو قبل از وقت فرمایا اور برابر ذکر و اذکار اور کام میں لگے رہنے کی ہدایت فرمائی۔ پھر ایک سال کے بعد حضرت مولانا سہارنپوریؒ نے بھی اس کی تصدیق فرمادی اور فرمایا کہ میں اس وقت سفر حجاز سے آیا تھا تمہارے حالات میں غور کرنے کا موقع نہ ملا تھا۔ اب میں نے غور کر لیا ہے۔ مبارک ہو اللہ تعالیٰ نے نسبت باطن سے نواز دیا ہے۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب کی اجازت کو صحیح سمجھو۔ اللہ تعالیٰ مزید برکت اور ترقی عطا فرمائیں۔

اس طرح حضرت مولانا مرحوم کو بارگاہ اشرفی اور دربار خلیلی دونوں سے فیض روحانی حاصل ہو کہ نسبت چشتیہ اور نقشبندیہ دونوں نسبتوں کی جامعیت کا شرف حاصل تھا مگر اس پر بھی حضرت مولانا مرحوم کی انکساری اور بے نفسی کی یہ حالت تھی کہ نہ تو ان نسبتوں کے حصول کو کبھی اپنی قابلیت کا ثمرہ سمجھا اور نہ اجازت بیعت و خلافت کے عطا ہونے کو اپنی اہلیت پر معمول فرمایا۔

چنانچہ اس اجازت و خلافت کے عطا ہونے کے بعد اپنی اس دلی کیفیت کا جو حال مولانا مرحوم نے اپنے پیر و مرشد حضرت تھانویؒ کی خدمت میں عرض کیا تھا وہ یہ تھا :-

”دل کی عجیب کیفیت ہوئی ندامت و خجالت سے آنسو آگئے، چراغ مردہ کجا نور آفتاب کجا؟ ناچیز اور یہ بار امانت خدا کی شان اور اس کا فضل و احسان میں اور کیا عرض کر دوں میں نہ کچھ تھانہ ہوں البتہ ۔

جمال ہمنشین در من اثر کرد و گم نہ من بہاں خاکم کہ ہستم  
عجز و انکسار کے ساتھ اس فضل خداوندی کا شکریہ ادا کرتا ہوں“ انوارِ نظر

حضرت مُرشد کی طرف سے عطیہ اور نعمت کے حصول پر عجز و انکسار کے ساتھ شکریہ ادا کرنا بڑی خوش بختی اور سعادت مندی کی دلیل ہونے کے علاوہ دولت باطنی میں رسوم اور مدارج سلوک میں ترقی اور کمال کا سبب بھی ہوتا ہے۔

**عبدیت و فنا اور غلبہ تواضع** | عبدیت و فنا اور تواضع میں حضرت مولانا مرحوم کا خاص مقام تھا۔ چنانچہ مولانا کے حالات پر مشتمل ایک خط کے جواب میں حضرت مُرشد تھانویؒ نے اس مقام کے حصول کی ان الفاظ میں تصدیق فرمائی ہے :-

”یہ غلبہ تھا تواضع کا مرتبہ فنا تک پہنچا ہوا“

ایک والا نامہ میں حضرت مُرشد تھانویؒ نے یوں ارقام فرمایا ہے :-

”یہ غلبہ ہے عبدیت و فنا کا“

مولانا نے گونا گوں مقامات عالیہ پر فائز ہونے اور رنگارنگ نسبتوں سے رنگین ہونے کو ہمیشہ فضل خداوندی سمجھا اور اپنے مشائخ کرام کے برکات اور توجہ خلیل و اشرفی کا فیضان تصور کیا اس لیے اس پر نہ تو کبھی فرحان ہو کر عجب و پندار میں ابتلاء کی نوبت آئی اور نہ ہی ان کمالات کو اپنی ذاتی قابلیت کا ثمرہ سمجھ کر اس پر فخر و مباہات سے سر بلند کیا بلکہ تواضع و انکسار اور عجز و نیا کو پیشہ بنائے رکھا اور ہمیشہ اپنی عدم قابلیت اور نااہلیت پیش نظر رہی۔ خود حضرت مولاناؒ نے اپنی جس دلی حالت اور قلبی کیفیت کا اظہار حضرت حکیم الامت عمادِ حق رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حسب ذیل اشعار کے ذریعے کیا ہے اس سے بھی یہ حقیقت ظاہر ہے کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ خودی کو بالکل مثلے ہوئے تھے اور اپنے کو ان کمالات کا مستحق اور قابل نہیں سمجھتے تھے بلکہ لطف اور رحمت خداوندی

کاٹھو عطا فرماتے تھے۔ وہ اشعار یہ ہیں :-

مجھ پہ یہ لُطْفِ فراواں میں تو اس قابل نہ تھا  
تیری اس رحمت کے قرباں میں تو اس قابل نہ تھا  
یہ تھی دست ازل بھی تیرے در سے اے کریم !  
لے چلا ہے بھگر کے داماں میں تو اس قابل نہ تھا

واقعہ عذر از اخذ بیعت | ایک زمانہ ایسا بھی آیا کہ حضرت مولانا پر اس تواضع اور فنائیت کا اس قدر شدت کے ساتھ غلبہ ہوا

کہ آپ نے اپنے پیر و مرشد حضرت تھانویؒ کے خدمت میں بیعت لینے سے بھی عذر کر دیا۔ اس حقیقت کا اظہار خود حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے درج ذیل الفاظ کے ساتھ اعلان فرما کر کیا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اعلان کے الفاظ یہ ہیں :-

”مولوی ظفر احمد صاحب نے غلبہ تواضع سے اس خدمت سے عذر کر دیا ہے“  
(النور بابت ماہ صفر ۱۳۵۹ھ)

حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے اپنے خصوصی تربیت یافتہ اور مرشد خاص کے حالات سے واقفیت کی بناء پر اپنی باطنی بصیرت سے مولانا کے اس عذر بیعت کے جس سبب کی تشخیص غلبہ تواضع سے کی ہے یہ حضرت مولانا مرحوم رحمۃ اللہ علیہ کا وہی مقام خاص عبدیت و فناء اور حال رفیع ”غلبہ تواضع“ تھا جس کا اظہار حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے والانا مولوں میں ہمیشہ سے ہی فرماتے رہے ہیں ۔

مولانا کا ایک خواب | اس مقام سے مناسب حضرت مولانا مرحوم کا ایک خواب اور  
حضرت تھانویؒ کی طرف سے اس کی تعبیر کا تذکرہ بہتر

معلوم ہوتا ہے۔

حضرت مولانا تھے خواب میں دیکھا کہ حکیم الامت تھانویؒ کے خلفاء کی فہرست  
ایک کاغذ پر لکھی ہوئی دیکھی تھی۔ اس میں دو درجے مقرر کئے گئے تھے۔ اوپر کے  
درجہ پر خلفاء ذلت اور نیچے کے درجہ میں خلفاء دیوانگی کا عنوان تھا اور مولانا  
مرحوم نے اپنا نام خلفاء ذلت میں دیکھا تھا۔ اس کی تعبیر میں حضرت حکیم الامتؒ  
نے مولانا کو مقام عبدیت کے حصول پر جو کہ خاص مذاق نبوت ہے بڑی مسرت  
کے ساتھ مبارک باد دی۔ حضرت مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا :-

”ما شاء اللہ مبارک ہو، واللہ بڑی مسرت ہوئی ذلت ٹھیک ترجمہ ہے،  
عبدیت کا يقال طریق معبداء مدلل والتعبید والتذلل وهو معروف  
اور ظاہر ہے کہ عبدیت خاص مذاق ہے نبوت کا وہ طریق شورش سے کہ مراد ہے  
دیوانگی سے افضل ہے غلو بی لکھ نہ طوبی لکھ۔“

جب جناب حسام اللہ صاحب شمر لکھی نے حضرت مولانا مرحوم کے حالات معلوم  
کرنے کے لیے چند سوالات ارسال کئے تو ان کے جوابات شروع فرمانے  
سے پہلے بھی اسی تواضع اور عبدیت کا اظہار ان الفاظ سے ہو رہا ہے  
فرماتے ہیں :-

”اپنے حالات کیا لکھوں؟ جس کو فناء کا سبق پڑھایا گیا ہو وہ  
اپنے وجود ہی کو گناہ سمجھتا ہے حالات کا کیا ذکر؟ وجود ک

ذنب لایقاس بہ ذنب ۛ

تو درگم شو و مال این است و بس  
گم شدن گم کن کمال این است و بس  
مگر آپ کی طلب اور حق ظن کی خاطر کچھ لکھے دیتا ہوں۔“

(انوار النظر ص ۵)

مولانا مرحوم کو ذکر کے وقت غنودگی میں اور خواب  
علوم و معارف کا القاء میں بھی بڑے بڑے حقائق و معارف کا  
القاء ہوتا تھا اور علوم صحیحہ کا ادراک کرایا جاتا تھا اور آپ کو بڑی ہی عجیب و  
غریب تحقیقات سے نوازا جاتا تھا۔

صوفیائے کرام کے نزدیک ایسے علوم صحیحہ اور معارف دقیقہ کا ادراک و  
کشف ذکر اللہ کے نتائج اور صفائے قلب کے آثار مبارکہ اور تزکیہ باطن کے  
ثمرات قرار پاتے ہیں۔

ایک دفعہ مولانا ذکر اللہ میں مشغول تھے کہ خود بخود حالت غنودگی طاری  
ہو گئی اور اسی حالت میں حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ مولانا  
کے دل کے اندر دو ستون قائم کر دیئے اور فرمایا :-

”یہ ایک ستون مولانا رشید احمد گنگوہی کا ہے اور ایک ستون مولانا

محمد قاسم صاحب کا ہے۔“

اس حالت کا ذکر جب مولانا نے حضرت حکیم الامت سے کیا تو حضرت موصوف  
نے اس پر یہ لکھ کر مبارک باد دی کہ :-

”اول نسبت نبوت ہے ثانی نسبت ولایت مولانا گنگوہی پر اول غالب تھی اور  
مولانا ناتوی پر ثانی کا غلبہ تھا۔“

**عجیب تحقیق** | مقامات انبیاء علیہم السلام کی سیر کے متعلق ایک عالم سے مولانا کی خواب میں عجیب و غریب گفتگو ہوئی جس کو حضرت حکیم الامتؒ نے عجیب تحقیق قرار دیا ہے، وہ عالم فرماتے تھے کہ مقامات انبیاء علیہم السلام میں کسی کو ہوا بھی نہیں لگی، مولانا نے فرمایا کہ مقامات انبیاء علیہم السلام میں رسوخ تو غیر نبی کو نہیں ہو سکتا۔ لیکن محسن ان مقامات کی سیر کر لینا اور ان کو جان لینا ممکن ہے۔ اور الحمد للہ میں نے مقامات انبیاء علیہم السلام کی سیر کی ہے۔ صعود تو بہت سہل تھا مگر نزول کے وقت دشواری معلوم ہوتی تھی۔“

خواب کی اس گفتگو کو جب حضرت مولانا نے حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں پیش کیا تو حضرت نے اُس پر تحریر فرمایا :-

”مقامات انبیاء علیہم السلام کے متعلق عجیب تحقیق معلوم کرائی گئی جو مجموعہ قولین سے ثابت ہوئی یعنی حصول قوی تو ان مقامات کا غیر نبی کو نہیں ہو سکتا مگر سیر نظری ہو سکتی ہے فاجتماعاً“ حضرت تھانویؒ کی اس تحریر سے بعینہ اسی تحقیق کا حق اور عجیب ہونا ثابت ہوا جس کا ذکر مولانا نے خواب میں فرمایا تھا۔

**ایک آیت کے متعلق عجیب و غریب ایک الہامی نکتہ** | مولانا نے خواب میں دیکھا کہ ایک مجمع

میں ممبر رکھا ہوا ہے اور حضرت حکیم الامتؒ کے ارشاد پر مولانا نے اس آیت کا وعظ شروع کیا: **اللہ الذی خلقکم من ضعف ثم جعل من بعد ضعف قوۃ ثم جعل من بعد قوۃ ضعفاً وشیبۃ**۔ اور اسکی تشریح میں فرمایا کہ ”حق تعالیٰ شانہ کی عجیب قدرت ہے کہ اول بچہ کمزور پیدا ہوتا ہے اس میں یہ حکمت ہے کہ اگر وہ اول ہی سے مضبوط اور قوی ہوتا تو ماں کے

پہٹ سے پیدا نہ ہو سکتا۔ بچہ اول اول ایسا نرم ہوتا ہے کہ اگر اس کے عضو کو موڑنا چاہیں تو موڑ سکتا ہے۔ ہوا لگنے سے اُس میں قوت آتی ہے۔ پھر جوانی کے بعد کمزوری پیدا ہوتی ہے اس میں یہ راز ہے کہ روح نکلنے سے تکلیف ہوتی ہے اس لیے موت سے پہلے بڑھاپا آتا ہے کہ روح کو نکلنے میں سہولت ہو اور جس کو بڑھاپے میں بھی روح کے نکلنے کے وقت سخت تکلیف ہوتی ہے یہ محض اظہار قدرت ہے کہ حق تعالیٰ شانہ صنعت میں بھی نردوج روح سے تکلیف پہنچا سکتے ہیں۔“

حضرت حکیم الامتؒ نے اس پر تحریر فرمایا :-

” خواب میں آیت کے متعلق عجیب و غریب نکتہ ظاہر ہوا ایسے منامات بشارت ہوتے ہیں علوم موہوبہ کی حق تعالیٰ مبارک فرماویں۔“

اسی طرح ایک اور خواب کے جواب میں بھی حضرت حکیم الامتؒ مقانویؒ نے مولانا کو اعطائے علوم و احوال کی بشارت کے ساتھ مبارک باد دی ہے چنانچہ مرشد مقانویؒ تحریر فرماتے ہیں :-

” تعبیر کا کیا پوچھنا مثالی شکل کے لیے تعبیر کی حاجت ہوتی ہے یہ تو صریح بشارتیں ہیں اعطائے علوم و اعمال و احوال کی مبارک ہو۔“

عطائے علوم موہوبہ کی بشارتیں اور اعمال و احوال پر مبارکبادیاں دینے کے ساتھ حضرت مولانا سے لوگوں کو روحانی اور علمی فیض کے پہنچنے کی بھی حضرت حکیم الامتؒ مقانویؒ نے حضرت مولانا کو بشارتیں دی ہیں اور اس فیضان میں اپنی دراشت کی طرف اشارہ کی بھی نشاندہی فرمائی ہے چنانچہ ایک اور والا نامہ میں حضرت مقانویؒ نے مولانا سے حال اور علمی فیض کے جاری ہونے

کی ان لفظوں میں بشارت دی تھی :-

”انشاء اللہ اُس عزیز سے نفین حالی و علمی پہنچنے والا ہے“

**وراثت کی طرف اشارہ** | مولانا مرحومؒ نے حالت غنودگی میں دیکھا کہ خواجہ صاحب حکیم مصطفیٰ صاحب، حضرت حکیم الامت

کے مکان میں دسترخوان پر بیٹھے چاول کھا رہے ہیں۔ مولانا بھی ایک رکابی پر بیٹھ گئے جس میں حضرت والائے کچھ تنادل فرما کر کچھ حصّہ بچا دیا تھا۔ مولانا کی شکایت پر خواجہ صاحب ہنس کر بولے اور کیا چاہتے ہو؟ تم نے تو حضرت شیخ کے سامنے کاکھانا کھایا۔“

حالت غنودگی کے اس واقعہ پر حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے اپنی وراثت کی طرف اشارہ کی بشارت سے مولانا کو نوازتے ہوئے اپنی رائے گرامی کا ان الفاظ سے اظہار فرمایا:-

”وراثت کی طرف اشارہ ہے“

**خواب میں مولانا کا امامت کرنا اور حضرت تھانویؒ کی نگرانی** | ایک مرتبہ مولانا نے خواب میں

دیکھا کہ وہ خود نماز کی امامت کر رہے ہیں قرأت جہر سے کر رہے ہیں اور حضرت حکیم الامت تھانویؒ نماز سے علیحدہ تشریف فرما ہیں۔ حضرت مُرشد تھانویؒ نے اس خواب کے جواب میں درج ذیل تفصیلی تحریر سپرد قلم فرمائی اور اپنی نگرانی میں مولانا کے سلوک کی رہبری کرنے کے واقعہ کو اس کی تعبیر قرار دیا۔ حضرت تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں:-

”امامت رہبری ہے سلوک کی جو کہ بوجہ ذریعہ قرب ہونے کے نماز کی

صورت میں متمثل ہوا۔ اور چونکہ اس رہبری کے لیے اسماع طریق کا مخاطب کو لازم ہے اس لیے قرأت کو باہر دیکھا اور چونکہ اس رہبری میں میرا تعلق تم سے متبوعیت کا ہے نہ کہ تابعیت کا اس لیے مجھ کو شریک یعنی مقتدی نہیں دیکھا بلکہ نگرانی کرتے ہوئے پایا چنانچہ واقعہ بھی یہی ہے۔

حضرت حکیم الامت تھانوی کی طرف سے مولانا مرحوم کے بارے میں یہ تمام بشارات منامیہ اور عالم واقعات کی تعبیری بشارتیں اللہ کے فضل و کرم سے ایک ایک کر کے ہو بہو ظاہر و نمودار ہوئیں اور سب کی سب حقیقت بن کر رونما ہوئیں اور حضرت تھانوی اپنے اس تربیت یافتہ روحانی و جسمانی فرزند کے علوم و معارف سے اپنی نگرانی میں لوگوں کو فیضیاب و سیراب ہوتا ہوا دیکھ کر ہمیشہ مسرور ہوتے اور خوشی کا اظہار فرماتے رہے۔

**افاضہ باطنی اور طریق تربیت** حسب بشارت حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ علیہ بفضلہ تعالیٰ مولانا مرحوم سے حضرت تھانوی کی حیات میں ہی افاضہ باطنی اور تعلیم و تربیت سلوک کا سلسلہ جاری ہو گیا تھا آپ کے چشمہ فیض سے صد ہا لوگوں کو روحانی اور علمی فیض پہنچا اور اس دریا علم و معرفت سے ہزار ہا خلق خدا فیض یاب اور سیراب ہوئی۔

حضرت مولانا مرحوم کا طریقہ تربیت اور سلوک و تقویٰ بہت سادہ اور سنت کے موافق سہل اور آسان تھا۔ ساتھ ہی حضرت مرشد تھانوی قدس سرہ کے اصول تعلیم و تربیت کی مطابقت کا اس میں ہر طرح سے لحاظ رکھا جاتا تھا۔ آپ کا طریقہ تعلیم و تربیت معلوم کرنے کے لیے حضرت مولانا کی تعلیمات متعلقہ تربیت کے اس مجموعہ کا ملاحظہ کرنا ہی کافی ہے جو حضرت مولانا کے مسترشد خاص اور خلیفہ مولوی

علی محمد صاحب مدح پوری مرحوم کے خطوط متعلقہ اصلاح باطنی کے جوابات میں حضرت مولانا نے ارقام فرمایا ہے اور وہ مجموعہ تربیت حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی نظر انور میں قبولیت کا ثمر حاصل کر کے حضرت فالارحمۃ اللہ کی حیات مبارکہ میں النظر الجلی باثر العلی کے نام سے شائع ہوا تھا۔ یہ مجموعہ سلوک اس بات کی قوی شہادت اور حضرت تھانویؒ کی طرف سے تصدیق ہے کہ حضرت مولانا مرحوم کا افاضہ باطنی اور تربیت سالکین کا طریقہ حضرت مرشد تھانویؒ کے بالکل موافق تھا اور آپ کی تربیت باطن اور اصلاح نفس کا طرز حضرت تھانویؒ کا پسند فرمودہ تھا۔

جس تربیت یافتہ کو ایک عرصہ تک اپنے مرشد و مربی کی زیر نگرانی اپنے متعلقین کی تعلیم و تربیت اور اصلاح نفس کا کام انجام دینے کا موقع میسر آگیا ہو اور اس کو خود مصلح نے اسی راستہ کے نشیب و فراز سے واقف بنا دیا ہو اور تربیت و سلوک کے مشکلات کا حل کا طریقہ علی طور پر سکھلادیا ہو تو پھر اس کے طریق اصلاح و تربیت کے قابل اعتماد اور پختہ ثمرات ہونے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے۔ اس کی مثال بعینہ یہ ہے کہ جس طرح کسی طبیب حاذق کے شاگرد رشید کو اپنے اساذ کے مطب میں بیٹھ کر اس کی زیر نگرانی مرینوں کا علاج کرنے اور تجربہ حاصل کرنے کا موقع میسر آگیا ہو تو اس خوش قسمت شاگرد کے لیے جہاں یہ بہت بڑی سعادت مندی کی دلیل ہے اس کے ساتھ ہی یہ بات اسکے طریق معالج پر اعتماد اور اس کی تشخیص و تجویز کے لائق اعتبار ہونے کی بھی ماہر اساذ کی طرف سے بڑی وزنی شہادت ہے۔

حقیقت سلوک اور ضرورت تصوف | بعض علما و ظاہر تصوف و سلوک کی حقیقت سے ناواقفیت کی وجہ سے اس میں کلام کیا کرتے ہیں بلکہ بعض تو اس کو بدعت بتلاتے ہیں۔ حضرت مولانا مرحوم نے ایسے

علماء ظاہر کو سمجھانے کے لیے سلوک و تصوف کی حقیقت کو ظاہر فرما کر اس کے ضروری ہونے پر جو تقریر فرمائی ہے اس کو اس جگہ نقل کیا جاتا ہے :-

”حقیقت یہ ہے تصوف نام ہے تعمیر الظاہر والباطن کا یعنی اپنے ظاہر و باطن کو درست اور محمود کرنا، ظاہر کو اعمال جوارح ضروریہ سے اور باطن کو عقائد و اعمال باطنہ سے مثل اخلاص و شکر و زہد و تواضع وغیرہ جن کے ضروری ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔ آیات قرآنیہ و احادیث نبویہ سے ان کی ضرورت ثابت ہے ان کا حاصل کرنا تو ہر مسلمان کے ذمہ فرض عین ہے۔ آج کل بڑی غلطی یہ ہو رہی ہے کہ لوگوں نے شریعت کو صرف اعمال ظاہرہ کا مجموعہ سمجھ لیا ہے۔ اخلاق باطنی کا حاصل کرنا ضروری نہیں جانتے حالانکہ تمام قرآن مجید اخلاص، صبر و شکر اور رضا وغیرہ اخلاق حمیدہ کے حاصل کرنے کا امر اور حسد و تکبر و ریا اور عجب وغیرہ اخلاق مذلیلہ کی ممانعت بکثرت وارد ہوئی ہے۔ جب قرآن مجید میں ان چیزوں کے احکام بھی مذکور ہیں تو یہ شریعت سے باہر کیونکر ہو سکتی ہے؟ انہی چیزوں کے حاصل کرنے کا طریقہ تصوف کہلاتا ہے۔ اور اس قدر تصوف تو ہر شخص کے ذمہ ضروری ہے۔“

علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کی عمود محمدیہ کی عبارت کو نقل فرمانے کے بعد پھر فرماتے ہیں :-

”تصوف کا ایک درجہ یعنی برے اخلاق کی اصلاح اور اچھے اخلاق کی تحصیل یہ تو ضروری اور فرض ہے۔ اس کے بعد دوسرا درجہ ہے وہ مستحب ہے وہ یہ کہ ظاہری اعضاء کو علاوہ ضروری طاعات کے غیر ضروری طاعات نوافل وغیرہ میں مشغول کرنا اور باطن کو دوام ذکر اللہ میں منہمک کر دینا یہ مرتبہ

وہ حقیقت مستحب ہے مگر بعض وجوہ سے یہ بھی ضروری ہو جاتا ہے۔“

اس کے بعد حضرت حکیم الامتؒ کے رسالہ تکشف سے حقیقت طریقت کو واضح کر کے تحریر فرماتے ہیں :-

”اب اس بیان کے بعد کوئی بتلائے کہ تقوٰت ضروری چیز ہے یا نہیں اور جو لوگ اس کو بدعت سمجھتے ہیں انہوں نے ذکر وغیرہ کی خاص ہیئت اور ترکیب کو تقوٰت کا مقصود سمجھ لیا ہے۔ یا بعض مسائل مثلاً وحدت الوجود کی تحقیق میں تقوٰت کو منحصر خیال کر رکھا ہے۔ حالانکہ طریقہ ذکر و شغل وغیرہ مثل طبی معالجات کے بتلائے جاتے ہیں۔ نہ وہ عبادت سمجھے جاتے ہیں نہ مقصود اور مسائل زبانی تحقیق کو تقوٰت سے کوئی بھی تعلق نہیں بلکہ دراصل وہ حالات ہیں جو سالک کو پیش آتے ہیں۔ کبھی سالک کی تسلی کے لیے زبانی بھی ان کو بتلادیا جاتا ہے۔ تقوٰت کے تمام اصول و فروع و تدان و حدیث میں موجود ہیں۔ تقوٰت کی ضرورت اور اس کا ہر طریق مطابق سنت ہونا معلوم کر کے ہر مسلمان پر اس کے ضروری حصہ کا حاصل کرنا واجب ہے“ (الدر المنصور)

مودوری صاحب کو تقوٰت کی طرف متوجہ کرتے ہوئے حضرت مولاناؒ تحریر فرماتے ہیں :-

”نسبت صوفیہ غنیمت کبریٰ اما رسوم ایشان پہنچ نیرزد، شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس مقولہ کو پیش نظر رکھ کر نسبت صوفیہ کے حاصل کرنے کی پوری کوشش کی جائے۔ کیونکہ اس کے بغیر درجہ احسان حاصل نہیں ہوتا۔ جس پر کمال ایمان موقوف ہے اور اس نسبت کے لیے رسوم صوفیہ یا ان کے اشغال مروجہ کی اصلاً ضرورت نہیں۔ مگر اہل نسبت کی صحبت از بس

ضروری ہے ۔

قال را بگذار مرد حال شو پیش مرد کامل پامال شو  
نیز تصور شیخ معمولہ بعض مشائخ کی حقیقت کا اظہار مولانا مرحوم نے  
ان الفاظ سے فرمایا کہ :-

”تصور شیخ کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ وصول الی اللہ کے لیے قلب  
کو حُب دینا اور علائق ماسوا اللہ سے پاک و صاف کرنا ضروری ہے ۔ اس کا  
ایک طریقہ تو یہ تھا کہ ہر چیز کی محبت کو ایک ایک کر کے الگ الگ نکالا جائے  
یہ راستہ طویل بھی ہے اور بعض کے لیے دشوار بھی ۔ اس لیے بعض محققین نے  
یہ طریقہ اختیار کیا کہ ان سب پر کسی ایک کی محبت کو غالب کر دیا جائے ۔ اس  
کے غلبے سے دوسری اشیاء کی محبت مغلوب و مضلل ہو کر معدوم یا کالعدم ہو جائیگی  
پھر اس ایک محبت کا مغلوب کرنا یا نکالنا زیادہ دشوار نہ ہوگا ۔ اس کے لیے  
محبت شیخ کو تجویز کیا گیا کہ اس سے طالب کو فی الجملہ محبت ہوتی ہے اور  
چونکہ یہ محبت لوجب اللہ ہے اس لیے اس کا غلبہ محبت حق میں معین ہوگا اس سے  
مانع نہ ہوگا ۔ جب غلبہ شیخ سے دوسری اشیاء کی محبت مغلوب ہو جائے  
تو جب شیخ کو مغلوب کرنے کے لیے تصور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم دی  
جاتی ہے اس کے بعد فنا فی اللہ کا راستہ شروع کر دیا جاتا ہے“

(رسائل و رسائل ص ۱۵۴ ج ۲)

فیض ظاہری کی طرح حضرت مولانا رحمہ اللہ علیہ کا فیض باطنی بھی ملک کے  
 گوشہ گوشہ میں عام تھا اور سلہٹ ، ڈھاکہ ، جیسور اور رنگون وغیرہ دور دراز  
نہ کے علاقوں میں پھیلا ہوا تھا ۔ مشرقی اور مغربی حصوں میں حضرت مولانا کے

تربیت یافتہ لوگوں کی کثیر تعداد ہے۔ آپ سے سیکڑوں بلکہ ہزار ہا بندگان  
خدا کے تعلیم و تربیت حاصل کی اور فیض پایا اور منازل سلوک طے کر کے مقصود  
نیک پہنچے۔

ڈھاکہ اور اس کے اطراف میں خصوصیت کے ساتھ حضرت مولانا مرحوم کا  
فیض بہت لوگوں کو پہنچا۔ ڈھاکہ میں آپ کا عرصہ تک قیام رہا اور ترک ملازمت  
کے بعد بھی ڈھاکہ سے آپ کا تعلق خاطر ہمیشہ قائم رہا اور تقریباً ہر سال ہی ماہ  
شعبان اور رمضان المبارک میں آپ کا قیام ڈھاکہ میں ہوتا تھا۔ وہاں کے متوسلین  
کا تقاضہ رہتا تھا کہ سال میں کم سے کم دو ماہ ہمارے یہاں تربیت و تعلیم کے  
لیے تشریف لایا کریں۔ اس لیے ہر سال آپ ڈھاکہ کا سفر فرماتے تھے۔ اور  
ہزاروں متوسلین وہاں کے قیام میں باطنی تربیت حاصل کیا کرتے اور بہت سے  
تشیگان علوم علمی استفادہ کرتے تھے۔ ایک والانامہ بنام احقرہ میں  
ارقام ہے :

”میں شعبان کے آخر میں ڈھاکہ اور رنگون کے سفر پر روانہ ہو گیا تھا۔  
۲۲ ذی قعدہ کو یہاں پہنچا ہوں“

والانامہ سے ظاہر ہے کہ اس سفر ڈھاکہ اور رنگون میں آپ کے مسلسل  
دو ماہ سے بھی زیادہ کا عرصہ صرف ہوا تھا۔  
دوسرے والانامہ میں ہے :-

”الحمد للہ! سفر ڈھاکہ سے واپسی بخیریت ہوئی۔ یہ عجیب بات ہے کہ ڈھاکہ  
میں جاکر درد وغیرہ کی تکلیف میں کمی ہو جاتی ہے۔ شاید مجھے وہاں کی آب و ہوا  
موافق ہے“ ۲ رمضان ۱۳۸۵ھ

**مجازین بیعت اور خلفاء** | حضرت مولانا سے تربیت باطنی حاصل کر نیوالوں اور روحانی فیض پانے والوں میں بعض ایسے

خوش نصیب حضرات بھی ہیں جن کو حضرت مولانا نے اصلاح نفس اور تربیت باطنی کے بعد مشائخ کرام کے معمول کے موافق بقاء سلسلہ اور فیض باطنی کے مسلسل جاری رہنے نیز نسبت باطنیہ سلسلہ کے تحفظ کی خاطر اجازت بیعت سے بھی نوازا ہے۔ اور اس بار امانت کا مستحق اور متحمل دیکھ کر خلعت خلافت سے سرفراز فرمایا ہے۔ حضرت مولانا مرحوم کے فیض یافتہ مجازین کی فہرست میں جہاں عربی مدارس کے فیض یافتہ بڑے بڑے علماء شیخ الحدیث اور مشہور خطیب و مدرس نظر آئیں گے وہاں سرکاری مدارس میں تعلیم پانے والے اور انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ بھی حضرت مولانا کے افاضہ باطنی سے محروم نہیں رہا اور اس طبقہ میں سے بھی متعدد حضرات نے تعلیم و تربیت حاصل کر کے گوہر مقصود کو پالیا اور وہ فائز المرام ہو کر مجاز بیعت اور شیخ طریقت قرار پائے۔

حضرت مولانا مرحوم رحمہ اللہ علیہ کے اجازت یافتہ حضرات میں سے بعض حضرات تو حضرت مولانا کی حیات میں وفات پا کر واصل بحق ہو چکے ہیں اور متعدد حضرات اب بھی بقید حیات ہیں۔

وفات یافتہ اور بقید حیات حضرت مولانا مرحوم کے تمام خلفاء اور اجازت یافتہ حضرات کے ناموں کی فہرست آگے آ رہی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام بقید حیات حضرات کو اصلاح و تربیت کے کام میں مشغول رہنے اور تشنگان معرفت کو سیراب کرنے کی توفیق عنایت فرماتے رہیں اور ان سب حضرات کے ظاہری و باطنی فیوض کو عام و تمام فرمائیں۔ آمین۔

امید ہے کہ ان حضرات کی تعلیم و تربیت اور اصلاحی خدمات کو بھی حضرت مولانا مرحوم رحمہ اللہ علیہ کی باقیات صالحات میں شمار کیا جائے گا اور ان حضرات کی اس راہ میں سعی اور کوشش کو واسطہ اور وسیلہ ہونے کی وجہ سے حضرت مولانا مرحوم رحمہ اللہ علیہ کے حق میں بلندی درجات کا سبب اور ذخیرہ آخرت بنا دیا جائے گا۔

**طالبین کی خدمت میں احقر کی گزارش** | عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ جن لوگوں نے بڑوں کو دیکھ لیا ہوتا ہے

اور ان کو بزرگوں کی صحبت میسر آ جاتی ہے تو ان کی نظروں میں ان کے جانشینوں اور بعد والوں کی کچھ زیادہ قدر و وقعت نہیں ہوتی۔ مگر طالبین و مقتدین اور اس راستہ میں کام کرنے والوں کے لیے یہ بات ہر وقت پیش نظر رکھنے کی ہے کہ اصل مربی اور ہادی حق سبحانہ و تعالیٰ کی ذات حق ہے شیوخ تربیت اور مرشدین اسم ہادی کے صرف مظاہر اور محض وسائط تربیت و وسائل ہدایت ہوتے ہیں۔ جب کوئی اللہ کا طالب اپنے مولے کی طلب و تلاش میں اس راہ پر گامزن ہوتا اور طریق سلوک میں قدم رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ جل شانہ حسب وعدہ ویہدی الیہ من ینیب۔ خود اس کی دستگیری اور رہنمائی کرتے اور اس کی ہدایت کا سامان پیدا فرما دیتے ہیں۔ اور جس طرح وہ ہادی مطلق شیوخ کا ملین کو قطع راہ سلوک اور منزل مقصود تک پہنچانے میں ذریعہ اور واسطہ بناتے ہیں اسی طرح حق سبحانہ کو منظور ہوتا ہے تو ان سے کم درجہ اور فروتر تہ بعد والوں کو بھی واسطہ بنا کر اپنا فیض ہدایت طالبین تک پہنچا کر ان کو بامراد بنا دیتے ہیں اور جس طرح بڑے کنوئیں سے پیاسوں کو سیرابی حاصل

ہوتی ہے۔ چھوٹا کنواں بھی پیاسے کی پیاس کے بجھانے کے لیے کافی ہو جاتا ہے اس لیے طالبانِ حق اور شاگردانِ معرفت اللہ کے لیے چھوٹے بڑے کسی بھی چشمہ معرفت سے استغناء اور بے پرواہی کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ اس کی پیاس بجھانے اور سیرابی کے لیے ہر قسم کے چھوٹے بڑے چشمہ ہدایت اور ہر زمانہ کے شیوخ اور مربی انشاء اللہ تعالیٰ کافی وافی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کہ یہ ارشاد و ہدایت اور فیضِ رسانی کا یہ سلسلہ زمانہ خیر القرون سے ہمارے زمانے تک اسی طرح چلا آ رہا ہے۔ ایک کے بعد دوسرا اس کی جگہ سنبھالتا رہا ہے لیکن ہر جانے والے کے بعد اس درجے اور مرتبے کا شخص اس کے قائم مقام ہو یہ بہت کم دیکھنے میں آتا ہے پھر بھی استفاضہ اور افاضہ باطنی کا یہ سلسلہ برابر اور مسلسل قائم ہے اور فیاضِ حقیقی کی فیضِ رسانی کا تسلسل بغیر انقطاع کے ہمیشہ سے دائم ہے۔ اس لیے طالبین سلوک کو یہ سمجھ کر کہ ہماری تعلیم و تربیت کے لیے ان شاء اللہ موجودہ حضرات ہی کافی ہیں۔ جس صاحبِ اجازت سے بھی طبعی انس اور مناسبت پائیں ان کی طرف رجوع کرنے میں دریغ نہ کرنا چاہیئے انشاء اللہ محروم نہ رہیں گے۔

اگر نجد والامری اور معلم زیادہ کامل نہیں ہے تو اوپر والے حضرات تو کالمین میں سے ہیں۔ اس لیے اگر سلسلہ صحیح ہے تو انشاء اللہ تعالیٰ اوپر والوں کی برکت سے حقہ ملے گا اور ضرور فیض پہنچے گا۔ اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ زمانہ انحطاط اور قحطِ احوال کا ہے جن حضرات کو آج کم تر اور کم مرتبہ سمجھ کر ان کے ساتھ بے اعتنائی اور بے توجہی کی جا رہی ہے۔ شاید پھر آگے چل کر ایسے حضرات بھی نصیب نہ ہوں اور سوائے کفِ افسوس ملنے کے کچھ ہاتھ

نہ اٹھے اس لیے وقت اور موجودہ حضرات کو غنیمت سمجھ کر اپنی اصلاح کے کام میں لگ جانے کی ضرورت ہے۔

اس جگہ حضرت حکیم الامت بقاوی رحمہ اللہ علیہ معیار اجازت و خلافت کے خلافت دینے اور مجاز طریقت بنانے کے

معیار کا تذکرہ اشرف السواخ سے کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے اس معیار کو سامنے رکھ کر ہر شخص اپنے لیے مصلح اور مربی کی تعیین و تجویز بھی کر سکتا ہے اور خود حضرات مجازین کو بھی اپنی حالت کو ہر وقت اس معیار پر جانچنے اور پرکھتے رہنے کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ حضرات مجازین کے متعلق دوسرے لوگوں کے حسن ظن میں افراط اور غلو کرنے کا بھی اس معیار کو سامنے رکھنے سے اچھی طرح انسداد ہو جاتا ہے جن اوصاف کی بناء پر کسی سالک کو اجازت بیعت دی جاتی ہے اور مجاز طریقت بنایا جاتا ہے اس کا معیار حضرت حکیم الامت بقاوی کے نزدیک سالک میں حسب ذیل چند اوصاف کا پایا جانا ہے:-

”وصف اول یہ ہے کہ وہ متقی ہو اور وصف دوم یہ ہے کہ وہ خود اپنی اصلاح کئے ہوئے ہو۔ وصف سوم یہ ہے کہ اس کو طریق سے محض علمی نہیں بلکہ حالی مناسبت پیدا ہو چکی ہو اور وصف چہارم یہ ہے کہ اس میں دوسروں کے اصلاح کرنے کی اہلیت پیدا ہو گئی ہو۔ وصف پنجم یہ ہے کہ اوصاف مذکورہ میں اس کو بقدر ضرورت رسوخ حاصل ہو گیا ہو اور وصف ششم یہ ہے کہ اس سے یہ توقع بھی ہو کہ گوئی الحال اس کو اوصاف مذکورہ میں رسوخ کا صرف درجہ ضروریہ حاصل ہو رہے لیکن وہ آئندہ ترقی کر کے اس رسوخ کا درجہ کاملہ بھی حاصل کر لے گا۔“

(اشرف السواخ ص ۶۰۸ ج ۲)

اور چونکہ کسی کو مجازین میں داخل کرنے کی بناء اوصاف مذکورہ کے درجہ ضروریہ کے تحقق کا شیخ و مرئی کو صرف ظن غالب ہی حاصل ہوتا ہے۔ ان اوصاف کے حصول کا یقینی علم نہیں ہوتا اور نہ ایسا یقینی علم ہونے کی کوئی صورت ممکن ہے۔ موجودہ اوصاف کے حصول کے ظن اور درجہ کاملہ کے حصول کی توقع پر اجازت بیعت دے دی جاتی ہے اور اکثر و بیشتر شیخ کا یہ گمان واقع کے مطابق بھی ہوتا ہے اور اس کی یہ توقع صحیح ثابت ہوتی ہے۔

اس معیار کے علم کے بعد جس طرح کسی اجازت یافتہ کو اپنے بارے میں اس غلط فہمی کا کوئی موقع نہیں رہتا کہ ان کو صفت تقویٰ و صلاح وغیرہ میں اسی وقت رسوخ کا درجہ کاملہ بھی حاصل ہو گیا ہے اور شیخ کی طرف سے اجازت بیعت کمال رسوخ کی شہادت ہے جس سے اپنی اس موجودہ حالت پر قناعت کر کے فکر اصلاح سے غفلت اور باطنی ترقی سے رکاوٹ پیدا ہونے کا امکان تھا۔ بلکہ درجہ کمال کے حصول کی توقع نے اپنے نفس کی نگرانی اور اس کی اصلاح کی فکر میں پہلے سے بھی زیادہ منہمک اور مشغول کر دیا۔

اور حقیقت تو یہ ہے کہ فکر اصلاح سے زندگی کے کسی حصہ اور لمحہ میں بھی نجات حاصل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ صلاح و تقویٰ کے حصول کے نینق کی اب کوئی صورت ہی ممکن نہیں ہے۔ اس لیے زندگی کے آخری لمحہ تک ہر لمحہ اپنی اصلاح کی فکر اور دھن میں لگے رہنے کی ضرورت ہے اور حصول مقصود کے لیے ہر وقت کوشاں اور سامعی رہنا چاہیے۔

اسی طرح خدا نخواستہ اگر کسی اجازت یافتہ کی موجودہ حالت میں آئندہ چل کر تغیر محسوس ہونے لگے اور موجودہ حالت باقی نہ رہے یا شیخ

کی توقع کے برخلاف کسی کو متوقع درجے کا رسوخ حاصل نہ ہو تو اجازت دینے والے شیخ کی نگاہ بصیرت اور اس کے کمال معرفت میں کسی قسم نقص کا شبہ کرنے اور بدگمانی کے کرنے کا بھی اس معیار کے ملحوظ رکھنے سے پوری طرح سدباب ہو جاتا ہے۔

اس معیار اجازت و خلافت کی بڑی عجیب و غریب تحقیق حضرت مولانا مرحوم رحمہ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ انکشاف الحقیقۃ عن استخلاط الطریقہ میں بڑی تفصیل اور پورے بسط کے ساتھ فرمائی ہے اسی رسالہ کا تذکرہ زیر عنوان تالیفات اور پراچکا ہے۔

اس رسالہ میں حضرت مولانا تحریر فرماتے ہیں :-

”اجازت و استخلاط کی یہ حقیقت زمانہ سابق کے موافق ہے۔ آج کل مشائخ نے بوجہ کوتاہی عمر و قلت فراغ وغیرہ کے کسی قدر توسیع کر لیا ہے۔ یعنی پہلے زمانے میں تو اجازت و خلافت اس وقت دی جاتی تھی جبکہ طالب شیخ کے وجدان یا کشف میں فانی اور واصل ہو چکا ہو اور متاخرین نے یہ دیکھ کر کہ فناء کامل اور وصول کامل حاصل ہونے کے لیے عرصہ دراز کی ضرورت ہے۔ اگر اس درجہ کا انتظار کر کے اجازت دی جایا کرے تو تعلیم و تلقین اذکار کا کام بند ہو جائے گا۔ اس لیے وہ اس وقت اجازت دے دیتے ہیں۔ جبکہ طالب کو تلون ابتدائی کے مقابل ایک درجہ تکمیل کا عطا ہو جاوے اور ذکر اللہ کا غلبہ ایسا ہو جاوے کہ اکثر اوقات ذہول نہ ہوتا ہو اور مقام فناء اور دیگر مقامات سلوک سے کچھ کچھ مناسبت حاصل ہو جاوے گو ابھی رسوخ حاصل نہ ہوا ہو۔ اس درجہ میں پہنچ کر طالب فانی واصل تو نہیں ہوتا مگر وصول

کی قابلیت قریبہ ایسی حاصل ہو جاتی ہے کہ اگر طالب اپنے نفس کی نگہداشت  
 و زائل کبر و عجب وغیرہ تمام معاصی سے اسی طرح کرتا رہے جیسے ابتداء سلوک و  
 مجاہدہ کے وقت کرتا تھا اور ذکر و معمولات پر دوام رکھے اور شیخ سے مثل سابق  
 تعلق قائم رکھے تو ایک وقت میں ضرور واصل و فانی ہو جائے گا اور اس درجے  
 میں طالب سے ان امور کی امید غالب ہوتی ہے کہ وہ ایسا ضرور کرتا رہے گا۔  
 اور چونکہ اس وقت طالب کو طریق سے مناسبت معتد بہا حاصل ہو چکی ہے تو  
 وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ دوسروں کو وصول کا راستہ بتلا سکے اجازت  
 دے دی جاتی ہے۔“

جس طرح ایک طالب علم سند یافتہ مدرسہ سے نکل کر کتب بینی و تعلیم و  
 تدریس کا کام کر کے دس پندرہ سال کے بعد عالم متبحر ہو جاتا ہے اسی طرح  
 وہ طالب بھی جس کو مقامات سلوک سے کچھ مناسبت حاصل ہو چکی ہے اور  
 شیخ نے اسی کو اجازت دی دے ہے اگر برابر کام میں لگا رہا۔ اور  
 نگہداشت نفس سے غافل نہ ہوا تو کچھ عرصے کے بعد فانی کامل راسخ و واصل ہو  
 جاتا ہے اور جس طرح کہ وہ طالب علم جو مدرسے سے نکل کر جوتوں کی دکان  
 لے بیٹھے اور دنیا کے دھندوں میں پڑ کر کتب بینی، تدریس وغیرہ سے  
 بالکل جدا ہو جائے تو چند سال میں اس کی وہ استعداد و مناسبت علیہ بالکل زائل  
 ہو جاتی ہے جو مدرسے فارغ ہوتے وقت حاصل تھی۔ اسی طرح وہ طالب جو  
 مقامات سلوک سے قدرے مناسبت حاصل کرنے کے بعد اپنے نفس کی نگہداشت  
 سے غافل ہو جائے اور تمکین کے بعد معاصی کا ارتکاب کرنے لگے اس کی مناسبت  
 مذکورہ زائل اور قابلیت قریبہ مفقود ہو جاتی ہے۔

## صاحب نسبت اور صاحب مناسبت کا فرق

ان دونوں کی علامتوں کو حضرت مولانا مرحوم رحمہ اللہ علیہ نے بہت واضح الفاظ میں ظاہر فرمادیا ہے جو ہر مجاز کے ہر وقت پیش نظر رکھنے کے قابل ہے۔ حضرت مولانا فرماتے ہیں :-

**نسب** مجازین کو جان لینا چاہیے کہ صاحب نسبت اور صاحب مناسبت میں بڑا فرق ہے۔ صاحب نسبت سے حق تعالیٰ کو تعلق ہو جاتا

ہے اور صاحب مناسبت کو صرف طریق معلوم ہو جاتا ہے۔ صاحب نسبت ہونے کی علامت یہ ہے کہ حق تعالیٰ ہی کو ہر چیز کا فاعل مشاہدہ کرے۔ مخلوق کے فعل سے نظر بالکل اٹھ جاوے کسی فعل میں مخلوق کو خدا کا شریک نہ پاوے اور یہ مضمون درجہ اعتقاد میں نہ ہو بلکہ ہر وقت وجداناً اس کا مشاہدہ ہوتا ہو۔“

بلکہ دماغ بصریت بہ من احد الاباذن اللہ وان یردک بخیر فلا دایقضلہ۔ جس کا اثر یہ ہوگا کہ مخلوق سے خوف و طمع بالکل ہی معدوم ہو جائے گا (یعنی عقلاً) نیز جب کسی سے حق تعالیٰ کو تعلق ہوگا اور وہ فانی و واصل ہوگا تو اس کے لیے یہ بھی لازم ہے کہ اس شخص کا ارادہ اور خواہش بالکل فناء ہو جاوے کہ اپنے واسطے کوئی حالت تجویز نہ کرے جس حالت میں حق تعالیٰ شائبہ رکھیں اس پر راضی رہے۔ کبر و عجب و حب جاہ وغیرہ سے بالکل بری ہو۔ اگر تکبر و عجب وغیرہ باقی ہیں تو سمجھ لو کہ تم صاحب نسبت اور واصل و فانی نہیں ہو بلکہ تم کو صرف طریق کا علم ہو گیا ہے اور تم

محض صاحب مناسبت ہو۔“

**مجازین کے لیے دستور العمل** | اجازت کے بعد مجازین کو جن باتوں کا ہر وقت

ملاحظہ رکھنا چاہیئے اور ترقی دائم اور مناسبت

طریق کے باقی اور محفوظ رکھنے کے لیے جن باتوں کی رعایت کرنا اور ان پر کاربند رہنا ضروری ہے۔ حضرت مولانا مرحوم کے رسالہ مذکورہ سے انتخاب کہہ کے ان کا مختصر طور پر تذکرہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ یہ امور حضرت مولانا مرحوم کے متوسلین ہی کے لیے نہیں بلکہ ہر سلسلہ والوں کے لیے مفید اور اس قابل ہیں کہ ان کو ہر سلسلہ کے مجازین اپنے لیے بطور دستور العمل کے تجویز فہ مالیں :

حضرت مولانا مرحوم ارشاد فرماتے ہیں :

” (۱) شیخ سے اپنے کو متقی اور مستقل نہ سمجھے بلکہ ہمیشہ اپنے کو اس کا محتاج سمجھے۔ سال بھر میں دو چار دفعہ کم از کم اُس کی زیارت سے مستفید ہو اور ہر مہینہ خط و کتابت سے اپنے احوال کی اطلاع دیتا رہے۔ اجازت کے بعد اپنے کو شیخ سے متقی سمجھ لینا سدا راہ اور سم قاتل ہے اور باعث سلب مناصب ہے۔“ اس کے بعد علامہ شعرانی رحمہ اللہ علیہ کی کتاب المبین والاخلاق کے صفحہ ۱۱۰ کی عبارت نقل فرمانے کے بعد حضرت مولانا ارشاد فرماتے ہیں :

” اس عبارت سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ مرید جب شیخ کے مقام پر پہنچ جائے اس وقت تو اس کا دودھ چھوٹتا ہے جس کے بعد شیخ کی احتیاج قربیت میں رہتی ہے (گو تغذی میں نہ رہے) تو جو مرید شیخ کے مقام پر بھی ابھی تک نہیں پہنچا اس کا تو ابھی دودھ بھی نہیں چھوٹا وہ شیخ سے کیونکر مستغنی ہو سکتا ہے اور

آج کل اکثر مجازین کو قبل از وصول مقام شیخ اجازت دے دی جاتی ہے جس کی وجہ اوپر مذکور ہو چکی ہے۔

(۲) اجازت کے بعد مجاز کو نفس کی نگہداشت اور مجاہدہ سے غافل نہ ہونا چاہیئے۔ مجاہدہ کی اب بھی ضرورت ہے اور ہر وقت رہے گی۔ حضرت حکیم الامت فرماتے تھے کہ تمکین کے بعد مجاہدہ کی ضرورت پہلے سے زیادہ ہوتی ہے کیونکہ اس وقت طبعی ذوق و شوق اور جوش کا غلبہ نہیں رہتا جس سے قوی نفسانیہ پہلے مغلوب تھے۔ اس وقت قوی نفسانیہ پہرہ بھرنا شروع ہوتے ہیں مگر تھوڑی سی توجہ سے نفس درست ہو جاتا ہے۔ جیسے تعلیم یافتہ اور شائستہ گھوڑے بھی کبھی شرارت کرنے لگتے ہیں مگر ذرا سے اشارے سے ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ خصوصاً کبر و عجب و حب جاہ سے اجازت کے بعد نفس کی نگہداشت پہلے سے زیادہ ضروری ہے کیونکہ علوم و واردات و رجوع خلق سے ان امراض کا عود کرنا شروع ہوتا ہے۔

(۳) ذکر لسانی کا اجازت کے بعد بھی پابند رہے۔ صرف مراقبات پر اکتفاء نہ کرے۔ معمولات حسب فرصت مناسب مقدار میں مقرر کر کے ان پر ہمت سے دوام کرے۔ معمولات میں تلاوت قرآن اور درود شریف استغفار کی بھی معتد بہ مقدار ہونی چاہیئے۔

(۴) حق تعالیٰ سے ہمیشہ لہزاں و ترساں رہے اور اس نعمت کے حصول پر تازاں و مطمئن نہ ہو، استمدراج و مکر سے ڈرتا رہے اور یہ دعا کرتا رہے کہ خداوند! اس نعمت کو سلب نہ کجھو بلکہ روز بروز اس میں ترقی عطا ہو۔ ان مقدمات اربعہ کی اگر مجازین پابندی کرتے رہیں تو انشاء اللہ سلب نعمت سے

ہمیشہ محفوظ رہیں گے۔“

(النور ماہ رمضان المبارک ۱۳۴۱ھ از ۳۱، ۳۲، ۳۳)

شیخ کے مقام پر مرید کے پہنچنے کا جو ذکر اوپر کی عبارت میں آیا ہے اُس کی تشریح خود حضرت مولانا مرحوم نے رسالہ مذکورہ کے حاشیہ میں ان الفاظ سے فرمادی ہے کہ :

”شیخ کے مقام پر پہنچنے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ شیخ کے برابر ہو جاتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب مرید کو اپنے شیخ سے خاص تعلق معلوم ہوتا ہے تو بس تعلق و مناسبت کی وجہ سے مرید کو شیخ کے خاص مقام سے بھی تعلق اور مناسبت اور اس کا ذوق حاصل ہوتا ہے گو دونوں کے تعلق و ذوق میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔“

شیخ کی وفات کے بعد اس کے فیوض و برکات کے حاصل کرنے اور اس کی تعلیمات سے استفادہ کرنے کے لیے شیخ کی تالیفات و تصنیفات کا مطالعہ میں رکھنا بہت مفید ہے اور شیخ کے سوانح اور حالات زندگی اور طریق تربیت کا تذکرہ کرتے رہنا اور اس پر عمل پیرا رہنا حضرت شیخ کے ساتھ بقاء تعلق کا باعث اور اذیاد محبت و انس کا سبب ہوتا ہے اور حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے ارشاد کے موافق بھی حب شیخ کلید سعادت اور مفتاح خیر ہے۔

حضرت تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ :

”جس کے اندر دو چیزیں ہیں اتباع سنت اور حب شیخ اس کو سب کچھ حاصل ہے ان دو چیزوں کے ہوتے ہوئے اگر ظلمات بھی نظر آتے ہوں تو وہ بھی سب

پوری مناسبت کسی کو نہیں ہوتی اور اجنبیت کا مدار وہی ہے۔“

(اشرف السوانح ص ۵۹۸ ج ۲)

اس عبارت میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے اپنے تمام متبیین سے پوری مناسبت کی نفی فرمائی ہے مگر حضرت مولانا مرحوم رحمہ اللہ علیہ پر حق تعالیٰ کا یہ خصوصی فضل و احسان تھا کہ حضرت مرشد تھانوی رحمہ اللہ علیہ نے حضرت مولانا کے عرض حال کے جواب میں مولانا کو قلبی کمال تناسب کی خبر سے نوازا ہے۔ مولانا مرحوم نے اپنا یہ حال لکھا تھا کہ :-

”کل ذکر کے وقت صاف یہ معلوم ہو رہا تھا کہ غالباً آج کل حضرت کے قلب میں کوئی نئی بات پیدا ہو رہی ہے جس کا اثر بوجہ ضبط کامل کے حضرت پر ظاہر نہیں ہوتا اور احقر پر اس کا اثر پڑ رہا ہے کہ دل لقاء اللہ کے اشتیاق میں بے چین ہے۔“

حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا :

”ماشاء اللہ نہایت صحیح ادراک ہے۔ مجمل عنوان اس حالت کا مشاہدہ عجز و ضعف و غلبہ انکسار و افتقار و فناء و عوسٹے حال ہے جو اسباب و نیز آثار ہیں عبدیت کے لیکن مفصل حقیقت و حکمت اس کی بہت نازک ہے کہ ہر شخص اس کے سمجھنے بلکہ سننے کے بھی قابل نہیں۔ تم کو اپنا محرم سمجھ کر تم سے خود کہنے کو تھا مگر بعد رمضان لیکن چونکہ تمہارے قلب کو بوجہ کمال تناسب کے اس کا ادراک بجانب اللہ ہو گیا۔ اس لیے اب جلدی ہی کہہ دوں گا۔ اگر تم سے احتمال غلط فہمی کا ہوتا تو تم سے بھی نہ کہتا مگر ایسا احتمال نہیں بلکہ اس نازک حالت میں جو بعض غوائل محتمل ہیں تم سے ظاہر کرنے میں ان کا ارتغاع بھی متوقع ہے کہ تم اس ارتغاع کا واسطہ بن

سکتے ہو " فانتبہ فیہ مفتاح الخیر -

حضرت حکیم الامت مولانا مہتانوی قدس سرہ کا مولانا کے اس قلبی کمال تناسب اور خصوصی تعلق کی خبر دیتے ہوئے مولانا کو مفتاح الخیر قرار دینا حضرت مولانا رحمہ اللہ علیہ کے حق میں فضل و کمال کی شہادت اور باعث شرف ہونے کے ساتھ حضرت مولانا موصوف کے متوسلین اور منتسبین کے لیے بھی بڑا ہی سرمایہ سکون اور موجب اطمینان ہے -

### فہرست مجازین

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے جن حضرات ساکین کو مجاز بیعت قرار دیا یا اجازت بیعت دے کر مجاز بیعت بنایا ہے اور ان کے ناموں کو اپنی خود نوشت سوانح میں جس ترتیب سے ذکر فرمایا ہے اسی ترتیب سے ذیل میں اس فہرست مجازین کو درج کیا جاتا ہے تاکہ طالبین کو حضرات اہل اجازت کا علم ہو جائے اور وہ موجودہ حضرات سے استفادہ کر سکیں اور جو حضرات وفات پا چکے ہیں ان کے حق میں دعائے مغفرت و رفع درجات کرتے رہیں - فہرست مجازین یہ ہے :-

۱۔ مولانا شمس الحق فریدپوری صدر جامعہ قرآنیہ لال باغ ڈھاکہ ماہ ذیقعدہ ۱۳۸۸ھ میں ان کا اپنے وطن میں انتقال ہو گیا -

۲۔ مولوی حبیب اللہ صاحب مہین سنگھ جو ۱۳۸۸ھ میں سراج گنج کے سرکاری سکول میں تعلیم دیتے تھے -

۳۔ صوفی صدیق الرحمن مدرس جامعہ قرآنیہ لال باغ ڈھاکہ -

۴۔ مولوی احمد حسین صاحب سلہٹی

۵۔ مولوی نذیر حسین صاحب سلہٹی -

۶۔ مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی جکیب لائٹن کراچی، موصوف دارالعلوم دیوبند کے فاضل، پاکستان کے جید اور ممتاز عالم دین اور مشہور خطیب ہیں۔ مئذوالیہار کا مدرسہ دارالعلوم مولانا کی نگرانی میں ہی اپنے تعلیمی فیض سے لوگوں کو فیض یاب کر رہا ہے۔

۷۔ فشی علی محمد صاحب اسلام پورہ ٹوبہ ٹیک سنگھ ضلع لائل پور، یہ حضرت مولانا مرحوم رحمہ اللہ علیہ کے پہلے مجاز ہیں جن کے خطوط متعلقہ تربیت حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ علیہ کے نظر استحسان کے بعد النظار الجلی بالشرع العلی کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ مرحوم نے حضرت حکیم الامت تھانوی کی کتابوں سے متفرق مضامین کو جمع کر کے اشرف الجواب وغیرہ مختلف ناموں سے شائع کرا کے بڑی خدمت انجام دی ہے جس سے لوگوں کو بہت فائدہ ہوا۔ مرحوم کے بعض ایسے مسودات بھی ہیں جو طبع نہیں ہو سکے۔ ۱۴ رزی الحجہ ۱۳۹۲ھ بمطابق ۲۳ جنوری ۱۹۷۳ء کو وفات پا گئے۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ کے محلہ اسلام پورہ بھلیہ کے قبرستان میں مدفون ہیں۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ۔

۸۔ مولوی حافظ عباس علی صاحب معرفت قمر الزمان سیکنڈ اسٹنٹ

یچر ایم این بی سکول پوسٹ تندی گرام ضلع بوگرہ (برائے عوام)

۹۔ مولوی عبدالشکور صاحب ترمذی مہتمم مدرسہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا۔

۱۰۔ مولوی طیب اللہ صاحب مہتمم مدرسہ حانظیہ ضلع ڈھاکہ (برائے عوام)

۱۱۔ آپکو حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ کی طرف سے بھی خلافت و اجازت حاصل ہے۔ (قمر عثمانی)

۱۱۔ مولوی محمود داؤد ہاشم مفتی بر ماہٹر سٹی سورتی، جامع مسجد رنگون۔ یہ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے مجاز صحبت تھے۔ حضرت تھانوی کے بعد انہوں نے حضرت مولانا کی طرف رجوع کیا اور تکمیل کے بعد حضرت مولانا نے ان کو اپنا مجاز بیعت بنا دیا۔

۱۲۔ مولانا محمد شفیع صاحب مصافات ڈھاکہ۔

۱۳۔ مولانا محمد عبدالرزاق صاحب نظری کلاٹی شیخ الحدیث مدرسہ دارالعلوم شاہ آباد جیسور (سابق مشرقی پاکستان)

حضرت حکیم الامت تھانوی نے بعض حضرات کو صرف عوام کے لیے بیعت و تلقین کی اجازت فرمائی تھی اسی طریقہ کے موافق حضرت مولانا مرحوم کے خلائف کی فہرست میں بھی بعض ایسے حضرات کے نام ہیں جن کو صرف عوام کے لیے بیعت و تلقین کی اجازت ہے اس لیے ان کے ناموں کے سامنے (برائے عوام) لکھا ہوا ہے۔

(ف) حضرت حکیم الامت تھانوی کی خصوصیت تربیت میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ علاوہ مجازین بیعت کے بعض اصحاب کو جن میں تلقین کی کافی صلاحیت ہوتی تھی مگر اجتماع شرائط بیعت میں بعض خاص حالات کا انتظار ہوتا تھا۔ مجاز تلقین بواسطہ صحبت یعنی تلقین بغیر بیعت کی اجازت دے کر ان کا لقب مجاز بالصحبہ تجویز کیا تھا۔ یعنی ان کو صرف بواسطہ صحبت کے نفع پہنچانے کی اجازت دی گئی تھی۔ بیعت کرنے کی اجازت ایسے اصحاب کو نہیں دی گئی تھی اور مقصد اس سے یہ تھا کہ جب ان اصحاب میں تعلیم و تلقین کی صلاحیت پیدا ہو چکی ہے تو ان کے بعض حالات خاصہ کے حصول کے انتظار میں لوگوں کو ان سے

فائدہ اٹھانے اور ان کے اتنے فیض سے بھی کیوں محروم رکھا جائے کہ جتنا وہ اپنی حالت موجودہ ہی میں پہنچانے کے اہل ہیں اور خود ان حضرات کو بھی اپنی کمی کا علم ہو کر اپنی ہر قسم کی اصلاح اور تکمیل کی فکر دامن گیر ہو جائے۔ ان میں سے بعض حضرات کو بعد میں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ علیہ نے خود ہی جب ان میں حالات منظرہ بدو نما ہو گئے مجاز بیعت بنا کر اجازت بیعت عطا فرمائی ہے۔  
(ماخوذ از اشرف السوانح)

ان میں سے ایسے حضرات جن کو حضرت حکیم الامت نے اجازت بیعت عطا فرمائی تھی وہ تو حضرت حکیم الامت کی طرف سے ہی مجاز بیعت ہو گئے۔ اور خلفاء اشرفیہ میں ان کا شمار ہو گیا۔ لیکن بعض حضرات نے حضرت مفتاویٰ کے بعد حضرت مولانا کے کسی مجاز بیعت کی طرف رجوع کر لیا اور اس مجاز بیعت نے ان کو مجاز بیعت کر دیا تو وہ ان مجاز بیعت کے مجاز بیعت کہلائیں گے۔ جیسا کہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب کے مجازین میں سے نمبر کی یہی حالت ہے۔ حضرت مولانا مرحوم نے اپنے خلیفہ اور مسترشد خاص جناب نقشبندی علی محمد صاحب مرحوم رحمہ اللہ علیہ کے عریضہ کے جواب میں اس بات کی وضاحت فرمائی ہے۔“

(ف) اجازت بیعت دینے میں حضرت حکیم الامت کی ایک یہ بھی خصوصیت تھی کہ جو غیر اہل علم قابل اجازت ہوتے تو اکثر ان کو صرف عوام کی بیعت کرنے کی اجازت فرمائی جاتی تھی جیسا کہ اوپر گزرا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ غیر اہل علم سے بظاہر حالات اہل علم کی تسلی ہوئی مشکل ہوتی ہے ایسے اجازت یافتگان کے نام کے ساتھ اس بات کو ظاہر کرنے کے

لیے اُن کے نام کے آگے (للعوام) کا اضافہ فرما دیا جاتا تھا۔ حضرت مولانا مرحوم کے مجاہدین کی فہرست میں بھی مرزا کا یہی حال ہے۔

حضرت مولانا مرحوم کی اس تحریر کا اس جگہ نقل کر دینا تربیت سالکین کا کام کہ نے والوں کے لیے مفید معلوم ہوتا ہے جو صوفی علی محمد صاحب مرحوم کے غیر مطبوعہ مجموعہ پر ثبت ہے۔ اس سے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے خاص طرز تربیت کا علم ہوتا ہے۔ جس کا پیش نظر رکھنا اصلاح کا کام کہ نے والوں خصوصیت کے ساتھ سلسلہ اشرفیہ کے مشائخ و سالکین کے لیے بہت ہی نافع ہے۔

حضرت مولانا مرحوم کی غیر مطبوعہ تحریر ”بندہ ناچیز ظفر احمد عثمانی عفی اللہ عنہ عرض کرتا ہے کہ حضرت حکیم اللہ

مجدد ملت مولانا اثرت علی تھانوی قدس اللہ سرہ کے مواعظ و ملفوظات میں بعض وہ خاص چیزیں ہیں جن سے حضرت رحمہ اللہ علیہ کے تجدیدی کارنامے اچھی طرح واضح ہو جاتے ہیں منجملہ ان کے خاص طرز تربیت بھی ہے جو عرصہ سے مفقود تھا۔ الا ماشاء اللہ محدودے چند مشائخ ہی کے یہاں یہ طرز احتساب و تنبیہ و زبرد تو بیخ باقی تھا ورنہ یہ طریقہ باقی نہ رہا تھا۔

اس رسالہ میں اس طرز کے ملفوظات کو یک جا جمع کر دیا گیا ہے جو ذخیرہ ملفوظات میں منتشر پھیلے ہوئے تھے۔ امید ہے کہ سالکین و عالمین کو یہ مجموعہ یک جا ہونے کی وجہ سے بہت نافع ہوگا۔ اللہ تعالیٰ صوفی علی محمد صاحب کی اس محنت کو قبول فرمائے اور عام و خاص کے لیے نافع بنائیں۔ آمین۔ والسلام۔“

**حقیقت بیعت** | حضرت حکیم الامت تھانوی کے طرز تربیت کی یہی خصوصیت تھی کہ اس میں اصلاح اخلاق و اعمال پر زیادہ زور

دیا جاتا تھا۔ اور بیعت کی ظاہری صورت اور رسمی طریقہ (ہاتھ پر ہاتھ رکھنے) کو زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔ بلکہ بغیر اسی ظاہری صورت بیعت کے بھی تعلیم و تربیت اور تلقین کا سلسلہ جاری رہتا تھا اس سے حضرت تھانوی کا مقصد اس غلطی کی اصلاح تھی جو بیعت کے مقصد اور اس کی حقیقت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے عام لوگوں میں پھیل گئی تھی کہ وہ اس ظاہری صورت ہی کو بیعت کی حقیقت سمجھنے لگے تھے۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ علیہ نے بھی حقیقت بیعت کو واضح فرماتے ہوئے اس غلطی کی اصلاح واضح طور پر فرمائی ہے۔ چنانچہ اپنے ایک مسٹرشد مولانا حکیم انیس احمد صدیقی کے نام اپنے ایک مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں :-

” مکرمی عزیزم حکیم ایس احمد صدیقی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ !

بیعت ہاتھ میں ہاتھ دینے کا نام نہیں ہے عقیدت و محبت اور اتباع کا نام ہے۔ وہ آپ کے والد ماجد کو حاصل ہے اس لیے کہ وہ حضرت تھانوی قدس سرہ سے بیعت کا شرف رکھتے ہیں۔ آپ کو اپنے والد صاحب کے ساتھ کمال عقیدت و محبت حاصل ہے تو آپ ان سے بیعت کا تعلق رکھتے ہیں اس طرح آپ بھی سلسلہ اثر فیہ سے منسلک ہیں، ہاتھ در ہاتھ بیعت کی ضرورت نہیں۔“

برصغیر

فقط والسلام ظفر احمد عثمانی عفی اللہ عنہ مکتوب ۱۹۶۵ء

چونکہ اپنی اصلاح و تربیت پوری توجہ اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ مسترشد کو مرشد و مربی کے ساتھ دلی تعلق مضبوط اور اس پر کامل اعتماد حاصل ہو، کسی کے کہنے سننے سے جو تعلق ہوتا ہے وہ اتنا مضبوط اور نیچتہ نہیں ہوتا اس لیے ہمارے اکابر بالخصوص حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ طریقہ پسند نہیں تھا کہ دوسروں کے کہنے اور تلقین کرنے سے اصلاح و تربیت کا تعلق قائم کیا جائے۔ بلکہ یہ تعلق خلوص نیت اور طلب صادق کے ساتھ براہ راست ہر شخص کو خود ہی قائم کرنا چاہیئے۔

چنانچہ جب مولانا انیس احمد صدیقی نے اپنے بعض دوستوں کی درخواستیں بیعت کے لیے مولانا مرحوم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھجوانے کی اجازت طلب کی تو آپ نے اجازت مرحمت نہیں فرمائی بلکہ ارقام فرمایا:۔  
 ”آپ جن حضرات کی درخواستیں بھجوانا چاہتے ہیں یہ طریقت کے خلاف ہے جس کو از خود مجھ سے تعلق ہوگا اس کی درخواست قبول کریں گا۔ کسی کے تعلق پیدا کرنے سے وہ بات پیدا نہیں ہوتی۔“  
 والسلام ظفر احمد عثمانی

حضرت مولانا مرحوم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ طریقہ ہمارے زمانے کے تربیت و مسلک کا کام کرنے والوں کے لیے لائق تلقید ہے جن کو اپنی طرف سے لوگوں کی اجتماعات اور کثرت مریدین کا ہی خیال ہر وقت رہتا ہے۔ حالانکہ اس راستہ میں خلوص و طلب اور صدق و اخلاص قابل تدر اور لائق لحاظ ہے۔

## سالکین کے لئے خاص ہدایت اور نصائح

حضرت مولانا رحمہ اللہ علیہ نے اپنے شجرہ طیبہ میں سالکین طریقت کے لیے ضروری اعمال اور خاص دستور العمل اور خاص نصائح بھی تحریر فرمائی ہیں۔ ان میں سے انتخاب کر کے ایسے بعض اعمال اور نصائح کا ذیل میں بقدر ضرورت ذکر کیا جاتا ہے جن کا نفع عام اور سالکین کے لیے ان کا دستور العمل بنانا بہت مفید ہے۔

نماز :- تہجد، اشراق، چاشت، صلوہ الوابین، صلوۃ التسبیح، عصر اور عشاء سے پہلے ۴ رکعت نفل۔

روزہ :- ہر ماہ کی ۱۳، ۱۴، ۱۵ کو اور ہر دو شنبہ کو اور ۶ روزے شوال کے اور یکم ذی الحجہ سے ۹ تک نو روزے اور محرم کی دسویں اور شعبان کی ۱۵ تاریخ کو روزہ رکھا جائے۔

وظائف :- صبح کو تلاوت قرآن مجید جتنی ہو سکے پابندی کے ساتھ اور ایک منزل مناجات مقبول کی عربی یا اردو اور سورہ فاتحہ ۴۱ بار سورہ یسین ایک بار استغفار سو بار کلمہ توحید سو بار درود شریف سو بار۔

بعد ظہر :- کلمہ توحید سو بار، درود شریف سو بار، سورہ فتح ایک بار، دلائل الخیرات کی منزل، اللہ الصمد ۵۰۰ بار۔

بعد عصر :- عمدہ تسمیاء لونی، ایک بار، آیت کہ یہ لا الہ الا انت

سبحانک انی کنت من الظالمین سو بار۔

بعد مغرب :- سورہ واقعہ ایک بار کلمہ توحید سو بار، درود شریف سو بار۔

بعدِ عشاء :- سورہ المسجدہ ایک بار، سورۃ الملک ایک بار، کلمہ توحید سو بار،  
درود شریف سو بار یا استغفار سو بار۔

ہر نماز کے بعد سبحان اللہ ۳۳ بار، الحمد للہ ۳۳ بار، اللہ اکبر  
۳۴ بار پڑھ لیا کریں۔

## تفصیلات | کھانے کے بعد

سوتے ہوئے سورہ فاتحہ، آیتہ الکرسی، سورہ اخلاص اور  
معوذتیں، تین بار، جاگتے ہوئے کلمہ توحید اور یہ دُعا  
پڑھ لیا کریں۔

پیشاب پاخانہ : کو جاتے وقت  
فارغ ہونے کے بعد عقر تک پڑھیں۔

ہر وقت اللہ انی اسئلک رضاک والعفو والعافیہ پڑھتے رہا کریں  
اس سے زیادہ کاشوق ہو تو تتمہ مناجات مقبول سے اوقاتِ غفلت کی دُعا میں  
معلوم کہ کسے اُن کی پابندی کر لے۔

عامی، فارغ اور مشغول اور اسی طرح عالم فارغ اور مشغول سب کے لیے  
دستور العمل معلوم کرنے کا شوق ہو تو حضرت حکیم الامت محافوی قدس سرہ کا رسالہ  
قصہ السبیل کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

حضرت مولانا نے اپنے شجرہ طیبہ میں اسی رسالہ سے چاروں دستور العمل  
نقل فرما کر ان پر عمل کرنے کی ہدایت فرمائی ہے تطویل کے خوف سے ان کو اس جگہ  
نقل نہیں کیا گیا ہے۔ البتہ عام مردوں اور عورتوں کے لیے بعض نصیحتوں  
کو اس جگہ نقل کیا جاتا ہے۔

## عام مردوں کو نصیحت

علماء سے بکثرت ملتے رہو۔ ان سے مسائل پوچھتے

رہو، اگر پڑھے ہوئے ہو تو بہشتی زیور، بہشتی

گوہر اور صفائی معاملات دیکھتے رہو۔ اور اس پر عمل کرو۔ تعلیم الدین کے چار

حقے پہلے بھی دیکھ لو۔ لباس خلاف شرع مت پہنو جیسے ٹخنوں سے نیچے پاٹجامہ

یا کوٹ پتلون یا ریشمی یا نہ رد و زری کا کپڑا یا چار انگلی سے زیادہ چوڑی لیس دار

ٹوپی یا اتنے ہی کام کا سچا کادر جوتا، ڈارھی مت کٹاؤ اور نہ اس کو منڈاؤ

البتہ ٹمٹھی سے جتنی زائد ہو اس کا اختیار ہے، جتنی رسمیں سنت کے خلاف

راج ہو رہی ہیں سب کو چھوڑ دو۔ جیسے مولود، فاسمہ، عرس اور شادی بیاہ

عقیقہ، ختنہ، بسم اللہ کی رسمیں اور تہجد سواں، چالیسواں وغیرہ، شب براءت

کا حلوہ، محرم کا تہوار منانا، میلوں ٹیلیوں میں جانا ان سب کو ترک

کرنے کے علاوہ آتش بازی، تصویر دار کھلونے وغیرہ سے بچو۔ زبان

کو غیبت اور گالی گلوچ سے بچاؤ۔

جماعت کے ساتھ نماز پڑھو، گانا، بجانا مت سُنو، پیر سے ہر کام کے

لیے تعویذ گنڈے مت مانگنا کرو۔ بلکہ اس سے دین سیکھو۔ البتہ دعا کرانے کا

مضائقہ نہیں۔ ایسا مت سمجھو کہ اگر نذرانہ موجود نہ ہو تو پیر کے پاس کیا جاویں۔

یہ مت سمجھو کہ پیر کو سب خبر ہوتی ہے ان سے کہنے کی کیا ضرورت ہے، خواب

پر بدون مسئلہ پوچھے عمل مت کرو۔

شرک کی باتوں کے پاس مت جاؤ۔

## عام عورتوں کو نصیحت

ادلاد کے ہونے یا زندہ رہنے کے

لیے ٹونے ٹوٹکے مت کرو۔ قال مت کھلو۔ جس سے شرع میں پردہ

ہے چاہے وہ پیر ہو چاہے اور کیسا ہی نزدیک کا ناتہ دار ہو سب سے خوب  
پندہ کرو۔ خلافِ شرع لباس مت پہنو جیسے کلیوں دار یا بجامہ یا ایسا کمرہ جس میں  
پیٹ یا کلائی یا بازو کھلے ہوں یا ایسا باریک کپڑا جس میں بدن یا سر کے بال  
جھلکتے ہوں یہ سب چھوڑ دو۔ کسی کو جھانک تاک کر مت دیکھو۔ کوئی کام نام کے  
واسطے مت کرو۔ کوسنے، طعنے دینے اور غیبت سے زبان کو بچاؤ۔ پانچوں  
وقت نماز ادا دل وقت پڑھو۔ ایام سے جب پاک ہو خوب خیال رکھو، کسی  
وقت کی نماز ایام بند ہونے کے بعد نہ رہ جائے۔ خاوند کی تابعداری کرو۔  
اس کا مال اس سے چھپا کر خرچ مت کرو۔ جہاں رسم رسوم کی مٹھائی وغیرہ تقسیم  
ہوتی ہو وہاں مت جاؤ۔

خاص ذاکر شاغل لوگوں کو وصیت

اگر میں سنت پر عمل کرنے کا اہتمام کرو۔ اگر کسی سے  
کوئی بات خلاف مزاج پیش آوے صبر و تحمل کیا کرو۔ کبھی اپنے کو صاحبِ کمال  
مت سمجھو جو بات زبان سے کہنا چاہو پہلے خوب سوچ لیا کرو۔ مال و جاہ کی  
طمع و حرص مت کرو و تعویذ گنڈوں کا شغل مت رکھو۔

ذہنی تعلقات مت بڑھاؤ۔ بے ضرورت بہت سا سامان مت جمع کرو  
حتی الامکان غلوت میں رہ کر بدون ضرورت و مصلحت لوگوں سے زیادہ مت  
ملو۔ اگر قلب پر کچھ احوال یا علوم وارد ہوں شیخ سے اطلاع کرو۔ اگر تعویذ کی  
کتابیں دیکھنے کا شوق ہو تو پہلے تعلیم الدین کا حقہ پنجم اور کلیدِ ثنوی کا مطالعہ کرو جبکہ تم  
معقول و منقول کے جامع عالم ہو، سخن پروری مت کرو۔ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد  
رکھو اسی سے التجا رکھو اور استقامت کی درخواست کرو۔

## معمولات

حضرت مولانا مرحوم خود بھی معمولات اور اورادِ مسنونہ کے پابند تھے اور آخر عمر تک اُن پر کاد بند رہا ہے اُن کی تو ہو کس کبریٰ بھی ہم جیسے کوتاہ عملوں کے لیے ہو س خام ہی میں شمار ہوگی۔ حضرت مرحوم کا سفر میں بھی تہجد کا ناغہ نہیں ہوتا تھا۔ ہمیں حضرت مولانا مرحوم کے بتائے ہوئے ان ہی مختصر اوراد و معمولات اور نصائح پر عمل کرنے کی توفیق عنایت ہو جائے تو بڑی غنیمت ہے۔

اعتکاف :- حضرت مولانا مرحوم کا عشرہ اخیرہ میں اعتکاف مسنون پر بڑی پابندی کے ساتھ عمل تھا اور عشرہ اخیرہ کی باہر کت راتوں میں خدام و متوسلین کو بھی دُعا میں فراوانش نہیں فرماتے تھے۔ میرے ایک عزیز نے جواب میں حضرت مولانا رقم فرماتے ہیں :-

”بجاء اللہ غیریت سے ہوں اور آپ کے لیے دعا کرتا ہوں اُج ۲۷ رمضان کی شب ہے جملہ احباب کے لیے بھی دُعا کروں گا۔“

درخواست دُعا کے جواب میں ایک دالانامہ میں یہ دعا تحریر فرما کر احقر کو اُس کے یاد کرنے کی ہدایت بھی فرمائی ہے۔ تحریر فرماتے ہیں :-

”رمضان میں سب احباب کے لیے برابر دعا کرتا رہا ہوں۔“

اللہ اپنے متعلقین کے ساتھ اس شفقت کی بھی کوئی انتہا ہے کہ بغیر درخواست کے بھی سب کے لیے مغفرت کی دعا کرتے رہے۔ اب حضرت والا کا سایہ اٹھ جانے کے بعد مجین کو کھلی آنکھوں نظر آ رہا ہے کہ حضرت کی دعا سحر گاہی ان کے لیے کیسے کیسے دنیوی مصائب اور آلام کا بھی وقایہ بنی ہوئی تھی اور اس سایہ کے اٹھ جانے کے بعد کیسے کیسے سوانحیات سے ان کو واسطہ پڑنے لگا ہے۔

جواب خط کا اہتمام: حضرت مولانا مرحوم کو خطوط کے جواب کا بڑا اہتمام تھا۔ تربیت اور سلوک کے متعلق خطوط ہوں یا غیر تربیت کے خطوط ہوں۔ فرمیکہ ہر قسم کے خطوط کے جواب حضرت مرحوم بڑے انتظام اور اہتمام سے بغیر تاخیر کے دیا کرتے تھے اور یہ ایسی عادت مستمرہ تھی کہ بغیر عذر کے اس کے خلاف کبھی نہیں ہوتا تھا خطوط لکھنے والے خط لکھ کر حساب کے مطابق اپنے جواب کا انتظار کرتے۔ ٹھیک اسی حساب کے موافق حضرت مولانا کا جواب آ جانا۔ اگر ڈاک کے نظام کی غلطی سے بھی اس حساب کے موافق جواب نہ پہنچتا تو یہ تردد ہو جاتا تھا کہ خدا نخواستہ کہیں حضرت مولانا کی طبیعت تو ناساز نہیں ہو گئی اور معمولی ناسازی طبع کے باوجود بھی ڈاک کے جواب کا سلسلہ چونکہ جاری رہتا تھا اس لیے بھی زیادہ فکر ہو جاتا تھا کہ تاخیر جواب کا نہ معلوم کیا سبب ہے؟ اس لیے اس سبب کے معلوم کرنے کے لیے دوسرا عریضہ لکھنے کی نوبت آ جاتی تھی کہ اتنے میں پہلے عریضہ کا جواب موصول ہو جاتا تھا۔

دراصل حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے دربار کی یہ خصوصیت تھی کہ خطوط کے جواب کا بغیر تاخیر کے حیرت انگیز طریقہ پر انتظام اور اہتمام تھا کہ پچاس پچاس خطوط مجھے حضرت تھانویؒ کی خدمت اقدس میں روزانہ آتے مگر سب کے جوابات ہر روز

فارغ ہو جاتے تھے۔ البتہ آخری عمر میں باستثناء اہل خصوصیت کہ ان کے خطوط کا جواب بدست خود ارقام فرماتے تھے۔ دوسروں کے خطوط کا جواب اپنے بعض خدام کو اطلاع فرما دیا کرتے تھے اور وہ جواب تحریر کر دیا کرتے تھے۔ اس خدمت پر دوسرے خدام کے علاوہ خود حضرت مولانا مرحوم بھی مامور تھے اور حضرت کے اطلاع پر حضرت کے نام پر آئے ہوئے خطوط کا جواب تحریر کرتے رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت حکیم الامت مفتاویٰ کی منہلہ اور خصوصیات کے اس خصوصیت سے بھی حضرت مولانا مرحوم کو نوازا تھا۔ پھر حیرت اس پر ہے کہ اس پیرانہ سالی میں درس و تدریس اور تعلیمی مشاغل سے بھی آپ کو فراغ حاصل نہیں تھا اور باوجود ان مشاغل کے پھر بھی تمام خطوط کا جواب خود اپنی قلم مبارک سے ہی عنایت فرماتے تھے اور اس میں کسی کا استثناء نہ تھا۔ میرے چودہ سالہ نابالغ بچے عبدالقدوسؒ نے اپنے حفظ قرآن کریم کے ختم کرنے کی اطلاع کا عریضہ لکھا تو اس کا جواب بھی حضرت مولانا مرحوم نے اپنے دست مبارک سے ارقام فرمایا۔ دُعا اور اظہارِ خوشی کے ساتھ بچے کو قرآن پاک کے پختہ یاد کرنے کا طریقہ بھی تحریر فرمایا۔ جس کو عام دستور العمل بنانے کی غرض سے نقل کیا جاتا ہے مولانا ارقام فرماتے ہیں:-

”حفظ قرآن پاک ختم ہونے سے خوشی ہوئی اللہ تعالیٰ اُس کو محفوظ رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں جس کا طریقہ روزانہ نماز میں ایک پارہ تلاوت کرنا ہے اس کی پابندی کریں۔“ والسلام ظفر احمد عثمانی

حضرت مولانا مرحوم کا یہ والا نامہ ۲۸ شوال کو ملا تھا اور حضرت کی وفات سے تقریباً ۲۲ روز پہلے کا تحریر فرمودہ ہے۔ افسوس! یہی وہ والا نامہ ہے جس کے بعد ساہی وال سے نامہ و پیام کا سلسلہ بند ہو گیا۔ کیا خبر تھی کہ یہ حضرت کا

آخری مکتوب گرامی قرار پائے گا۔ جس پر ہمیشہ کے لیے خط و کتابت کا سلسلہ اس ناکارہ کے ساتھ بند ہو کہ نامہ بڑی اور پیغام رسانی کا کوئی ذریعہ ہی نہیں رہے گا۔ یہ حالت ہو جائے گی۔

نہ قاصد بے نہ سفیر بے نہ مرغ نامہ برے

کہ پیش حضرت اقدس برد ز من خبرے

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

## عرضِ اختصار

قاعدہ سے خط کے جواب کا محصل اور اس کا خراجہ جواب طلب کرنے والے کے ذمہ ہے۔ اس لیے جواب کے خراجہ کا بوجھ دوسرے پر ڈالنا بلاوجہ دوسرے کو زیر بار کرنا اور اپنی کم ہمتی دکھلانا ہے۔ اس لیے جواب طلب امور کے لیے ہمیشہ جوابی خط یا لغافہ ہمراہ ہونا چاہیے۔ یہی معمول حضرت حکیم الامت مولانا مہتانوی قدس سرہ اور حضرت مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا تھا کہ غیر جوابی خط کا جواب اکثر نہیں دیا کرتے تھے۔ البتہ مواقع خصوصیت اس قاعدہ سے مستثنیٰ تھے۔

اس لیے اگر غیر جوابی خطوط کا جواب اپنے خراجہ سے دے دیا جائے گو یہ کسی طرح بھی مجیب کے ذمہ نہیں ہے تو یہ بڑے حوصلہ کی بات اور مکارم اخلاق میں شمار ہونے کے قابل ہے۔ اور اس میں حقوق مسلم کی نگہداشت دل جوئی اور تطبیب قلب مسلم کی فضیلت بھی ہے۔ لیکن کسی شرعی عذر کے بغیر جوابی خطوط کا جواب بھی نہ دینا حد درجہ معیوب اور مکارم اخلاق کے خلاف ہونے

بفضلہ تعالیٰ عام امراض کے علاوہ آسیب زدہ فریضوں کا علاج بھی آپ تعویذات کے ذریعے فرمایا کرتے تھے بہشتی زیور کے نویں حصہ میں بھی شامل ہیں۔ یہ گنڈہ برائے آسیب زدہ سے برائے حفاظت اندازہ کثردم جانور اور موزیہ نمک کے عملیات مولانا مرحوم کی روایت سے بھی بہشتی زیور کے حصہ مذکور میں شامل کئے گئے ہیں۔ اس قسم کے معمولات اور ذاتی تجربات کی ایک بڑی یادداشت آپ کے پاس جمع ہو گئی تھی۔ ایک مرتبہ احقر نے ان معمولات میں سے کچھ نقل کرنے کی درخواست بذریعہ خط کی تو تحریر فرمایا:-

”عزیزم سلمہ السلام علیکم ورحمہ اللہ علیہ !

اس قسم کے معمولات کی ایک کتاب تیار ہو گئی ہے نقل کے لیے وقت ملنا دشوار ہے۔ ایک تعویذ عام بتلاتا ہوں جو میں ہر تعویذ میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد لکھا کرتا ہوں۔ یہ تورات کا اسم اعظم ہے جو اپنے بزرگوں میں سے مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ اور مولانا گنگوہی نور اللہ مرقدہ کا معمول تھا اس کی شکلی یہ ہے ﴿ ۵۱۱۱۱ ﴾ ان کو اشکال سبعہ کہتے ہیں۔ اس کے بعد کوئی مناسب دعا اعمال قرآنی سے مرض کے مناسب لکھ دی جائے ورنہ یہ تنہا بھی کافی ہے۔ والسلام والدعاء

ظفر احمد عفی عنہ ۶ ذیقعدہ ۱۳۸۰ھ

دوسرے: ایک صاحب عرض حال پر آپ نے ردحریکے درج ذیل عمل کرنے کے لیے تحریر فرمایا کہ ”سودہ بقرہ روزانہ پڑھ کر یا پڑھو اگر اسپردم کریں اور پانی پر دم کر کے پلائیں اور کچھ پانی میں اور پانی ملا کر غسل کریں۔ چالیس دن عمل کیا جائے سحر ٹوٹ جائے گا۔“

آسیب زدہ کے لیے :- ایک مرتبہ زیادہ قوی اثر آسیب ہو چکی صورت میں عمل ذیل کر چکی ہدایت فرمائی ”اگر تعویذ سے فائدہ نہ ہو تو آسیب زدہ سے کہا جائے کہ روزانہ سورہ فاتحہ، آیتہ الکرسی سورہ جن، چاروں قل پانی پر دم کر کے تین گھونٹ پی لے باقی پانی میں اور پانی ملا کر غسل کرے ۔ بہ دن کا عمل ہے ۔

آوارگی کے دفع ہونے اور تعلیم کے شوق کے لیے :- بچہ کے ادارہ ہو جانے اور تعلیم چھوڑنے کی شکایت پر دُعا کے ساتھ تحریر فرمایا :-

” اس کو سورہ فاتحہ آیتہ الکرسی چاروں قل پانی پر دم کر کے پلاتے رہیں اس کو خبر نہ کی جائے کہ یہ پانی پڑھا ہوا ہے ۔“

نقش بدوح :- حضرت مولانا مرحوم کے مخصوص علیات و مجربات میں نقش بدوح کی چاندی کی انگوٹھی اور تعویذ کو بڑی خصوصیت و اہمیت حاصل تھی اس نقش کے گوناگوں فوائد و اثرات بہت زیادہ ہیں ۔ برصغیر ہند و پاکستان کے علاوہ بنگال، برما، سعودی عربیہ اور بہت سے افریقی ممالک میں بھی اس نقش کے تعویذ اور انگوٹھیاں طلب کی جاتی تھیں ۔ حضرت مولانا نے اپنے صاحبزادگان مولانا عمر احمد عثمانی اور مولانا قمر احمد عثمانی کو اس نقش کی اجازت مرحمت فرمادی تھی اور مولانا کا یہ فیض بحمد اللہ جاری ہے ۔



## باب ہفتم

# حضرت علامہ عصر اور مشائخ زمانہ کے ساتھ حضرت مولانا کے خصوصی تعلقات اور ان کے بارے میں آپ کے تاثرات

حضرت مولانا مرحوم نے اپنے اساتذہ کرام کے ناموں کا تذکرہ کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے ”اساتذہ کرام جن سے سند حدیث حاصل کی ہے ان سے ہی زیادہ متاثر ہوا ہوں۔ ان کے علاوہ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی سے بھی متاثر ہوا ہوں اور مولانا سید علوی مالکی مکی سے اور علامہ محمد زاہد الکوثری مصری اور علامہ سالم عطیہ استاد جامعہ سعودیہ مدینہ منورہ سے بھی اگرچہ آخر کے دو حضرات سے ملاقات نہیں ہوئی مگر غائبانہ ہی ان کے فضل و کمال سے متاثر ہوا ہوں۔ علامہ زاہد الکوثری اور علامہ سالم عطیہ نے اعلا السنن اور مقدمہ اعلا السنن پر بہت گراں مائے تقریظیں لکھی ہیں جو ان کے کمال علم و فضل کی شاہد ہیں۔“ (انوار النظر)

— حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ علیہ کے بارے میں مولانا مرحوم کا تاثر یہ ہے کہ ”مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی علم حدیث میں کمال کے ساتھ عربی ادب میں بھی کامل تھے ان کا ایک شعر جو انہوں نے اپنی پہلی بیوی کے مرتبہ میں لکھا عتاب ہے

دعوا بیاوم الحنیس فلم اذل      تلق العواد بکل یوم خمیس

مولانا نے اس شعر کو اپنی پہلی بیوی کے مرثیہ میں شامل کر کے اس کو پورا کر دیا ہے  
اس کا تذکرہ پہلے اچکا ہے۔ حضرت مولانا مرحوم کے ساتھ جو خصوصی تعلق حضرت مولانا محمد  
یحییٰ صاحب کو حاصل تھا اس کا ذکر اس تذکرہ میں جا بجا اچکا ہے۔

۲۔ مولانا سید سلیمان ندوی کے بارے میں حضرت مولانا مرحوم فرماتے ہیں:-  
”مولانا سید سلیمان ندوی علم تاریخ اور عربی ادب کے ماہر تھے۔ میں اکثر اپنے  
اشعار عربیہ ان کے ملاحظہ کے لیے بھیجتا۔“ مولانا مرحوم کی طالب علمی کے زمانہ میں لکھنؤ  
سے ایک ماہوار رسالہ ”البیان“ عربی نکلتا تھا اس میں مولانا سید سلیمان ندوی کے  
مضامین بھی عربی میں کبھی کبھی نکلتے تھے۔ سید صاحب اس وقت ندوہ میں تعلیم پا رہے  
تھے۔ مولانا مرحوم نے سید صاحب سے مکاتبت کا سلسلہ اگرچہ اسی وقت سے جاری  
کر دیا تھا اور غائبانہ تعارف بھی ہو گیا تھا مگر ملاقات کی نوبت بہت بعد میں آئی جبکہ  
دونوں ہی بزرگ بڑھاپے کی حد میں داخل ہو چکے تھے۔ سب سے پہلی ملاقات اس  
وقت ہوئی جس زمانے میں حضرت حکیم الامت تھانوی علیل ہو کر لکھنؤ علاج کے  
لیے تشریف لے گئے اور مولانا سید سلیمان ندوی حضرت تھانوی سے ملنے کے لیے  
تھانہ بھون تشریف لائے تھے حضرت سے تو ملاقات نہ ہو سکی۔ مولانا مرحوم اس وقت تھانہ  
بھون تھے ان سے ملاقات کے بعد کانگریس، مسلم لیگ اور پاکستان کے متعلق باتیں  
ہوئیں اور سید صاحب واپس تشریف لے گئے۔ حضرت تھانوی کی وفات سے چند دن پہلے  
جب سید صاحب تھانہ بھون تشریف لائے اس وقت بھی مولانا سے ملاقات ہوئی اور  
پھر حضرت حکیم الامت کی وفات کے بعد بھی ضلع سورت میں سید صاحب مولانا کی ملاقات ہوئی  
تھی اور ۱۹۴۹ء کے سفر حج میں مکہ مکرمہ میں اہل کبر الصورت کے مسئلہ کے متعلق سید صاحب کے  
استفتاء کرنے اور مولانا مرحوم کے جواب کا ذکر بھی اور پراچکا ہے۔

۳۔ حضرت اقدس شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی رحمہ اللہ کے ساتھ حسن عقیدت کا اظہار مولانا مرحومؒ نے اپنے آخری پیام بزمانہ تحریک خلافت میں ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے ”نہ ہم کو حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہ سے کبھی مخالفت ہوئی اور نہ اب ہے بلکہ ہم ان کے ساتھ حسن عقیدت کو اپنے لیے ذریعہ نجات سمجھتے ہیں۔“ (اشرف السوانح ص ۳۱۸ ج ۳)

حضرت شیخ الہند جزیرہ مالٹا سے رہائی کے بعد جب دیوبند واپس تشریف لائے تو مولانا مرحومؒ نے اپنے جذبات محبت و عقیدت کا اظہار ایک عربی قصیدہ میں بڑے فصیحانہ اور بلیغانہ انداز میں کیا تھا۔ یہ سارا قصیدہ اسی زمانے میں بمقامہ بھون کے ماہنامہ ”النور“ میں شائع ہوا تھا۔ اس قصیدہ کے یہ دو شعر یاد ہیں:-

بطلوع بدرتہ فی اللہ مان	زال الظلام دضاء کل مکان
ایسے بدگل کے طلوع ہوئیے جو اپنی چمک میں تام بنے	ترجمہ تمام اندھیریاں دور ہو کہ ہر جگہ روشن ہوگی
بقصد وہ شیخ عارفت ربانی	دوح الحیاۃ اعید فی الابدان
شیخ عارفت ربانی کے تشریف لانے سے	زندگی کی روح بدلوں میں سے لوٹا دی گئی

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ علیہ کی وفات کے بعد حضرت مولانا مرحومؒ کی ہی درخواست پر حضرت حکیم الامت مولانا تقانوی قدس سرہ نے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ علیہ کے حالات میں ایک رسالہ ذکر محمود تحریر فرمایا تھا اور اس کا منیم خود مولانا مرحومؒ نے تحریر فرمایا ہے جس کے آخر میں حضرت شیخ الہند کا مرثیہ بھی عربی میں مولانا مرحومؒ کا لکھا ہوا ہے۔ یہ سب کچھ اسی زمانہ میں رسالہ النور بمقامہ بھون میں شائع ہو چکا ہے۔

ہم — حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے بارے میں مولانا مرحوم تحریر فرماتے ہیں :-  
 ”مولانا خلیل احمد صاحب نسبت صحابہ اور کمال اتباعِ سنت کے ساتھ علم فقہ میں  
 بڑے کامل تھے“

صاحب تاریخِ مظاہر تحریر کرتے ہیں :-

”سالانہ جلسہ جمادی الاول ۱۳۲۴ھ مدرسہ کا اکیا نوں جلسہ جامع مسجد میں صبح  
 سات بجے منعقد ہوا۔ جلسہ کا افتتاح درجہ حفظ کی قرأت سے ہوا۔ اس کے بعد مولانا  
 ظفر احمد صاحب کا ایک طویل مقالہ مولانا اشفاق الرحمن صاحب کاندھلوی نے سنایا۔  
 پھر مولانا ظفر احمد صاحب زید مجدہ نے ایک عربی قصیدہ (جو مولانا کا ہی تحریر کردہ تھا)  
 جس میں مدحِ نبوی صلم کے ساتھ ساتھ حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب کے  
 متعلق بڑے بلند الفاظ، ان کے حبِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے  
 اپنے زمانہ میں یکتائی کو بڑے اچھے انداز سے سراہا تھا، پڑھ کر سنایا۔ تبرکاً اس کے  
 چند اشعار بھی درج ذیل کئے جاتے ہیں“

تقوم علی حب الخلیل ولہ یکن یسلو قلبی عن ودا د خلیل  
 اے مخاطب تو مجھ کو مولانا خلیل احمد کی محبت پر طاعت کرتا ہے مگر میرا دل ان کی محبت سے جدا نہیں ہو سکتا  
 قدمۃ نفوس العاشقین فانہ لعمری شفاء علی قلب علیل  
 عشاق کی جانیں ان پر ندامتوں کیونکہ وہ میری جان کی قسم پر بیماری شفاء ہیں۔  
 ترا اذا ما جبتہ متعللاً بنود من اللہ العظیم جلیل  
 جب تم ان کے پاس آؤ تو ان کے چہرے کو خدائے بزرگ کے نود سے چمکاتا ہوا پاؤ گے۔  
 الیعد لوی من لہ یشت بعد وجہۃ ولن یجدوا حقاً بمثل  
 کیا جتنی انکی زلیلت اب تک نہیں کی مجھے طاعت کرتا ہے حالانکہ سچ یہ ہے کہ انکی نظیر مگر نہ مل سکے گی۔

فلو لاح من بعد معيا خيالہ کبر للہ الجلیل عدوہی

اگر دوسے ان کا باجمال چہرہ ظاہر ہو جائے تو میرا ملاست کرنے والا خدا کی تکبیر کہنے لگے۔

يقولون ان الحب قتالة الفتی و طوبی لعاب فی الخدام قتیل

لوگ کہتے ہیں کہ محبت انسان کے لیے قاتل ہے یہی کہتا ہوں کہ عاشق مقتول کے لیے مبارک باد ہو۔

کان سہارنبود ما کان فیہ واحد اذا لم یکن فیہ جمال تحلیل

سہارنپور میں جب مولانا خلیل احمد کا جمال نہ ہوتا تو گویا اس میں کوئی بھی نہ ہوتا۔

وعنه فداعی الشوق من حب احد فاضی بخیر الارض خیر نزیل

مولانا کو سرور کائنات صلعم کی محبت پیدا ہوئی والی داعی شوق سے بلایا تو وہ بہتر زمین میں بہتر مقیم ہو گئے۔

نبی الی للعالمین ہدایۃ بوجہ یفوق النیرین جمیل

وہ ایسے نبی ہیں جو تمام جہان کے لیے ہادی بن کر ایسے خوبصورت چہرے کے ساتھ تشریف

لائے جو آفتاب و ماہتاب سے بھی فائق ہے۔

اتما تانبود اعجز الناس مثله فلا یسمع الدعوی بغیر دلیل

آپ ہمارے پاس ایسا چمکتا ہوا معجزہ لائے جس کی نظیر سے تمام لوگ عاجز ہو گئے کیونکہ

دعویٰ بلا دلیل سموع نہیں ہوتا۔

علیہ سلام اللہ مادامہ عاشق وصال حبیب اودھاب

آپ پر حق تعالیٰ کی طرف سے صلہ و سلام نازل ہوتا رہے جب تک کوئی عاشق محبوب کے وصال کی

یادیں گدگد کی بدائی کی تمنا کرتا ہے۔ (از تارخ مظاہر)

۴۴ اشعار کا ایک قصیدہ مدحیہ تاریخیہ بذل المجہود جلد ثانی کے آخر میں مجھے

شائع شدہ ہے ان اشعار میں بھی حضرت مولانا سہارنپوری اور حضرت موصوت کی تصنیف

کی تعریف بڑے عمدہ پیرایہ میں کی گئی ہے۔

## حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے بارہ میں مولانا مرحوم کے تاثرات

مولانا تحریر فرماتے ہیں کہ :-

” حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ علیہ کو علم تصوف اور تفسیر میں کمال حاصل تھا۔ تربیت السالک و اصلاح معاشرہ حضرت کا بڑا کارنامہ ہے۔ وہ اپنے زمانے کے مجدد تھے۔“

(انوار النظہ)

ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں :-

” حضرت اقدس حکیم الامت قدس سرہ نے اپنے تجدیدی کارناموں میں جہاں اور بہت سی عظیم الشان اسلامی خدمتیں انجام دی ہیں ان ہی میں ایک کارنامہ یہ ہے کہ باب حسن معاشرت کو زندہ فرما دیا۔ واقعی آپ کے لیے بجا طور پر اللہ تعالیٰ نے قلوب رجال میں لقب حکیم الامت مجدد الملک القادس فرمایا تھا۔“ (رحمۃ القدوس ص ۲۳۲)

حضرت مولانا مرحوم نے رحمۃ القدوس کی دوسری جلد کے ص ۲۰۷ تک حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی حیات مبارکہ میں تحریر فرمایا تھا جب ص ۲۰۸ سے حضرت کی وفات کے بعد لکھنا شروع کیا اور پہلی مرتبہ حضرت حکیم الامت کے نام کے ساتھ بجائے ان القاب کے جو زندگی کے ساتھ خاص تھے ایسے الفاظ کا استعمال کیا جن کا وفات کے بعد استعمال کیا جاتا ہے تو اس پر حضرت مولانا مرحوم نے اپنی جن قلبی کیفیات اور دلی تاثرات کا اظہار فرمایا ہے وہ بھی قابل ملاحظہ ہیں ارقام فرماتے ہیں :-

” اہ آج بجائے دام مجدم اور دام برکاتہم کے حضرت کے نام کے ساتھ  
قدس سرہ اور نور اللہ مرقدہ قلم سے لکھا جا رہا ہے۔ کیا کہوں اس وقت دل پر  
کیا گز رہی ہے ۔

تفطر قلبی اذا رأیتک واحداً . وکادت لها شمل الجبال نزل  
کے وہم تھا کہ نہ ہوں گے وہ کسے تھا گمان کہ رہیں گے ہم۔ ظفر اہ کیسے  
گئے ہیں وہ کہ چراغ دل ہی بجھا گئے۔ وہ عظیم الامت موقوفے وہ مجدد طرق ہدی  
وہ جو بانٹتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے ۔

۱۶ رجب ۱۲۷۲ھ سے آنے والی رات کو دو شنبہ کی مغرب کے بعد عشاء  
کے وقت آفتاب رشد و ہدایت غروب ہو گیا۔ دریا ٹے حکمت و معرفت زیر  
زمین مخفی ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ اب کون محبت و شفقت کے لہجہ  
سے مولوی ظفر کہہ کر مجھے پکارے گا۔ کون دست شفقت سر پر پھیرے گا؟  
کون علمی و علمی کوتاہیوں پر تنبیہ کرے گا اور کون علوم ظاہرہ اور احوال باطنہ کی گتھیوں  
کو سلجھائے گا اور کون بابرکت مجلس اور قیمتی ملفوظات سے تاریک دلوں کو  
منور کرے گا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

وندتہ نفوسنا لو کان یبعثہ لکان لنا بہ ظل طلیل !

(رحمۃ القدوس ص ۲۷ ج ۲)

حضرت حکیم الامتؒ کی وفات پر حضرت مولانا مرحوم کے تاثرات اس  
نظم عربی سے بھی واضح ہیں جو اشرف السوانح کے خاتمہ میں شائع ہو چکی ہے۔  
۴۲ اشعار کی یہ نظم عربی مولانا مرحوم کے دلی سوز و گداز اور تاثرات کا آئینہ ہے اس  
کا ایک شعر یہ ہے ۔

واوحت البلاء بنا و امست بیاباما پسوعا فیھا خلیل

ترجمہ: شہر ہمارے دشت ناک ہو گئے اور دیران بن گئے کہ کوئی دست نظر نہیں آتا۔  
اور دوسرا شعر یہ ہے:-

و کاد القلب ان ینشق لما ذلت فی التراب ملک المقلیل

ترجمہ:- اور دل شق ہونے لگا جب میں نے دیکھا کہ آپ کی آرام گاہ مٹی میں ہو گی۔

۳۶ اشعار کا ایک دوسرا مرتبہ بھی عربی زبان میں مولانا نے لکھا تھا جو پہلے  
معارف اعظم گڑھ ۱۳۱۲ھ میں شائع ہوا پھر بھی مرتبہ بعض اصلاحات و اضافات  
کے بعد ابلاغ جمادی الاول ۱۳۹۰ھ میں شائع ہوا ہے جس کا ایک شعبہ  
رحمۃ القدوس کے حوالہ سے اوپر بھی لکھا گیا ہے۔

## حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے جنازہ میں شرکت

ربیع الاول ۱۳۶۲ھ (۱۹۴۳ء) کی بات ہے کہ مولانا مرحوم ڈھاکہ  
سے گرمیوں کی تعطیل کا زمانہ گزارنے مقانہ بھون آئے تھے اس وقت حضرت  
حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ علیہ کو تکلیف تھی مگر سہارنپور کے علاج سے کچھ  
فائدہ ہونے لگا۔ اور زمانہ مکان سے متصل ظہر سے عصر تک مجلس قائم فرمانے  
لگے تھے۔ یہ حالت دیکھ کر کچھ اطمینان ہو گیا تھا۔ اس لیے مولانا آخر جون میں  
ڈھاکہ میں تشریف لے گئے۔ مگر جولائی میں مقانہ بھون سے خط کے ذریعے حضرت  
تھانویؒ کی طبیعت کے متغیر ہونے کا حال معلوم ہوا اس میں لکھا تھا کہ آپ جلد  
آجائیں۔ مولانا نے اس خط پر زیادہ خیال نہیں کیا کہ شاید معمولی تغیر سے گھر  
والے گھبرا گئے ہوں گے۔

مولانا کا خواب اور غیبی اشارہ | رات کو مولانا نے خواب میں دیکھا کہ مولانا

مقتانہ بھون گئے ہیں اور حضرت سے ملے ہیں

تو حضرت مولانا کو دیکھ کر خوش ہوئے اور فرمایا الحمد للہ میری نمازِ جنازہ پڑھانے والا آگیا۔ اس خواب سے مولانا کے دل پر اثر ہوا اور شفعا الملک حکیم حبیب الرحمن صاحب مرحوم سے اس کا ذکر کیا۔ انہوں نے جلد ہی مقتانہ بھون جانے کا مشورہ دیا۔ مولانا نے ڈھاکہ یونیورسٹی سے رخصت کی درخواست لکھ کر حکیم صاحب موصوف کے حوالہ کی اور اگلے ہی دن مقتانہ بھون کے لیے روانہ ہو گئے۔ اس خواب کا مولانا نے دوسرے دو اور حضرات سے بھی ذکر کر دیا تھا۔ انہوں نے بھی مولانا کے ہمراہ مقتانہ بھون جانے کا عزم ظاہر کیا تو مولانا مرحوم نے ان کو اس شرط پر اپنے سامنے لے جانا منظور کیا کہ اس خواب کا تذکرہ وہاں جا کر کسی سے نہ کیا جائے کیونکہ اس سے اعزہ و احباب کو پریشانی ہوگی۔

مولانا مقتانہ بھون حاضر خدمت ہوئے تو حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کتنی رخصت لے کر آئے ہو؟ عرض کیا کہ ایک ماہ فرمایا بہت تھوڑی ہے۔ مولانا نے عرض کیا بعد میں توسیع کرالی جائے گی۔ فرمایا بہت اچھا۔ مگر ہوا یہ کہ مولانا کی حاضری کے صرف دس روز بعد ہی حضرت نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اور توسیع رخصت کی ضرورت پیش نہ آئی۔

آخری دن اور آخری وقت میں خدمت | حضرت حکیم الامت تھانوی کی

آخری دن میں آخری وقت

وصال تک خدمت بجالانا مولانا مرحوم کے حصّہ میں رکھی تھی۔ مولانا اس دن ہمہ تن حضرت کی تیمارداری میں مشغول رہے اور عشاء کے وقت جو عین وقتِ فراق تھا

سب خدام نمازِ عشاء کے لیے گئے ہوئے تھے مولانا نے دوسری مسجد میں اول وقت اذان دلا کر جلد ہی جماعت سے نماز پڑھ لی تھی اور خدمتِ اقدس میں حاضر ہو گئے تھے حضرت تھانویؒ نے مولانا کو پکارا بھی تھا مولانا نے حاضر ہو کر پلنگ قبلہ رخ کر دیا۔ اور حالتِ نزع میں اب نہرم میں شہد ملا کہ چھپے سے بار بار پلاتے رہے اور سورۃ یسین شریف کی تلاوت کرتے رہے یہاں تک کہ روحِ نفسِ عنقریب سے پرواز کر گئی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ مولانا مرحوم نے اس کی تفصیل ایک خط میں مولانا سید سلیمان ندوی کو اس طرح لکھ کر بھیجی تھی۔ فرماتے ہیں :-

”یہ ناچیز آخرت تک حاضر خدمت رہا دل پر پتھر رکھ کر بیٹھا رہا۔ قلبِ اطہر کی طرف متوجہ رہا۔ تسبیحِ رفع کرنے کے لیے اب نہرم دیتا رہا۔ یہاں تک کہ آخری سانس میرے سامنے ختم ہوا۔ یسین اور کلمہ کی تلقین کرتا رہا۔ غسل بھی دیا نماز بھی پڑھائی۔“

ناظرین نے اوپر پڑھا ہو گا کہ مولانا کے استاد نمازِ جنازہ کی امامت

مولانا عبداللہ گنگوہیؒ کو مولانا مرحوم کے خوابوں پر بڑا اعتماد تھا اور واقعی مولانا کے خواب بکثرت واقعہ بن کر ظاہر ہوئے۔ ڈھاکہ میں مولانا نے جو خواب حضرت تھانویؒ کی نمازِ جنازہ پڑھانے کے متعلق دیکھا تھا وہ بھی ہو ہوا واقعہ بن کر سامنے آیا حضرت تھانویؒ کے چھوٹے بھائی جناب منشی مظہر علی صاحب مرحوم نے جو کہ حضور کی دلی تھے مولانا کو آواز دی کہ نماز پڑھاؤ مولانا نے عذر بھی کیا کہ حضراتِ علماء سہ ماہ پنور میں سے کسی کو اس خدمت کے لیے تجویز کیا جائے مگر انہوں نے مکر مولانا ہی کو نماز پڑھانے کیلئے کہا اب مولانا نے اگے بڑھ کر نمازِ جنازہ پڑھانے کا شرف حاصل کیا اور اجاب کو اس خواب کے بیان کرنے کی اجازت بھی دے دی۔

عمر این سعادت بزورِ بازو نیست تانہ بخشہ خدا لے بخشندہ

مولانا مرحوم کو تحریری طور پر مبارک باد حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے اپنی وفات سے دو دن پہلے مولانا کو حسب ذیل

تحریری بشارت باوجود انتہائی ضعف کے اپنے دست مبارک سے لکھ کر عطا فرمائی تھی۔ اس میں تحریر تھا ہنیٰ لکم المنوذج ایۃ وجعلنا ہاد انہا آیۃ للعالمین یہ تحریر دے کر فرمایا پڑھ لیا اور سمجھ لیا۔ مولانا نے عرض کیا پہلا لفظ ہنیں پڑھا گیا فرمایا ہنیٰ لکم (مبارک باد) مولانا نے عرض کیا اب سمجھ گیا اور اس نعمت پر سجدہ شکریہ بجالائے " واقعی حضرت شیخ کا اپنے کسی متوسل اور منتسب کو اپنے آخری وقت میں مبارکباد دینا اور اس سے راضی خوشی اس دنیا سے جانا اس کے لیے بڑی ہی خوش بختی اور خوش نصیبی کی بات ہے کیونکہ شیخ کی رضا اور خوشنودی ہی دارین کی فلاح اور سعادت کی کلید ہے۔

حضرت مولانا مرحوم اس مبارکباد کے ذکر کے بعد اقام فرماتے ہیں :-  
 " حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے بعض غلام کو جو اس وقت تھانہ بھون میں موجود تھے اس بشارت سے پہلے مجھ سے کچھ غلط تھی حضرت کے انتقال کے بعد انہوں نے مجھ سے معافی چاہی تو میں نے غالب کا یہ شعر پڑھ کر سب کو معاف کر دیا۔  
 سفینہ جیب کہ کنارہ پہ آ لگا غالبؒ خدا سے کیا گلہ جو رنا خدا کہیے !  
 (انوار النظر ص ۳ ج ۲)

مولانا مرحوم تحریر فرماتے ہیں کہ :-  
**مولانا کا خواب**  
 " جب سازشیں سازش کر رہے تھے اس زمانہ میں احقر نے خواب میں اپنے جد امجد حضرت عثمانؓ کو دیکھا کہ باغی ان کو خلافت سے معزول کرنا چاہتے تھے انہوں نے اپنے کو معزول نہیں کیا اور شہید کر دیئے گئے ہیں۔ میں نے

یہی سمجھا کہ میرے ساتھ بھی یہی معاملہ ہو رہا ہے اور جیسے وہ خلفاء راشدین میں شمار ہوئے اور  
 باغیوں کی کچھ نہ چلی اسی طرح میرا بھی معاملہ ہو گا۔

راج کہتا کی ایک کتاب | مولانا مرحوم تحریر فرماتے ہیں ”مولانا قاری محمد طیب صاحب  
 نے حکیم حبیب الرحمن صاحب ڈہاکوی مرحوم کے سامنے

ایک ہندو سے ایک کتاب راج کہتا سنی جس میں بڑے بڑے لوگوں کا تذکرہ تھا اور  
 یہ کتاب پانچ سو سال پہلے کی لکھی ہوئی ہے۔ اس میں سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کا ذکر بھی تھا اور دیگر صحابہ و اولیاء کرام کے سلسلہ میں حضرت حکیم الامت تھا تو جی کا  
 تذکرہ بھی تھا جس میں یہ فقرہ بھی تھا کہ ایسے رشی صدیوں میں پیدا ہوا کرتے ہیں۔

پھر حضرت کے خلفاء میں سے بارہ خلفاء کا تذکرہ متعین میں اس احقر کا نام بھی تھا اور  
 مولانا محمد طیب صاحب کا بھی اور حافظ محمد الیاس صاحب کا بھی و ہذا من فضہ دبی۔“

نوٹ: حضرت حکیم الامت نے اس کتاب کے متعلق فرمایا تھا کہ ”یا تو اس کا  
 مصنف علم جعفر و رطل کا ماہر تھا کہ پہلے زمانے میں اس علم کے صحیح اصول موجود تھے

یا کوئی صاحب کشف۔“ بہاد اللہ اعلم۔

(مکتوب گرامی مولانا مرحوم بنام موصوفی علی محمد صاحب مرحوم)



## باب ہشتم

### مذہب و سیاست

سیاست کا مذہب کے ساتھ کیا تعلق ہے اور اسلام میں سیاست کا کیا درجہ ہے؟ اس سوال کے جواب کے لیے پہلے سیاست کے معنی اور مفہوم کو ذہن نشین کرنے کے لیے ضرورت ہے اس کے بعد بتلایا جائیگا کہ اس کا مذہب اور اسلام سے کیا تعلق ہے؟

سیاست کے لفظی اور اصطلاحی معنی | سیاست کے لفظی معنی دیکھ بھال یا نگہبانی کے ہیں۔ لفظ "سائیس" اسی لفظ سیاست

سے ماخوذ ہے جس کے معنی نگران کے ہیں لیکن سیاست کے اصطلاحی معنی ملکی دیکھ بھال اور نظام ملکی کے لیے تدابیر پر غور کرنے اور اس کے لیے قوانین وضع کرنے کے ہیں۔

کتب حکمت و فلسفہ کے مطالعہ سے واضح ہے کہ تہذیب اخلاق اور تدبیر منزل کی طرح سیاست مدینہ بھی حکمت عملیہ کی ایک قسم کا نام ہے جس میں بہت سے انسانوں کی بود و باش اور رہنے سہنے کی ضروریات و مصالح اور کسی ایک شہر یا ملک کی دیکھ بھال اور اس کے نظام سے بحث کی گئی ہو اسی سیاست مدنیہ اور تدبیر ملک داری کو عرف عام میں سیاست کہا جاتا ہے۔ سیاست کے اس صحیح مفہوم

اور معنی معلوم ہو جانے کے بعد واضح ہو گیا ہو گا کہ عام طور پر ملک میں جو سیاست مروج ہے اور اس نقطہ کو سن کر عام ذہنوں میں جو معنی آتے ہیں بغیر مکرو فریب اور دغا بازی اور عیاری و چالاکي یہ یورپین سیاست ہے۔ شرعی سیاست سے اس کو کوئی تعلق نہیں ہے اور اسی سیاست سے مولانا مرحوم نے اپنے شجرہ میں اپنے متعلقین کو علیحدہ رہنے کی نصیحت فرمائی ہے۔

**سیاست کی تقسیم** | اس کے بعد جاننا چاہیے کہ تدبیر ملک داری اور ملک کا نظام جس کو سیاست کہا جاتا ہے اس کے دو حصے ہیں

ایک سیاست کا علمی حصہ اور اس کے احکام شرعیہ ہیں۔ سیاست کا یہ حصہ شریعت کا جز اور اس کا حصہ ہے چنانچہ کتاب السیر حدیث و فقہ کا ایک مستقل جز اور باب ہے۔ درکس و تدریس اور تعلیم و تعلم کے ذریعہ ہر دور میں علماء نے اس کو باقی اور قائم رکھا ہے اور شریعت کے اس حصہ کی علمی طور پر حفاظت کی ہے۔ سیاست کا یہی وہ حصہ ہے جس سے ہر عالم کو واقف ہونا چاہیے اور اس کی واقفیت حاصل کرنا عالم کے فرض منصبی میں شامل ہے۔ دوسرا حصہ سیاست کا ملک داری کے نظام اور اس کو قائم رکھنے کی تجرباتی تدابیر ہیں جو ہر زمانہ میں حالات و واقعات اور آلات وغیرہ کے تغیر و تبدل سے بدلتی رہتی ہیں۔

پھر چونکہ تجربہ کا دار و مدار حالات و واقعات کے پیش آنے اور ان سے واقفیت حاصل ہونے پر ہے اس لیے تجرباتی تدابیر میں علماء کے حالات مختلف ہو سکتے ہیں اور یہ عین ممکن ہے بلکہ واقع ہے کہ کسی عالم کو ایسے حالات سے دلچسپی اور واسطہ نہ ہونے یا کم ہونے کی وجہ سے ان کا تجربہ کم ہو اور دوسرے کو ایسے حالات اور واقعات سے زیادہ دل بستگی اور وابستگی ہونے کے سبب زیادہ

تجربہ حاصل ہو۔ تجربہ کی یہ کمی بیشی حالات اور واقعات کی واقفیت کی کمی بیشی پر مبنی ہوتی ہے اور ہر عالم کا حالات واقعات سے واقفیت حاصل کرنا اور تجربہ بہ کار ہونا اگرچہ ضروری نہیں ہے لیکن چونکہ دنیا کی کوئی تجویز و تدبیر اور کسی شخص کا کوئی عمل اور اس کی رائے ایسی نہیں ہو سکتی جو شریعت کی حدود سے باہر اور مذہب کی گرفت سے آزاد ہو اور جس کا حکم شرعی جائز یا ناجائز نہ ہونا شریعت سے معلوم نہ کیا جاسکتا ہو۔ اس لیے عالم شریعت کے لیے ہر عمل اور ہر تجویز و تدبیر سے متعلق شرعی حکم کا علم رکھنا اور اس سے واقفیت حاصل کرنا بھی ضروری ہے اور شریعت کی ان تدابیر اور تجاویز پر عمل کرنے والوں کے لیے بھی علماء شریعت کی طرف رجوع کرنے کی حاجت ہے اور ان پر لازم ہے کہ وہ عمل کرنے سے پہلے علماء شریعت سے معلوم کریں کہ یہ تدابیر اور تجاویز انہ روئے شریعت و مذہب قابل عمل اور جائز ہیں یا نہیں۔

اس کی ایسی مثال ہے جیسے فن طب میں اصلاح احوال بدن کی تدابیر مدد کی گئی ہیں اور حفاظت میں ان تدابیر کی علی طور پر مشق کرائی جاتی ہے مگر ظاہر ہے کہ ان طبی تدابیر کا جاننے والا جب تک کسی طبیب کے پاس نہ کہ مطب نہیں کرے گا اور ان طبی تدابیر پر عمل نہیں کرے گا اس وقت تک فن طب کے عالم ہونے کے باوجود اس میں تجربہ کار نہیں ہو سکتا۔

اصلاح احوال بدن کی تدابیر کا علم حاصل کرنا اور پھر مطب میں ان تدابیر پر عمل کرنا اگرچہ طبیب کے فرائض میں داخل ہے اور بحیثیت طبیب وہ اس پر عمل پیرا ہونے کا مکلف ہے مگر ان طبی تدابیر کے متعلق جواز اور عدم جواز شرعی کی تحقیق کہ نا عالم شریعت کا فرض منصبی ہے اور طبیب کے ذمہ لازم ہے کہ

وہ ان تدابیر پر غور کرنے سے پہلے ان کے جواز اور عدم جواز کو کسی ماہر شریعت سے معلوم کرے۔ ایسا ہی سیاست مدنیہ یعنی نظام ملکی کی ان تدابیر اور تجاویز کا حال ہے جن کا تعلق واقعات اور تجربات سے ہے کہ ہر عالم کے لیے ایسی سیاسی تدابیر میں تجربہ کار ہونا ضروری نہیں ہے اور نہ ہی اس قسم کے تجربات کا حاصل نہ ہونا کسی عالم کے حق میں نقص میں شمار کرنے کے لائق ہے کیونکہ ایسے تجربات میں مہارت حاصل کرنے کے ذرائع دوسرے ہیں جن کا خلاصہ ایسے امور سے طبعی مناسبت کے علاوہ وقائع خاصہ سے سابقہ پڑتا ہے لیکن ایسے تجربات رکھنے والوں پر بہر حال لازم ہے کہ ان کے تجربہ کی بناء پر جن تدابیر و تجاویز پر عمل کرنا ملکی مصالح کے لیے مفید اور زیر غور ہوں ان پر عمل کرنے سے پہلے ان کے بارے میں علماء شریعت سے استصواب کہیں اور ان کے جواز اور عدم جواز کی تحقیق کر لیں۔

**سیاسی جماعت کا کام** | نظام ملکی کو قائم رکھنے والی اور سیاسی تدابیر میں تجربہ کاروں کی جماعت کا ایک کام تو یہ ہے کہ وہ اپنی سیاسی بصیرت اور تجربات کے پیش نظر ایسی تدابیر و تجاویز و فکر کرتی رہے جو اس نظام کے لیے مفید ہوں اور دوسرا کام اس کا یہ ہے کہ غور و فکر کے بعد جو تجاویز اس کو قابل عمل اور مفید معلوم ہوں ان کے متعلق علماء شریعت سے شرعی احکام معلوم کر کے اس کے مطابق عمل پیرا ہوں۔

**علماء کا اصل کام** | اور جماعت علماء کا عام حالات میں ملکی سیاسیات سے متعلق اصل کام تو یہی ہے کہ وہ ان تدابیر کے شرعی احکام اور ان کے جواز اور عدم جواز کی تحقیق کر کے ان کے بارے میں یہ

فیصلہ صادر کرے کہ فلاں تدبیر اور تجویز از روئے شریعت جائز اور قابل عمل ہے اور فلاں تدبیر اور تجویز شرعاً جائز اور ناقابل عمل ہے۔

جب معلوم ہو گیا کہ ان دونوں جماعتوں کا دائرہ عمل الگ الگ اور منفصل جدا جدا ہیں کہ ایک جماعت کا کام تدابیر کا تحقیق کرنا اور ان میں سے جائز تدابیر کو بروئے کار لانا اور ملک میں علی طور پر ان کا نافذ کرنا ہے اور دوسری جماعت علماء کا اصل کام ان تدابیر کے بارے میں شرعی احکام بتلانا ہے۔ تو اب یہ کس قدر حقیقت ناشناسی کی بات ہے کہ ایک جماعت کے فرائض پر دوسری جماعت کو مجبور کیا جاتا ہے اور ایک جماعت کی ذمہ داریوں کو دوسری جماعت کے سر ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

**استثنائی حالت** | البتہ اگر کسی وقت کوئی جماعت اہل سیاست کی ایسی موجود نہ ہو کہ وہ علماء سے احکام شرعیہ

دریافت کر کے عمل کیا کرے اور جو سیاسی جماعت موجود ہو وہ نظام ملکی کی تدابیر پر عمل پیرا ہونے میں حدود و شریعت سے تجاوز نہ کرتی ہو تو پھر ایسے وقت میں علماء کے ذمہ یہ فرض بھی عائد ہوتا ہے کہ وہ یا تو ایک ایسی جماعت بنائیں جو علم احکام میں ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ علی طور پر سیاسیات اور تدابیر امور مملکت کا تجربہ بھی رکھتی ہو اور وہ جماعت علی اور علی طور پر سیاست کی جامع ہو یا پھر موجودہ جماعت میں سے کسی جماعت کو اس پر آمادہ کریں۔ کہ وہ علمائے شریعت سے احکام معلوم کر کے ان کی ہدایت پر عمل کرنے کی پابندی کرے۔

اور ظاہر ہے کہ ایسی جامع جماعت کا انتظام کرنے کی شرط یہ ہے کہ

اس پر قدرت و استطاعت حاصل ہو کیونکہ انسان احکام شرعیہ اور فرائض فرض کا اپنی استطاعت و قدرت کے موافق ہی تکلف ہوتا ہے۔

**شہ آئی دلیل** قرآن مجید میں نص ہے کہ بنی اسرائیل نے باوجود ان میں ایک نبی موجود ہونے کے جہاد کرنے کے لیے ایک مستقل

بادشاہ کے مقرر کرنے کی درخواست کی تھی۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ خود ہرنبی کے لیے بھی سیاسیات میں تجربہ اور مناسبت لازم میں سے نہیں تا بہ دیگر ان علماء و مشائخ چہ رسدور نہ ایسی درخواست نہ کر دی جاتی۔

اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ کسی نئی میں نقص کا ہونا جائز نہیں ہے اس سے ثابت ہو گیا کہ ایسے تجربات اور مناسبت کا نہ ہونا نقص نہیں ہے بہر حال بنی کے ہوتے ہوئے ان سے یہ کام لینا اثبات مدعا کے لیے کافی ہے کہ کمال نبوت کے لیے سیاسی تجربہ لازم نہیں ہے۔

اور امور تجربہ کا علم اگرچہ اپنے آثار نافعہ کے ایک اعتبار سے کمال ہے مگر اس کے فقدان سے نقص لازم نہیں آتا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ "کمال اور نقص متنقص نہیں ہیں کہ کمال کا رفع نقص کے وضع کو مستلزم ہو بلکہ متفاد ہیں دونوں کا رفع اور درمیان میں واسطہ کا ہونا جائز ہے۔"

چنانچہ بعثت عامہ کمال ہے مگر اس کا عدم بھی نقص نہیں ورنہ بجزہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجود کمال جامعیت اور سیاست میں ماہریت کے بھی غزوہ اہزاب میں خندق کھودنے کی تدبیر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے حاصل ہوئی۔ فقہہ تابعین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد انتہا اعلم بامود دین کہ ایسے تجربوں پر معمول ہے اور راز اس کا یہ ہے کہ ایسے

تجربے اور تدبیریں اپنی ذات میں دنیوی امور میں گومبارح ہیں عارض سے دین ہو جاتے ہیں اس لیے اُن کا نہ جاننا کسی درجہ میں کمال مقصود میں قاصر نہیں۔

(ماخوذ از رسالہ رفع بعض الشبهات علی السیاسات من آیات حضرت تھانوی)

ادپر کی تحقیق سے ایک تو یہ بات واضح ہو گئی کہ سیاسیات کا عملی حصہ یعنی تدابیر تجربہ جو نہ اپنی ذات میں دنیوی امور ہوتے ہیں اور اصل میں شریعت کا جز نہ ہیں گومبارح سے دین ہو جاتے ہیں اس لیے ان امور تجربہ کی بالقعہ تحقیق اور ان کے معلوم کرنے کے لیے جدوجہد کرنا اور اس میں عملی حصہ لینا دوسرے امور دنیوی کی طرح عالم شریعت کے اصل فرائض اور اس کی ذمہ داری میں شامل نہیں ہے۔ ہاں جب کوئی جماعت بھی اس کام کو شریعت کے موافق انجام نہ دے رہی ہو تو پھر اس عارض کی وجہ سے وقتی طور پر یہ ذمہ داری بھی علماء کی جماعت پر ہی عائد ہو جاتی ہے البتہ ایسے سیاسی تجربات کے جواز اور عدم جواز کی تحقیق کرنا ہر حال میں عالم شریعت کے ذمہ اور اس کا فرض منصبی ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ ان تدابیر سیاسیہ پر عمل کرنے والوں کے لیے علماء شریعت سے کسی وقت بھی استغناء نہیں ہے بلکہ ان پر عمل کرنے کے لیے علماء کی طرف رجوع کرنے کی ان کو ہر وقت احتیاج اور ضرورت ہے۔

دوسری بات اس تحقیق سے یہ معلوم ہوئی کہ علماء کا اصل وظیفہ اور ان کا فرض منصبی احکام شرعیہ کی تحقیق و تنقیح کرنا ہے۔ اس لیے علماء کی جو جماعت احکام شرعیہ کی تحقیق و تنقیح میں مصروف عمل ہوگی اور اس وجہ سے وہ ان امور سیاسیہ میں مشغول نہیں ہے تو وہ جماعت علماء اپنے اصل فرض منصبی کی ادائیگی میں لگی

ہوئی ہے اس لیے انہیں دے شریعت نہ تو وہ کسی کو تاہی علی کی مرتب ہو رہی ہے اور نہ ہی وہ علی طور پر کسی نقص میں مبتلا ہے۔

ایک قابل اصلاح غلطی | اس جگہ ایک قابل اصلاح عامیہ غلطی کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے کہ سیاست مملکت میں علی

حقہ لینے والی جماعت علماء اور اس کی ملکی و سیاسی خدمات کو۔ دوسری جماعت علماء سے عام طور پر یہ کامل تر سمجھا جاتا ہے جو اپنے اصلی فرض منصبی کے ادا کرنے میں مہمک اور اس کی علی خدمات مسائل شرعیہ کی تحقیقات میں مشغول ہیں اور اس طرح وہ اپنے علمی منصب کی حق ادا کر رہے ہیں حالانکہ حقیقت حال اس کے برعکس ہے کہ علماء کی جو جماعت علمی خدمات میں سرگرم عمل اور جائز و ناجائز امور کی تحقیقات سے لوگوں کو آگاہ کرنے اور ان کی تعلیم و تعلم اور تبلیغ و اشاعت میں مشغول ہے وہ دین کی اصل خدمت انجام دے رہی ہے اس لیے کہ علماء شریعت کا کام یہی ہے کہ دین کے عقائد و اعمال اور اخلاق و معاملات وغیرہ کی حفاظت و تبلیغ کا فرض انجام دیں اور دین کے شعبہ سیاست کو بھی لادینی سیاست کے تقورات اور اثرات سے محفوظ رکھنے کی کوشش کریں اور اگر کسی وقت ان کو ملکی اقتدار حاصل ہو یا نظم مملکت میں اثر و رسوخ حاصل ہو جائے تو وہ اس کو بھی دین کے شعبہ عقائد اور اعمال و اخلاق کی تبلیغ و اشاعت کا ذریعہ بنائیں اور اس اقتدار کو دین کے معروفات کے قائم کرنے اور منکرات کے ازالہ کا وسیلہ تصور کریں کیونکہ دین کا یہ شعبہ سیاست اپنی ذات سے خود مطلوب و مقصود نہیں ہے بلکہ دین کے دوسرے شعبوں عقائد و عبادات وغیرہ کے قائم کرنے کا ذریعہ ہونے کی حیثیت سے مطلوب ہے۔

اب یہ تو صحیح طریق کار اور طبعی عمل ہے کہ سیاسی اقتدار کو ذریعہ کے درجہ میں رکھ کر اس سے معروضات کے قائم کرنے اور مشکلات کے ازالہ کا کام لیا جائے اور زمین میں حکومت اور تسلط کو دین کے تمام شعبوں کی خدمات سر انجام دیئے جانے کا وسیع بنایا جائے مگر خود اقتدار کو یہی مقصود بالذات بنا کر اس کے حصول کے لیے اس طرح سرگرداں ہو جانا کہ دین کے دوسرے تمام شعبوں کی اہمیت کو نظر انداز کر دیا جائے اور یہ معلوم ہونے لگے کہ یہی ملکی اقتدار اور سیاست ہی اصل دین ہے اور دوسرے تمام دینی شعبے گویا اس کے تابع اور اس کی فرع ہیں تو یہ ایک غیر طبعی عمل اور قلب موضوع ہو گا۔ اور اگر اس عملی سیاست میں شریعت کی حدود کی بھی پرواہ نہ کی جائے اور مذہب کی قید سے آزاد ہو کر حقہ لیا جائے تب تو اس کے لادینی ہونے میں کوئی شبہ ہی نہیں رہتا۔ ایسی ہی سیاست کے بارے میں کہا گیا ہے ۔

جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اس جگہ سے دین و مذہب اور سیاست کے ربط و تعلق کا حال واضح ہو جاتا ہے کہ سیاست دین و مذہب کا ایک شعبہ اور اس کی ایک شاخ ہے اور یہ دین اور مذہب اسلام چونکہ ایک جامع نظام حیات ہے وہ اپنے تمام شعبوں پر حاوی ہونے کی وجہ سے اس شعبہ سیاست پر بھی حاوی ہے اور یہ شعبہ سیاست بھی دوسرے تمام دینی شعبوں کی طرح مذہب کی حدود و قیود کا پابند ہے اب جو سیاست ان حدود و قیود سے آزاد ہو اس سیاست کا دین و مذہب سے کوئی واسطہ اور تعلق نہیں ہے ایسی ہی آزاد اور بے قید سیاست کو چنگیزی اور لادینی سیاست کا نام دیا گیا ہے ۔

بہر حال جن لوگوں نے سیاست کے بارہ میں یہ نظریہ قائم کیا ہے کہ سیاست کو مذہب اور اسلام سے کوئی سروکار اور واسطہ نہیں ہے اُن کا یہ نظریہ قطعاً غلط اور سرسبز باطل ہے ایسے لوگوں کو یا تو اسلام کے مکمل ضابطہ حیات ہونے اور مذہب کے انسانی زندگی کے تمام شعبوں اور پہلوؤں پر حاوی ہونے اور اس کے مادی اور روحانی تمام ضروریات کے کفیل و ضامن ہونے کی بالکل خبر ہی نہیں ہے یا پھر وہ اسلام کے ہمہ گیر اور جامع نظام حیات ہونے سے دیدہ و دانستہ انکار کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

**علماء اور سیاست** تاریخ اسلام کے اوراق سے یہ حقیقت روشن ہے کہ ابتدائے اسلام سے ہی ہمیشہ علماء کی جماعت نے سیاست میں حصہ لیا ہے اور کتاب و سنت کے عالم ہونے کی حیثیت سے حضرات علماء کو کرم نے اسلام کے دوسرے شعبوں کی طرح اس کے شعبہ سیاست میں بھی رہبری اور نگرانی کا فرض ہمیشہ انجام دیا ہے اور لادینی سیاست کے غلط رجحانات اور گندی سیاست کی آلائشوں سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کی کوششیں علمائے کرام کا اہم کارنامہ ہے البتہ سیاست میں حصہ لینے اور ملکی خدمات میں شرکت کرنے کا ہمیشہ اور ہر دور میں ایک ہی طرز نہیں رہا بلکہ زمانہ اور حالات کے مطابق علماء کی طرف سے ہر دور میں اُس کے لیے مختلف طریقے اختیار کئے گئے ہیں۔

خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز امام ابوحنیفہ، علامہ ابن تیمیہ اور حضرت مجدد الدلت ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی وغیرہ بہت سے اکابر امت نے اپنے اپنے زمانہ میں جس طرح علم و فضل میں امت کی پیشوائی اور امامت فرمائی ہے اسی طرح ان حضرات نے اسلام کے نظام حکمرانی اور امور سیاست میں بھی رہنمائی

فرمائی ہے۔ مگر اس رہنمائی میں سب کا ایک ہی طریقہ کار اور ایک ہی طرز عمل نہیں رہا۔

بعض حضرات نے اگر اپنے خطاب اور مکتوبات کے ذریعے حکمرانوں اور بادشاہان اسلام کی رہنمائی اور نگرانی فرمائی ہے تو دوسرے بعض حضرات نے کاروبار حکومت میں دخیل کار اور نظام ملکی میں عملی طور پر شریک ہو کر بھی کارہائے حکومت کی ذمہ داریوں کو سنبھالا ہے اور سلاطین وقت کی طرف سے عہدہ ہائے جلیلہ اور منصب عظیم پر فائز ہو کر اپنی قدرت و استطاعت کے موافق صورت حال کے درست کرنے کی کوشش اور سعی کی ہے۔

محدث جلیل امام زہری رحمہ اللہ علیہ کا خلیفہ عبدالملک کے زمانے سے لے کر خلیفہ یزید بن عبدالملک کے زمانہ حکومت تک کاروبار مملکت میں شریک رہنا اور جناب امام شعبیؒ کا ان ہی عبدالملک کی طرف سے عہدہ سفارت قبول کر کے قیصر روم کی طرف جانا اور حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ علیہ کا خلیفہ ہارون الرشید کی طرف سے قاضی القضاۃ کے عہدے کو قبول کرنا۔ پھر پانچویں صدی ہجری میں علام ابن ترم ظاہری کا وزارت کے اہم عہدے کو برداشت کرنا اور اسی طرح کے بہت سے واقعات ہیں جن سے بعض علمائے کرام کا طرز عمل واضح ہو رہا ہے کہ انہوں نے شعبہ سیاست اور ملک رانی میں عملی طور پر حصہ لے کر اصلاح احوال کی کوشش فرمائی ہے۔

لیکن بعض اکابر علمائے کرام نے کاروبار حکومت اور سیاست میں عملی حصہ نہیں لیا بلکہ صاحب اقتدار امراء اور سلاطین اور جن کے ہاتھ میں تمام اختیار تھی ان کی علمی رہنمائی اور اصلاح کی طرف توجہ نہ فرمائی اور اس طریق سے حکمرانوں کی سیاست

کارِخ لادینی سیاست سے دین و مذہب اور دینی سیاست کی طرف تبدیل کرنے کی بار آدرسی فرما کر اپنا فرض خدمت اسلام اور اصلاح امت کے لیے انجام دیا۔ اس کی مثال ہندوستان کی سیاست میں اکبر کے ملحدانہ خیالات کی اصلاح کے لیے حضرت مجدد الف ثانیؒ کا پُر عزم مجاہدانہ اقدام ہے چنانچہ حضرت مجدد صاحب کے مکاتیب کا بہت بڑا حصہ اس زمانہ کے امراء اور صاحب جاہ و منصب لوگوں کے نام ایسی ہی اصلاحات پر مشتمل ہے۔

سیاست کے بارے میں علماء کرام کے اس مختلف طرزِ عمل اور طریقہ کار کے اختیار کرنے کے باوجود ان سب کا مشترکہ نقطہ نگاہ ایک ہی تھا اور وہ یہ کہ مملکت میں قرآن و سنت اور احکام اسلام کا اجراء ہو اور نظام ملکی کو تبدیل کر کے اس میں اسلامی طرزِ سیاست جاری کیا جائے اس کے سوا ان حضرات کے پیش نظر اور کچھ نہیں تھا صرف اقتدار پر قبضہ کرنا اور سیاست برائے سیاست ان کا مقصد اور مشغلہ نہیں تھا اور نہ وہ سیاسی امور میں اس طرح مہمک اور سیاست کے پیچھے اس طرح لگے ہوئے تھے کہ شب و روز اسی کا ذکر و فکر ہو اور رات دن اسی کی ادھیڑ بن کے سوا ان کا کوئی مشغلہ ہی نہ ہو بلکہ یہ حضرات اپنے علمی اور اصلاحی مشاغل میں مشغول رہتے تھے۔ اور دوسرے شعبوں کے ساتھ حسبِ ضرورت نظام ملکی کی اصلاح میں بھی حصہ لیتے رہتے تھے۔ پھر کبھی یہ اصلاح صرف علمی و ہنائی کی حد تک محدود ہوتی تھی اور کبھی ضرورت واقع ہونے پر عملی طور پر بھی سیاست میں شرکت کی جاتی تھی۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ علیہ اور ان کے جانشین حضرات شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین وغیرہ نے قرآن و

سُنّت کی تعلیم اور ترکیبِ نفس کے ذریعہ مسلمانوں کی اصلاح کرنے اور سیرت و کمہ دار کے عملی نمونے تیار کرنے میں اپنی عمر ہی صرف فرمادیں اور اپنی کتابوں میں ملکی سیاست کے بھی ایسے اصول و قواعد بیان کئے جن کو دیکھ کر فلاسفہ یورپ بھی حیران و ششدر رہ گئے۔ اس طرح ان حضرات نے سیاستِ ملکی کے بارے میں بھی ایسی علمی رہنمائی فرمائی جس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔

مگر عملی طور پر نظامِ ملکی میں دخیل کار ہونے کا موقع حضرت شاہ ولی اللہؒ ان کے مذکورہ جانشینوں کو میسر نہیں آیا البتہ بعد میں اسی خاندان کے ایک نسبِ فرزند مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید دہلوی رحمہ اللہ علیہ اور دوسرے روحانی فرزند حضرت سید احمد شہیدؒ نے وقت آنے پر مسلمانوں میں جہادی روح پھونکی اور پھر تلوار لے کر بنفسِ نفیس میدانِ کارزار میں اتر آئے اور کفار سے مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے اپنی جان جہانِ آفرین کے سپرد فرما کر اللہ کے راستہ میں شہید ہو گئے۔

اسی طرح جب ضرورت و حالات کے تقاضہ کے پیشِ نظر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے بھی اپنے پیرو مرشد اور ولی کامل حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے زیرِ کمان ۱۸۵۷ء میں حکومتِ برطانیہ کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا۔ مگر ۱۸۵۷ء سے پہلے اور اس کے بعد کی تمام زندگی میں ان حضرات نے اپنے اساتذہ کرام حضرات خاندانِ ولی اللہ کے طریقہ کے مطابق علم و عمل کی شمع روشن کئے رکھی اور قرآن و سُنّت کی روشنی پھیلانے اور تحریر و تقریرِ ارشاد و ہدایت اور ظاہری و باطنی افاضہ کے مختلف ذرائع سے دنیائے اسلام کو متور کرنے میں ہی مشغول رہے۔

حضرت مولانا فوتوئی اس واقعہ ۱۸۵۷ء کے بعد تقریباً ۲۴ سال تک بقیہ حیات رہے اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی تو اس ہنگامہ کے ۵۰ سال بعد تک بقیہ حیات رہے ہیں مگر ان دونوں حضرات کا کسی ملکی اور سیاسی تحریک میں شرکت کرنا ثابت نہیں ہوتا حالانکہ ۱۸۵۷ء کے بعد جلد ہی ۱۸۵۷ء میں ملکی حقوق طلبی کے لیے کانگریس کے نام سے ایک سیاسی جماعت قائم ہو چکی تھی مگر حضرت گنگوہی نے اس میں علیٰ شرکت اختیار نہیں فرمائی البتہ اس کی اس وقت کی حالت کے پیش نظر اس میں شرکت کا فتوے صادر فرما کر صرف علمی رہنمائی فرمائی تھی۔

ان دونوں حضرات سے ظاہری اور باطنی خفیض و تربیت حاصل کر نیوالوں میں دارالعلوم کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمود الحسن صاحب شیخ الہند نے بھی اپنی زندگی کا بہت بڑا حصہ اسی تعلیم و تربیت اور ارشاد و ہدایت میں گزارا ہے اور دنیا کو اپنے فیض ظاہر اور فیض باطن سے فیض یاب فرمایا ہے لیکن ایک وقت آیا کہ جب ملکی حالات اور سیاسیات حاضرہ میں علیٰ طور پر حصہ لینے کی ضرورت پیش آئی تو حضرت مولانا شیخ النذر رحمہ اللہ علیہ نے موقع اور وقت کے مناسب اس میں بھی اپنے اجتہاد اور دینی بصیرت کے تحت پورے اخلاص کے ساتھ حصہ لیا اور دین کے اس شعبہ میں بھی ایسی مجاہدانہ سرگرمی سے کام لیا جس کی نظیر بہت ہی کمیاب ہے۔

مگر حضرت شیخ الہند کی زندگی کے کاموں پر مجموعی طور سے نظر رکھنے والے پر یہ بات عیاں ہے کہ کتاب و سنت کے عالم اور شیخ طریقت ہونے کی حیثیت سے حضرت شیخ کا اصل کام اور دائرہ کار دین کے تعلیمی اور روحانی شعبوں میں تعلیم و تربیت سے مخلوق خدا کی تعلیم و اصلاح رہا ہے۔

## نقشِ حیات

حضرت مولانا مدنی کے سوانح حیات کے تعارف اور وجہ تالیف میں مولانا حفظ الرحمن صاحب سیو ہارڈی ٹائمز اعلیٰ جمعیت العلماء ہند نے سوال کے جواب میں اس حقیقت کو واضح کیا ہے۔ مولانا موصوف نے پہلے تو یہ سوال قائم کیا کہ آخر شیخ النذہ اور ان کے رفقاء کار نے پورہن اقوام خصوصاً انگریزی اقتدار کی مخالفت میں سیاست کی پُر آشوب اور ہنگامہ آراء زندگی کیوں اختیار کی؟ پھر اس کے جواب میں اس حقیقت کا ان لفظوں میں انکشاف کیا کہ:

”یوں تو یہ سوال سیاسی زعماء اور پولیٹیکل لیڈروں کے نقطہ نظر سے کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتا لیکن وہ گوشہ نشین، خدا پرست صوفی عالم جو رضاء الہی میں غرق پبلک کی ہنگامی زندگی سے الگ تھلگ رہتے ہوں۔ جس کا تقدس کا شہرہ خواہ تمام دنیا میں کیوں نہ ہو لیکن خود ان کی اپنی جدوجہد کا دائرہ خالص ہوں اور مدرسوں سے وابستہ اور حق کی تلقین و تبلیغ جن کا طریق کار خاموش علم و عمل اور پُر سکون کردار سے متعلق رہا ہو۔ ایسے قدسی صفات بزرگوں کا راحت و آرام اور راحت و آرام سے بڑھ کر درس و تدریس، تعلیم و تربیت، تزکیہ نفس، تالیف و تصنیف اور تفسیر و افتاء وغیرہ کے مقدس مشاغل سے مولانا کی دستکش ہونے والی بات کچھ سمجھ میں آنے والی نہیں ہے نہ واقعات سے اس کی مطابقت ہوتی ہے کیونکہ حضرت شیخ النذہ نے درس و تدریس وغیرہ کے مقدس مشاغل کے ساتھ ساتھ ہی حکومت کے خلاف اپنی سیکم تیار فرمائی تھی نہ کہ ان سے دست کش ہو کر اور ان ہی مشاغل میں مشغولی کے ساتھ سفر حجاز پریش آگیا اور وہاں سے اس نے سانحہ سے سابقہ پڑا۔ واپسی ہند پر، رامہ کے بعد ہی وفات ہو گئی۔ (دستکش ہو کر یک بیک سیاست کے

میدان میں کود پڑنا اور حکومت مسلطہ کے بالمقابل صف آراء ہو جانا معمولی بات نہیں بلکہ بہت ہی اہم سوال ہے۔ ص ۵۱

مولانا موصوف نے حضرت شیخ الہند کی جدوجہد کا دائرہ خالصتاً ہوں اور مدرسوں سے وابستہ بتلائے ہوئے حضرت موصوف کی حق کی تلقین و تبلیغ جن کا طریقہ کا خاموش علم و عمل اور پرسکون کردار سے متعلق قرار دیا ہے اور علماء ربانی کا دائرہ کا اور طرز عمل ہمیشہ یہی رہا ہے۔ لیکن حضرت شیخ کو جب خالصتاً ہوں اور مدرسوں کے مقدس مشاغل، درس و تدریس، تعلیم و تربیت، تزکیہ نفس، تالیف و تصنیف تفسیر و افتاء وغیرہ سے دست کش ہو کر یک بیک سیاست کے میدان میں کودنا پڑا تو پھر اس مدت العمر کے دائمی طریق کار اور اپنی جدوجہد کے دائرہ سے دست کش ہو جانے پر بقول مولانا حفظ الرحمن صاحب بہت ہی اہم سوال کا پیدا ہو جانا قدرتی بات تھی۔

طالب علم کے لیے فکر انگیز بات | ہمارے جیسے طالب علم کے لیے یہ بات بڑی فکر انگیز اور توجہ کے لائق ہے کہ

ایک خدا پرست صوفی و عالم کے لیے پبلک کی ہنگامی زندگی سے الگ تھلک مدرسوں اور خانقا ہوں میں زندگی گزارنا اور ان خانقا ہوں اور مدرسوں کے مقدس مشاغل میں مشغول رہنا ہی ان حضرات کا اصل کام ہے اس لیے جب ایسی زندگی اور ان مقدس مشاغل سے دست کش ہو کر سیاست میں کودنا پڑا اور ملکی حالات میں علیٰ حصہ لینا پڑا تو یہ طرز عمل کی تبدیلی بہت ہی اہم سوال پیدا کرنے کا سبب بن گئی اور بقول مولانا حفظ الرحمن صاحب حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی کتاب نقش حیات کی جلد اول کا بیشتر حصہ اسی سوال کا مدلل و مفصل جواب ہے۔

آج کل ہمارے عزیز طلبہ دین کے جن شعبوں میں اشتغال کو اپنی عمروں کا  
 ضائع ہونا سمجھتے ہیں یا پھر کم سے کم ان شعبوں میں انہماک و اشتغال کو سیاست میں  
 حصہ لینے سے کم تر اور فرد تر تصور کر کے ان مقدس مشاغل کو بنظر حقارت دیکھتے  
 ہیں ان کو سمجھ لینا چاہیئے کہ ہمارے اسلاف کرامؑ اور اکابر دیوبند نے اپنی عمروں  
 کا زیادہ تر حصہ ان ہی مقدس مشاغل میں اشتغال و انہماک کے ساتھ گزارا ہے  
 اور ایسی تعلیم و تربیت کو دین کی اصل خدمت اور اپنا مقصد زندگی قرار دیا  
 ہوا تھا۔ ہاں! یہ ضرور ہے کہ ضرورت کے مطابق ہمارے اکابر نے ملکی  
 حالات اور سیاست میں بھی علیٰ حصہ لیا ہے اور اس شعبہ میں بھی بڑی قابل قدر  
 اور بے مثال خدمات انجام دی ہیں۔

اس لیے جس طرح یورپ زدہ طبقہ کا جس نے سیاسیات کو پاپائے  
 روم سے الگ کر دیا ہے اور سیاست کو مذہب کی قید سے آزاد کر دیا ہے یہ خیال  
 درست نہیں ہے کہ علماء کو سیاسیات میں حصہ نہیں لینا چاہیئے اور نظام ملکی اور  
 تدابیر مملکت میں دخل اندازی سے علماء کو بالکلہ اجتناب و احتراز کرنا چاہیئے حالانکہ  
 اسلام میں اس نظریہ اور خیال کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ اسلام کے مختلف  
 شعبوں میں سے سیاست بھی اسلام کا ہی ایک شعبہ ہے اس لیے اسلامی سیاست  
 کے لیے ضروری ہے کہ یا تو سیاسی جماعتیں علماء اسلام سے ہدایات حاصل  
 کر کے اس پر عمل کیا کریں اور علماء ایسی جماعتوں کی علمی رہنمائی کا فرض انجام دیتے  
 رہیں اور اگر ایسی کوئی جماعت نہ ہو تو ایسے وقت میں علماء پر یہ ذمہ داری عائد  
 ہوتی ہے کہ وہ ایک ایسی جماعت تیار کریں جو اسلامی سیاست کے مطابق  
 امور مملکت کی نگرانی کا فریضہ انجام دے۔ غرضیکہ اسلامی اور صالح سیاست کے

لیے علماء کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ بہر حال نہ تو مغربی تعلیم اور ذہن کے مطابق یہ سیاست علماء کے لیے شجر منوعہ ہے اور نہ ہی یہ ایسی چیز ہے کہ علماء کے لیے اس کے سوا کوئی مشغلہ ہی نہ ہو اور دن رات اس میں انہماک اور شب و روز ملکی اور سیاسی معاملات کی ہی دھن لگی رہے۔

اس کے ساتھ ہی یہ بات قابل لحاظ ہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ علماء کی پوری جماعت سیاست میں علیٰ حقہ لے اور سب کے سب ملکی سیاسیات اور امور مملکت کے سرانجام دینے میں ہی مشغول ہو جائیں بلکہ تقسیم خدمات کے اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کے لیے بقدر کفایت ایک جماعت کا تیار ہو جانا ہی کافی ہے۔

چنانچہ حضرت شیخ المندر رحمۃ اللہ علیہ نے انتہائی خصوصیت اور قربی تعلقات ہونے کے باوجود حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے مشن آزادی کی تحریک میں نہ صرف یہ کہ شریک ہی نہیں فرمایا تھا بلکہ عرصہ تک حضرت موصوف کہ اس سے آگاہ بھی نہیں فرمایا تھا۔ اگر ہر شخص کی شرکت اس میں ضروری ہوتی تو حضرت شیخ المندر رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو عرصہ تک اس سے بے خبر کیوں رکھا؟

حضرت مدنیؒ خود اترام فرماتے ہیں:

» واقعہ یہی تھا کہ باوجودیکہ حضرت مجھ پر بہت زیادہ کرم فرما تھے مگر اس وقت تک کسی کارروائی کی خبر نہیں کی گئی۔ «

بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ بات ہے کہ جب مولانا عزیز گل صاحب نے مولانا مدنی کے شریک کر لینے کی سفارش کی تو حضرت شیخ المندر نے مولانا مدنیؒ

کی شرکت کو قبول نہیں فرمایا، حضرت مدنی کی تحریر ہے :

”مولانا عزیز گل صاحب نے حضرت شیخ الہند سے عرض کیا کہ حسین احمد کو بھی اس مشن میں شامل کر لیں اور اپنی کارروائیوں کی خبر دینا چاہے تو فرمایا کہ وہ صرف چند دنوں کے لیے ہندوستان آیا ہے اس کو شوش مت کرو۔“

(نقش حیات ص ۲۳ ج ۱)

علماء ربانی کی سیاست اور نظام ملکی میں دخل اندازی چونکہ دین مذہب کی مقررہ کردہ قیود و حدود میں مقید اور محدود اور مذہبی احکام کی پابند ہوتی ہے اسی لیے حضرت سید احمد شہید اور مولانا اسماعیل شہید کی سیاسی تحریک ہو یا مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی کا شاہدہ کے ہنگامہ میں علیٰ حقہ لینا ہو۔ اسی طرح جنگ عظیم کے زمانہ کی تحریکات میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمہ اللہ علیہ کا شرکت کہ مناسب کا ہی مقصد حدود شریعت کے اندر رہتے ہوئے ملکی حالات میں دخل اندازی اور سیاسی اقدام کرنا تھا۔

چنانچہ تحریک ترک مولاۃ کے زمانے میں جبکہ بڑے بڑے لیڈر جذبات کی رو میں بہہ کر اپنے عمل میں حدود شریعت سے تجاوز کر رہے تھے اس وقت بھی حضرت شیخ الہند شریعت کے کسی حکم میں کسی حالت میں کسی طرح کی نرمی برتنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

جمعیت علمائے ہند کے سالانہ جلسہ میں حضرت شیخ الہند کی طرف سے جو خطبہ صدارت پڑھا گیا تھا اس کے ذیل کے الفاظ اس حقیقت کے ثبوت کے لیے کافی ہیں۔ حضرت شیخ الہند فرماتے ہیں :-

”اسلام نے احسان کا بدلہ احسان قرار دیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ احسان اس کا نام ہے کہ آپ اپنی چیز کسی کو دے دیں۔ کسی دوسرے کی چیز اٹھا کر دینے کو احسان نہیں کہتے اس لیے آپ برادران وطن (ہندوؤں، سکھوں) کے احسان کے بدلے میں وہی کام کر سکتے ہیں جو اخلاقی اور شریعتی طور پر اپنے اختیارات سے کر سکتے ہیں۔ مذہبی احکام خدا کی امانت ہیں اس پر تمہارا اختیار نہیں ہے اس لیے لازم ہے کہ حدود مذہب کے اندر رہ کر تم احسان کے بدلے احسان کرو اور دونوں فرہین مل کر ایک ایسے زبردست دشمن کے مقابلے کے لیے کھڑے ہو جاؤ جو تمہارے مذہب اور تمہاری آزادی کو پامال کر رہا ہے“

(خطبہ ص ۲)

مذکورہ الفاظ سے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ علیہ کا نظریہ صاف واضح ہے کہ ”احکام خدا کی امانت“ ہیں اس لیے اپنی دواداری اور احسان اور جدوجہد کو، حدود مذہب کے اندر رکھنے کی تلقین فرما رہے ہیں اور تحریک میں کسی ایسی روش کو ہرگز پسند نہیں فرماتے جو حدود مذہب سے ادھر ادھر ہو اور کوئی بھی مسلمان جذبات کی رو میں بہہ کر کسی غیر اسلامی حرکت یا شعار کو اختیار کرنے لگے چنانچہ اسی تحریک ترک موالات کے زمانے میں جیب بعض مسلمانوں نے بھی ہندوؤں کے ساتھ اتحاد کے جوش میں آکر حدود مذہب سے تجاوز کرتے ہوئے اپنی پیشانیوں پر تشقے لگائے اور ایسی باتوں میں مبتلا ہونے لگے جو قطعاً حرام تھیں تو حضرت موصوف نے خطبہ ترک موالات میں اس پر سخت نیکر فرمائی خطبہ کی عبارت یہ ہے :-

”بہت سے خیر خواہ ہندو مسلم اتفاق کے عواقب اور عوام الناس اور بعض

لیڈروں کی ان غلط کاریوں پر متنبہ فرما رہے ہیں جو اس اتفاق کے جوش سے پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً تہ بانی گاڈ میں بعض جگہ تشدد و مزاحمت کیا جانا یا تہ بانی کے جانور کو سجا کر رخصت کاران خلافت کا گاڈ سالہ میں پہنچانا یا قشتہ لگانا یا ہندوؤں کی اربعیوں کے ساتھ خصوصاً رام رام ست، کہتے ہوئے جانا یا یہ کہ کسنا کہ امام مہدی کی جگہ امام گاندھی تشریف لائے ہیں یا یہ کہ اگر نبوت ختم نہ ہو گئی ہوتی تو مہاتما گاندھی نبی ہونے یا تہ ان و حدیث میں بسر کی ہوئی عمر شربت پرستی کہ نایا یہ دعا کہ ناکہ اگر میں کوئی مذہب تبدیل کروں تو سکھوں کے مذہب میں داخل ہوں وغیرہ وغیرہ۔ بلاشبہ میں بھی جب اپنی قوم کے بڑے سربراہ اور وہ افراد کو سنتا ہوں کہ وہ اس قسم کے محرمات یا کفریات کے مرتکب ہوئے ہیں اور وہ باتیں زبان سے بے دھڑک نکال دیتے ہیں جن کو سن کر ایک سچے مسلمان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں تو میرا دل پاش پاش ہو جاتا ہے اور قصد کرتا ہوں کہ اس طوفان بے تمیزی کا دو کنا جب اپنی قدرت میں نہیں تو ان معاملات سے بالکل یکسوئی بہتر ہے۔“

(خطبہ ترک موالاة ص ۲۲)

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا یہ خطبہ گواہ ہے کہ اس وقت ہندو مسلم اتحاد کے جوش میں بہت بری طرح حدود مذہب کو پامال کیا جا رہا تھا اور عوام الناس ہی نہیں بلکہ بعض لیڈروں اور قوم کے سربراہ اور وہ افراد تک بھی اس قسم کے محرمات بلکہ کفریات کا ارتکاب کر رہے تھے جن کو سن کر بقول شیخ الہند ایک سچے مسلمان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ تو پھر ایسے محرمات و کفریات کے ارتکاب پر حضرت شیخ الہند کا دل کیوں پاش پاش نہ ہو جاتا اور وہ کیوں اس طوفان بدتمیزی سے

یکسوئی کا قصد نہ فرماتے۔“

اس خطبہ سے بھی یہ بات واضح ہے کہ حضرت شیخ الہند ہندو مسلم اتحاد میں مسلمانوں کی کسی ایسی بات سے ہرگز متفق نہیں تھے جس میں مسلمان جذبات سے مغلوب ہو کر شعائر اسلامی سے ایک قدم بھی ادھر ادھر ہٹ جائیں اور اس سے یہ بھی واضح ہے کہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ وغیرہ جو حضرات اس وقت ہندو مسلم اتفاق کے عواقب اور عوام الناس اور بعض لیڈروں کی ان غلط کاریوں پر متنبہ فرما رہے تھے۔ ان حضرات کا یہ انتباہ حضرت شیخ الہند کے منشاء کے موافق تھا اور اس ہندو مسلم اتفاق سے ان حضرات کی علیحدگی سے بھی حضرت شیخ الہند کے مقصد کی تکمیل ہو رہی تھی۔ کیونکہ حضرت شیخ الہند ایسی حالت میں جبکہ اس اتفاق سے پیدا شدہ طوفان بے تمیزی کا روکنا قدرت میں نہ ہو ان معاملات سے بالکل یکسوئی کو بہتر قرار دیتے ہوئے خود بھی اس کا قصد فرما رہے تھے۔

اس وقت جن حضرات نے ایسے محرمات اور کفریات کے ارتکاب کے روکنے پر خود کو قادر نہ پا کر اس طوفان بے تمیزی سے اپنے کو علیحدہ کئے رکھا اور ان غلط کاریوں پر متنبہ فرمایا۔ ان حضرات نے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ علیہ کے طرز عمل کی ہرگز مخالفت نہیں فرمائی۔ بلکہ بعض لیڈروں اور قوم کے سربراہ اور وہ افراد جو محرمات اور کفریات کا اعلانیہ ارتکاب کر رہے تھے یہ حضرات ان کی حرکات اور عواقب کا برملا اظہار کر کے اور ان پر متنبہ فرما کر حضرات شیخ الہند رحمہ اللہ علیہ کے منشاء اور مقصد ہی کی تکمیل فرما رہے تھے۔

## حضرت حکیم الامت کا سیاسی مسلک اور اپنی سیاسی خدمات

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا طبعی میلان یکسوئی کے ساتھ تصنیف و تالیف تعلیم و تربیت اور اصلاح امت و ہدایت خلق کی طرف تھا اس لیے آپ تمام عمر اپنے فرض منصبی کی ادائیگی میں ہمہ تن مشغول رہے اور علی طور پر سیاسی اور ملکی تحریکات میں براہ راست حصہ لینے کی نوبت نہیں آئی اور نہ ہی آپ کسی سیاسی جماعت سے منسلک ہوئے لیکن جب کبھی ملک میں کوئی سیاسی تحریک شروع ہوئی تو اسکے بارے میں ایک ماہر شریعت عالم دین ہونے کی حیثیت سے اس کی شرعی حیثیت پر فقیہانہ نظر بصیرت ڈال کر اس کے نتائج و عواقب کو واضح کرنے اور ملت کی علمی اور دینی رہنمائی کا فریضہ ادا کرنے میں کبھی دریغ نہیں فرمایا۔

خلافت کئی کی تحریک ہو یا کانگریس و مسلم لیگ میں مسلمانوں کی شرکت کا معاملہ ہوا ان سب کے حسن و قبح اور ان میں شرکت و عدم شرکت کے نتائج و عواقب کو ہمیشہ واضح فرمایا اور شرعی حیثیت سے مسلمانوں کے لیے صحیح راہ عمل تجویز فرما کر امت کی ہدایت و رہنمائی کا فرض ادا کرنے میں آپ نے کبھی بھی کوتاہی نہ سہی نہ ہوئی۔

۱۹۱۸ء کی خلافت کمیٹی کی تحریکات میں بعض حضرات اکابر کی شرکت کا مقصد و منشاء ادب پر معلوم ہو چکا ہے حضرت حکیم الامت تھانویؒ قدس سرہ کو بھی ان حضرات کے اصل مقصد کے ساتھ اتفاق تھا مگر تحریک خلافت کے طریق کا سے حضرت کو اصولی طور پر اختلاف رہا اور ہندوؤں کی عددی اکثریت اور ان کی معاندانہ ہمنیت کی وجہ سے ان کے ساتھ مسلمانوں کے اشتراک عمل کو مفہم سمجھتے

تھے اسی لیے معروف کو ہندوؤں کے ساتھ مل کر کوئی تحریک چلانا پسند نہیں تھا۔ اس کے علاوہ ان تحریکات میں ایسی محرکات اور کفریات کا کلمہ کھلا اور تکاب اور مشاہدہ ہو رہا تھا جن میں سے بعض کی طرف حضرت شیخ الہندؒ کے خطبہ صدارت کی عبارت کے خوالہ سے اشارہ کیا گیا ہے اور مسلم عوام الناس کو ان کے خطرناک نتائج و عواقب سے محفوظ رکھنا نہایت ضروری تھا اور یہ مقصد اسی صورت میں حاصل ہو سکتا تھا کہ ایسی تحریکات سے علیحدگی اختیار کی جائے اسی لیے حضرت عثمانؓ ان تحریکات سے خود بھی الگ رہے اور مسلمانوں کو بھی ان سے علیحدگی اختیار کرنے کا مشورہ دیا کیونکہ تحریک خلافت کے طریق کار اور غیر مسلم اکثریت کے ساتھ مل کر کام کرنے سے مسلمانوں کا اصل مقصد اسلامی حکومت کا قیام حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔

مولانا عبدالمجید دریا آبادی اپنے نقوش و تاثرات ”میں لکھتے ہیں :-  
 ” نفس مقصد یعنی حکومت کا فرائض سے گلو خلاصی اور دارالاسلام کے قیام میں تو حضرت ہم لوگوں سے کچھ پیچھے نہ تھے عجب نہیں کہ کچھ آگے ہی ہوں۔  
 حضرت کی گفتگو میں یہ جز بالکل صاف تھا۔ حضرت کو حکومت وقت سے جو مخالفت تھی وہ اس کے کافرانہ ہونے کی بناء پر تھی نہ کہ اس کے بدسی یا غیر ملکی ہونے کی بناء پر۔“ (نقوش و تاثرات ص ۲۳)

یہ اعتراف و انکشاف اس شخص کا ہے جو شروع شروع میں سیاسی لحاظ سے حضرت عثمانؓ کے ہم خیال نہ تھے بلکہ کانگریس کی حامی جماعت خلافت مجیٹی سے تعلق رکھتے تھے۔

نظریہ پاکستان | حضرت حکیم الامت تھانویؒ کو چونکہ ہندو مسلم اتحاد کے ذریعہ اصل مقصد حکومت اسلامی کے قیام میں کامیابی نظر نہیں

آ رہی تھی اس لیے حضرت تھانویؒ کا لکھنؤ کی متحدہ قومیت کے سخت مخالف تھے اور اس کے برعکس اسلام و کفر کی بنیاد پر مسلم اور غیر مسلم دو قومی نظریہ کے سختی کے ساتھ حامی تھے اور اسلامی حکومت کے قیام کے لیے مسلمانوں کے مستقل علیحدہ تنظیم کی ضرورت پر ہمیشہ زور دیتے تھے۔ مولانا عبدالمجید دریا آبادی اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ:-

” حضرت کو بعض معاصر علماء کی طرح جنگ آزادی، جنگ حقوق آزادی وطن وغیرہ سے کوئی خاص دل چسپی نہ تھی ان کے سامنے مسئلہ سیاسی نہیں بلکہ تمام تردینی تھا، وہ صرف اسلام کی حکومت چاہتے تھے۔ ۱۹۳۸ء میں جب پہلی بار محاضری ہوئی تو اس ملاقات میں حضرت نے دارالاسلام کی اسکیم خاصی تفصیل سے بیان فرمائی تھی کہ جی یوں چاہتا ہے کہ ایک خطہ پر خالص اسلامی حکومت ہو سارے قوانین تعزیرات وغیرہ کا اجراء احکام شریعت کے مطابق ہو بیت المال ہو، نظام زکوٰۃ رائج ہو، شرعی عدالتیں قائم ہوں و ہنی علیٰ ہذا۔ دوسری قوموں کے ساتھ مل کر کام کرتے ہوئے یہ نتائج کہاں حاصل ہو سکتے ہیں؟

سہ حضرت مولانا مرحومؒ اپنی کتاب اعلام السنن میں اختلاف وطن کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں ”واما لدفعۃ عن الوطن فلیس من الجہاد فی شئ الا اذا کان الغلبۃ للاسلام واهلہ بعد المدافعة والافلاکما لا یغنی“

اسی مقصد کے لیے صرف مسلمانوں ہی کی جماعت ہونی چاہیئے اور اس کو یہ کوشش کرنی چاہیئے۔ (سیرت اشرف)

صاحب "تعمیر پاکستان" لکھتے ہیں پاکستان کے لفظ سے دنیا پہلی مرتبہ ۱۹۳۰ء میں چودھری رحمت علی کی زبانی اُٹھنا ہوئی جبکہ چند نوجوانوں کو لندن میں یہ خیال پیدا ہوا کہ شمالی ہند کے ایک حصہ کو ہندوستان سے الگ کیا جائے۔

ہندوستان میں اسلامی سلطنت کے قیام کا خیال علامہ اقبال نے ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ الہ آباد میں اپنے خطبہ صدارت کے دوران میں ظاہر کیا۔ جس کا ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور کے تاریخی اجلاس میں ملی نصب العین کے طور پر ایک قرارداد کے ذریعہ باقاعدہ مطالبہ کیا گیا۔ "اسلامی سلطنت کے قیام کا جو خیال علامہ اقبال نے مسلم لیگ کے متذکرہ بالا اجلاس میں پیش کیا تھا بالکل وہی خیال ان سے بہت پہلے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنی مجلس عام میں کئی بار ظاہر فرما چکے تھے۔" (منہ)

گویا دربار اشرفیہ میں حصول و بقا پاکستان کا لائحہ عمل اور نظام پاکستان کا پورا نقشہ اس وقت پیش ہوا جبکہ پاکستان چاہنے والوں کو ابھی اس کا خواب و خیال بھی نہ تھا۔ (ص ۱۷)

بڑی ہی بے خبری یا پھر جان بوجھ کر فریب دہی ہے جو اس حقیقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور لکھا جا رہا ہے کہ ملا کو اسلامی سلطنت کی ضرورت محسوس نہ ہوئی اس کا تصور ایک نے نواز صاحب دل نے پیش کیا اور اُس کے لیے قربانیاں کرنے والوں میں ملا کہیں نظر نہ آیا۔

(اقبال اور ملا از خلیفہ عبدالحکیم صاحب)

حالانکہ تعمیر پاکستان کے لیے علماء ربانی نے جو بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اس کے لیے جو جو کارہائے نمایاں انجام دیئے وہ اظہر من الشمس ہیں یہاں تک کہ ان کے یہ کارنامے قائد اعظم وغیرہ کی سوانح نویوں کی زینت بنے ہوتے ہیں۔  
(دیکھو حیات محمد علی جناح)

پھر حضرت تھانویؒ کے سامنے ۱۸۵۷ء کا تجربہ بھی تھا کہ اس وقت مسلمانوں نے انگریزوں کے خلاف ہندوؤں کے ساتھ مل کر کام کیا تھا مگر نتیجہ یہ ہوا تھا کہ ہندوؤں نے مسلمانوں کو دھوکہ دیا۔ مسلمانوں کو مجرم بنایا اور خود انگریزوں سے مل گئے اور سب نے انکھوں سے دیکھ لیا کہ ہندوستان سے انگریزوں کے پاؤں اکھڑ جانے کے بعد ان کو ہندوستان میں جمائے والے صرف ہندو لیڈر ہی تھے۔

بعض لوگوں کو حضرت حکیم الامتؒ تھانوی کے اس حکیمانہ، عاقلانہ اور حدود و شریعت کے جامع سیاسی مسلک کو سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی اور انہوں نے حضرت تھانویؒ کی تحریک خلافت سے علیحدگی کو اصل مقصد کے خلاف سمجھ کر حضرت کے خلاف بڑی شورش پیدا کر دی تو بت یہاں تک پہنچی کہ تھانویؒ بھون کے بعض لوگ یہ کہنے لگے کہ حضرت تھانویؒ سے خانقاہ امدادیہ کو خالی کر لیا جائے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی غیبی نصرت و حمایت کا ایسا اظہار فرمایا کہ مخالفین ہی کو شرمندہ ہو کر حضرت کے سامنے جھکنا پڑا۔

حضرت تھانویؒ کے سیاسی مسلک کے بارہ میں غلط فہمی بلکہ بدگمانی کا شکار ہونے والوں میں خلافت کمیٹی کے رکن اور مولانا محمد علی جوہر کے اخبار ”ہمدرد“ کے ڈائریکٹر مولانا عبدالمجید دریا آبادی بھی شامل ہیں جس کا اعتراف خود موصوف نے

حضرت تھانویؒ سے حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے ہمراہ اپنی پہلی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے ان الفاظ میں کیا ہے لکھتے ہیں :-

” ۱۹۲۸ء تھا اور مخاطب روزنامہ ”ہمدرد“ کا ڈائریکٹر تھا، صبح اور دوپہر کی طویل صحبت میں سیاسی پہلوؤں پر گفتگو آجانا ناگزیر سا تھا گفتگو آئی حضرت نے اتنی معقولیت سے کی کہ ساری بدگمانیاں کا فورہ ہو کر رہیں، کون کتنا ہے کہ حضرت ”گورنٹی“ آدمی ہیں لایحول ولاقوتہ۔ جس نے بھی ایسا کہا جان کہ یا اچانک بہر حال جھوٹ ہی کہا، یہ تو خالص مسلمان کی گفتگو تھی مسلمان بھی ایسا جو جوش دینی اور غیر ملی میں کسی خلافتی سے ہرگز کم نہیں۔ پاکستان کا تخیل، خالص اسلامی حکومت کا خیال یہ سب آوازیں بہت بعد کی ہیں پہلے پہل اس قسم کی آواز یہیں کان میں پڑی پس صرف حضرت کو ہم لوگوں کے اس وقت کے طریق کار سے پورا اختلاف تھا لیکن یہ اختلاف کچھ ایسا بڑا اختلاف نہیں۔“

(نقوش ص ۲۳)

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی مرحوم کا سیاسی مسلک بالکل دہی تھا جو حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا تھا

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کا سیاسی مسلک اور آپ کی سیاسی خدمات

حضرت مولانا مرحوم تحریک خلافت کے طریق کار اور کانگریس کی متحدہ قومیت کے ساتھ اختلاف کہنے میں نہ صرف یہ کہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ قدس سرہ کے ساتھ تھے بلکہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ رحمۃ اللہ کے دست راست اور علی اور تحسینی خدمات میں پیش پیش اور شریک کار ہو کہ حضرت تھانویؒ قدس سرہ کے مسلک کی توضیح اور اشاعت میں بڑھ چڑھ کہ مولانا مرحوم ہی

حتمہ لے رہے تھے۔ اس لیے لوگوں کی طرف سے جوشِ انتقام میں بے سمجھے جو کچھ اذیتیں اور تکلیفیں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو پہنچائی گئیں ان سب میں مولانا مرحوم بھی حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے ساتھ برابر کے شریک اور حصہ دار بنے رہے۔

مفتی کفایت اللہ صاحب سے گفتگو | اسی زمانے میں مولانا محمد کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ علمائے ہند

(دہلی) حضرت حکیم الامت تھانوی سے مسائلِ حاضرہ میں گفتگو کرنے کے لیے تشریف لائے اس گفتگو سے فارغ ہو کر مولانا کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا ظفر احمد مرحوم سے پوچھا کہ حضرت تھانوی جو ہندوؤں کے ساتھ مل کر کام کرنے سے کراہت کرتے ہیں تو اس کی کیا وجہ ہے؛ حالانکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو اپنے ساتھ جہاد میں لیا ہے۔

مولانا مرحوم نے جواب میں کہا کہ کفار و مشرکین کو جہاد میں اس وقت لے سکتے ہیں کہ جہنڈا مسلمانوں کا رہے اور کفار ہمارے حکم کے تحت میں ہوں اس وقت حالت برعکس ہے کانگریس میں ہندوؤں کا غلبہ ہے اور ان ہی کا حکم غالب ہے۔

۱۸ کانگریس کی قیوت متحدہ کے ابطال پر حضرت مولانا مرحوم رحمۃ اللہ علیہ نے اعلام السنن کے ص ۱۲۶ کے ص ۱۸ تک نہایت تفصیلی کلام فرمایا ہے جو اہل علم کے ملاحظہ کے قابل ہے۔

غریبہ کہ حضرت مولانا مرحوم کا ایک رفیق کار ہونے کی حیثیت سے حضرت  
 حکیم الامت تھانویؒ کے سیاسی مسلک کی تائید میں تحریری اور تقریری خدمات بجالاتے  
 رہے۔ تحذیر المسلمین اور الخیر العامی وغیرہ رسائل مولانا مرحوم کے اسی زمانے کے ہیں۔  
 جن میں مولانا مرحوم نے خلافت کھٹی کے بعض لیڈروں کے محرمات اور کفریات پر متنبہ  
 فرمایا ہے اور جس مسلک کو حق سمجھا اُس کے بد ملا اظہار میں ہرگز دریغ نہیں کیا اور نہ  
 کسی اپنے پرانے کی رعایت میں نظر رکھی بلکہ ہر طرح کے طعن و تشنیع برداشت کر کے  
 کلمہ حق کا اعلان کرتے رہے۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ اور آپ کی معیت میں مولانا مرحوم رحمہ اللہ علیہ  
 ہمیشہ سے مسلمانوں کی علیحدہ تنظیم کے حامی رہے اور کسی دور میں بھی مسلمانوں کے لیے  
 کانگرس میں شرکت سے متفق نہیں رہے اس لیے جب تک مسلم لیگ نے کانگرس  
 کا ساتھ دیا اور دونوں جماعتیں آپس میں متحد رہیں اس وقت تک ان حضرات  
 نے مسلم لیگ کا بھی ساتھ نہیں دیا۔ پھر جب یہ صورت حال سامنے آئی کہ مسلم لیگ  
 نے کانگرس سے اب علیحدگی اختیار کر لی ہے تو اس وقت ان حضرات نے  
 مسلم لیگ کا ساتھ دیا۔

جھانسی کا الیکشن | مسلم لیگ نے کانگرس سے علیحدگی اختیار کرنے کے بعد پہلا  
 الیکشن جھانسی کے علاقے میں لڑا تھا۔ جھانسی کے مسلمانوں  
 نے حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ سے بذریعہ تار دریافت کیا کہ مسلم لیگ اور کانگرس میں  
 سے کس کو ووٹ دیا جائے؟ ابھی تک حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کا ذہن  
 مسلم لیگ کی حمایت کے بارے میں واضح نہیں تھا بلکہ بجا طور پر یہ حدیث محسوس کرتے  
 تھے کہ یہ لوگ کہیں مصطفیٰ کمال پاشا کی طرح دین کو مسخ نہ کر دیں اس لیے اس تار کا جواب

دینے کے لیے آپ نے اپنے مشیران خاص سے مشورہ کیا تو حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نے یہ مشورہ دیا کہ آپ کانگریس کی حمایت کے تو خلاف ہیں ہی، صرف تامل مسلم لیگ کی حمایت کرنے میں ہے اس لیے آپ یہ جواب دے دیں کہ کانگریس کو ووٹ نہ دیا جائے۔“

یہ جواب حضرت نے پسند فرمایا اور اس مضمون کا تار روانہ کر دیا گیا جس کے نتیجہ میں مسلم لیگ الیکشن میں کامیاب ہو گئی۔

تھانہ بھون میں مولانا شوکت علی کی آمد اور اُن کے جلسے میں مولانا عثمانی کی تقریر

الیکشن میں مسلم لیگ کی کامیابی کی خوش خبری سُننے کے لیے مولانا شوکت علی مرحوم

اور اُن کے چند رفقاء تھانہ بھون آئے اُنہوں نے بتایا کہ ہم نے حضرت تھانویؒ کے جوابی تار کو حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ کے فتوے کی صورت میں بڑی تعداد میں چھپوا کر تقسیم کرایا اور جگہ جگہ چپاں کیا اس کا اثر یہ ہوا کہ جو لوگ کانگریس کو ووٹ دینے کے لیے آتے تھے وہ بھی اس فتوے کو دیکھ کر مسلم لیگ کو ووٹ دیتے تھے۔

مولانا شوکت علی مرحوم نے تھانہ بھون میں جلسہ بھی کیا تھا جس میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی مرحوم نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ قدس سرہ کی طرف سے تقریر کی تھی اور منہ مایا تھا :-

”جب تک مسلم لیگ کانگریس کے ساتھ ساتھ تھی حضرت حکیم الامتؒ اس سے علیحدہ رہے کیونکہ کانگریس پر آپ کو بھروسہ نہیں ہے۔ یہ قوم غدار ہے پہلے بھی ۱۸۵۷ء میں دھوکہ دے چکی ہے اور حدیث میں ہے کہ مؤمن ایک سوار سے

دوسرے نہیں ڈسا جاتا۔ مسلم لیگ تجربہ کے بعد کانگریس سے علیحدہ ہو گئی اب ہم اُس کے ساتھ ہیں مگر جب تک لیگ کے عہدہ داران دین و مذہب کے پورے پابند نہ ہو جائیں گے اُن پر بھی پورا بھروسہ نہیں کیا جاسکتا اس لیے لیگ کے ارکان کو لازم ہے کہ وہ دین دار نہیں اور نماز کی پابندی کریں کہ قرآن نے اسلامی حکومت کا انیڈیل بھی بتلادیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مسلمان بندے وہ ہیں کہ ان کو زمین پر اقتدار دیا جائے تو وہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں، نیکی کا حکم کریں، برائی سے روکیں“ اس تقریر کو اخبار الامان“ دہلی نے بھی شائع کیا تھا۔

تحریک خلافت سے لے کر بعد کی تمام سیاسی تحریکات کے بارے میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی تحریرات شائع ہوتی رہی ہیں جن میں تحریکات حاضرہ کے متعلق شرعی حکم واضح نہ ہو مگر مسلمانوں کی رہنمائی کی گئی ہے۔ حضرت تھانویؒ کے یہ تمام مضامین اور فتاویٰ جس قدر عجیب دستیاب ہو سکے ہیں ان سب کو حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم نے ”افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ“ میں جمع فرما کر شائع کر دیا ہے اس مجموعہ سے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی ہر طرح کا سیاسی مسلک معلوم ہونے کے علاوہ آپ کی سیاسی خدمات کا اندازہ بھی اچھی طرح لگایا جاسکتا ہے۔

تحریک خلافت کے ابتدائی دور میں کانگریس کے ساتھ اشتراک عمل جس میں حضرت شیخ الحدیث کی مشروط نائید شامل رہی ہے اپنی اصل و بنیاد کے اعتبار سے حدود و ثمرات کے مطابق جائز اور صحیح تھا اسی لیے اُس وقت علمائے حق میں سے کسی نے اصل مسئلہ میں اختلاف نہیں کیا اور جن افعال پر کسی نے خدشات و خطرات کا اظہار کیا تو وہ ایسے افعال تھے جن پر خود حضرت شیخ الحدیث نے شدت کے ساتھ

تغیر فرمایا ہے جیسا کہ آپ کے خطبہ صدارت کے حوالہ سے واضح کیا جا چکا ہے۔ چنانچہ حضرت تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں:-

”حضرت مولانا کا اشتراک مصالحت عثمانہ کہ مطابقت یعنی اس وقت تحریک خلافت نہایت قوت پر مبنی جس سے حضرت مولانا کو قوی امید تھی کہ حکم اسلام کا غالب ہوگا اور ہم لوگوں کا خیال تھا ان دو جہان سے اس کا عکس تھا سو یہ اختلاف محض رائے کا اختلاف تھا اور مثل اختلاف حنفی و شافعی کے اجتہادی تھا۔ اس اشتراک میں مطابقت کے شائبہ کا وہم بھی نہ تھا یہی وجہ ہے کہ اگر کسی وقت کسی شعار اسلامی کے صنعت یا کسی شعار کفر کی قوت کا اندیشہ ہوتا تھا تو فوراً اس پر نکیر شدید فرماتے تھے۔“  
(بواد النواذر ص ۹۶۶)

مولانا تھانویؒ کے اس ارشاد سے واضح ہو گیا کہ تحریک خلافت کے زمانہ میں کانگریس کے ساتھ مسلمانوں کا اشتراک عمل مصالحت کی جائز صورت میں تھا اور اسی جائز صورت پر حضرت شیخ الہندؒ کا عمل تھا جس سے اصولی طور پر حضرت تھانویؒ کو کوئی اختلاف نہ تھا البتہ آپ کا وجدان اور سیاسی بصیرت بتا رہی تھی کہ اس اشتراک کے نتائج و عواقب مسلمانوں کے حق میں مفید ثابت نہ ہوں گے بلکہ معاملہ برعکس ہوگا۔ اس کے مقابلہ میں حضرت شیخ الہندؒ کو تحریک خلافت کی زبردست قوت کی وجہ سے اسلام کے غالب ہونے کی قوی امید تھی۔ سادہ یہ اختلاف محض رائے کا اختلاف یا اجتہادی اختلاف تھا۔ لیکن انیوالے حالات نے ثابت کر دیا کہ حضرت تھانویؒ فرمائے دو جہان یا اپنی غدا دل بصیرت سے جن غداشات کو محسوس فرمایا تھا وہ صرف بحرن پورے ہو کر رہے اور کانگریس سے اشتراک عمل کے نتیجہ میں اسلام غالب نہ اسکا بلکہ کانگریس میں مسلمانوں کی آواز اور قوت ہندوؤں کی عددی اکثریت کے مقابلہ میں بالکل دب کر رہ گئی۔

ان واقعات کے بعد جب کانگریس نے لاہور میں بنیا جنم لیا تو اس وقت تحریک پر پورا قبضہ اور غلبہ ہندوؤں کا تھا۔ انہوں نے اس تحریک کو صرف سیاسی تحریک کے بجائے خالص ہندو ذہنیت اور ہندوانہ خیالات اور طرز پر اٹھایا اور یہ اصول بنا دیا کہ جو شخص کانگریس میں داخل ہو وہ انفرادی اور شخصی حیثیت سے داخل ہو کسی جماعت کا نمائندہ ہونے کی حیثیت سے کانگریس میں داخل نہ ہو سکے گا۔ اس کا منشا یہ تھا کہ مسلمانوں کی حیثیت کانگریس میں ایک مستقل قوم اور جماعت کی نہ مانی جائے اور اس طرح مسلم قومیت کو سیاسی حیثیت سے فناء کے گھاٹ اتار دیا جائے۔

کانگریس میں بلا شرط انفرادی داخلہ کو علما اور زعماء کی ایک جماعت نے مسلمانوں کے لیے مذہبی اور سیاسی حیثیت سے ٹھکر سمجھا اور بہت سے ماہرین سیاست مسلمان کانگریس سے علیحدہ ہو گئے۔ کانگریس کی اس دوسرے دور میں ہندوؤں کو کانگریس کے سیاسی محاذ سے اپنے خالص ہندوانہ خیالات و تصورات کو بروئے کار لانے اور پورے ہندوستان پر ان کو مسلط کرنے کا خوب موقع مل گیا۔ چنانچہ کانگریسی جھنڈے کو ہندوانہ سلامی اور بندے ماترم کا شکر گانہ ترانہ تو کانگریس کے آئین و شعار میں داخل کر لیا گیا۔

داردھاسکیم، ودھیا سکیم، دیہات سکیم کے نام سے ایسے قانون پورے ہندوستان کے لیے جاری کئے جن کا سیاست اور آزادی کے مطالبہ سے کوئی تعلق نہیں بلکہ ان سب کا مقصد ہندوستان کی ہر قوم مسلم اور غیر مسلم کو ہندووانہ رنگ میں رنگنے اور ہندووانہ طرز معاشرت اور شکر گانہ رسم و رواج کا عادی بنانے کے سوا کچھ نہیں۔

مسلمانوں کی سب جماعتوں نے اس کے خلاف سخت احتجاج کیا اور پھر دوسری تمام اسلامی جماعتوں کی طرح خود جمعیت علماء ہند نے بھی ان اسکیموں کو شعائر اسلام کو مٹانے اور اسلامی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے اور مسلمانوں کو ہندوؤں میں جذب کرنے کی کوشش قرار دیا لیکن مقام حیرت ہے کہ کانگریس پر ان احتجاجات کا کوئی اثر تک نہ ہوا اور اس نے اپنی ان اسکیموں میں ایک شوشہ کی ترمیم بھی گوارا نہ کی اور یہ حضرات بدستور کانگریس کی ہمنوائی کرتے رہے۔

کانگریس کے اس دوسرے دور میں چونکہ تمام تر غلبہ و قوت ہندوؤں کو حاصل تھی اور مسلمانوں کے اختلاف و احتجاج کے باوجود وہ اپنی من مانی کارروائیاں نافذ کرنے میں کامیاب ہو جاتے تھے اس لیے مسلمانوں کی حیثیت محض تابعیت اور مقبوع ہونے کی رہ گئی تھی اس لیے حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے نزدیک موجودہ حالات میں کانگریس کے ساتھ اشتراک عمل حدِ جوہر سے نکل کر صریح طور پر ناجائز ہو گیا تھا چنانچہ حضرت مولانا تحریر فرماتے ہیں :-

» بخلاف اس وقت کی حالت کے کہ اب کانگریس کی قوت سے کفر و شرک کا حکم غالب ہے اس کی ہر تجویز سے موافقت و مدد ہند کی بوائی ہے۔ اس وقت کا اشتراک بصورت ادغام بالکل متابعت ہے جو کہ ناجائز ہے مسلمانوں کو اپنی تقویت و تنظیم مستقل لازم ہے «

(بوادر النواذر)

موجودہ حالات میں چونکہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک اب

کانگریس کے ساتھ مسلمانوں کا اشتراک عمل جائز نہیں رہا تھا اس لیے اب یہ اختلاف مثل حنفی شافعی کے اجتہادی اختلاف نہیں رہا تھا اور نہ کانگریس کے ساتھ مل کر جدوجہد آزادی میں حصہ لینا شیخ المنذر رحمہ اللہ علیہ کا اتباع رہا تھا جس کی حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ نے صراحتاً تغلیط منہ مادی ہے ارشاد فرماتے ہیں :-

”حامیان کانگریس میں سے بعض حضرات اس اشتراک کو استاذی حضرت مولانا دیوبندی رحمہ اللہ علیہ کا اتباع سمجھتے ہیں اور بعض اصحاب اس اختلاف کو مثل حنفی شافعی کے خیال کرتے ہیں سو میرے نزدیک یہ دونوں خیال محض غلط ہیں۔ حضرت مولانا کا اشتراک مصالحت نہ تھا نہ کہ متابعت“  
(بحوالہ ہوادرنواد)

واقعی اگر حقیقت کو دیکھا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ تحریک خلافت کے زمانے میں مسلمان کانگریس میں شریک نہیں ہوئے تھے بلکہ کانگریسی ہندو مسلمانوں کے ساتھ تائید و حمایت میں کھڑے ہو گئے تھے اور آزادی ہند کا مطالبہ پیش کرنے کے لیے دونوں قوموں میں مصالحت کی صورت پیدا ہو گئی تھی جو بالکل حدود جواز کے اندر تھی لیکن جب کانگریس میں ہندوؤں کا غلبہ ہو گیا اور طوعاً یا کرمہا ہندوؤں کی متابعت کرنی لازم ہو گئی۔ اور اگر شعائر کفر کے اظہار اور شعائر اسلام کے مٹانے والی بتادیز کے خلاف زبانی احتجاج کیا بھی جائے تو قطعاً غیر مؤثر ثابت ہو اور اس کی طرف بالکل توجہ نہ دی جائے تو ایسی صورت میں کانگریس میں بلاشبہ شرکت کرنا ناجائز تھا۔ اس لیے حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے اس کی شرکت کے عدم جواز کا فتوے صادر فرمایا لیکن عام

فتویٰ صادر فرمانے سے پہلے متعدد مرتبہ جمعیت علمائے ہند سے اس بارے میں مکالمہ فرمایا اور کانگریس کی شرکت میں جو شرعی قبائح اور مسلمانوں کے قومی نقصانات تھے ان کا حل ان حضرات نے تلاش فرمایا مگر ان کا کوئی شافی حل نہیں مل سکا اس تمام تحقیق کے بعد حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ نے رسالہ تنظیم المسلمین ارقام فرمایا جس میں مسلمانوں کو اپنی علیحدہ تنظیم بنانے اور منظم ہو کر رہنے کا مشورہ دیا اور چونکہ اس وقت ملک کی موجودہ مسلم جماعتوں میں بجز مسلم لیگ کے کوئی ایسی جماعت ملک میں نہیں تھی جس کو مسلمانوں کی جمہوری طاقت حاصل ہو اس لیے مسلم لیگ کی شرکت اور حمایت کی رائے دی گئی۔ کیونکہ اگر کانگریس سے منقطع ہو کر مسلمان منتشر اور پراگندہ ہو جاتے تو یہ ان کی سیاسی موت تھی۔

ادھر ایسی حالت میں جس کا ذکر اوپر آچکا ہے کانگریس میں شرکت سے بھی مسلمانوں کی قومی زندگی فنا ہو رہی تھی اور اس کی شرکت سے ہی مذہب کی موت لازم آ رہی تھی۔ چنانچہ ۱۹۳۹ء میں جمعیت علمائے ہند کے جمعیت کے اجلاس دہلی کے موقع پر ناظم اعلیٰ مولانا احمد سعید صاحب کے خط اور دعوت نامہ کے جواب میں حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ علیہ نے اس کی وضاحت فرمادی تھی فرماتے ہیں:-  
 ”شرعی حیثیت سے صرف اپنی ایک رائے کا اظہار کرتا ہوں جس کے متعلق مولانا کفایت اللہ صاحب سے زبانی گفتگو بھی ہو چکی ہے اور اب تو واقعات نے مجھ کو اس رائے پر بہت ہی پختہ کر دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا خصوصاً حضرات علماء کا کانگریس میں شریک ہونا میرے نزدیک مذہباً مہلک ہے بلکہ کانگریس سے بیزاری کا اعلان کر دینا نہایت ضروری ہے۔ علماء کو خود مسلمانوں کی تنظیم کرنا چاہیے تاکہ ان کی تنظیم خالص دینی اصولوں پر ہو اور مسلمانوں کو کانگریس میں داخل ہونا اور داخل

کہ نامیرے نزدیک ان کی دینی موت کے مترادف ہے۔“

(افادات اشرفیہ ص ۵)

والسلام اشرف علی

جمعیت علماء ہند اور مسلم لیگ سے سوالات  
مسلم لیگ اور کانگریس کی  
آؤریس کے دوران حضرت

تھانویؒ کی خدمت میں سوالات آتے رہتے تھے۔ حضرت تھانویؒ نے مسلم لیگ کے  
حق میں فتوے دینے سے پہلے حالات اور واقعات کی تحقیق کے لیے مختلف ذرائع  
استعمال فرمائے جن کی تفصیل علاوہ ذاتی مطالعہ حالات کے یہ ہے کہ اولاً جمعیت العلماء  
کے ذمہ دار ارکان کو مدعو کیا گیا کیونکہ یہ حضرات کانگریس کے حالات سے بخوبی واقف  
ہیں اور ان سے شرکت کانگریس کی مصرت و منفعت پر گفتگو کی گئی پھر یہ اہتمام کیا گیا  
کہ ایک تاریخ میں جمعیت العلماء ہند اور ارکان مسلم لیگ کو جمع کر کے بالمشافہ دونوں  
سے گفتگو کی جائے مگر بعض عوارض کی وجہ سے اس میں کامیابی نہ ہوئی تو اس کا بدل  
یہ کافی سمجھا گیا کہ جمعیت العلماء اور مسلم لیگ دونوں سے حالات حاضرہ کے متعلق  
کچھ ضروری سوالات کئے گئے۔

” ۱۵ دسمبر کو یہ سوالات دونوں جگہ روانہ کئے گئے اور ۳۱ دسمبر تک جواب  
طلب کیا گیا پھر مسلم لیگ کی طرف سے تو ۵ جنوری کو جوابات موصول ہو گئے اور  
جمعیت علماء کی طرف سے باوجود اس دوران میں یاد دہانی کے اور مہلت میں  
کافی وسعت کے بھی آج تک کہ ایک ماہ سے زیادہ مدت گزر گئی ہے جواب  
موصول نہیں ہوئے۔“

(حاشیہ افادات اشرفیہ از حضرت مولانا ظفر احمد مرحوم)

یہ سوالات بھی حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی مرحوم نے ہی حضرت تھانویؒ کے حکم سے

لکھے تھے اور آپ کی اصلاحات کے بعد بھیجے گئے تھے۔ مسلم لیگ کے جوابات کے بعد کانگریس میں مسلمانوں کے بلاشرط داخلہ سے خطرناک نتائج و عواقب تقریباً سامنے آئے تھے تو حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ نے مسلم لیگ کی حمایت و شرکت کی رائے دی اور آپ کا فتویٰ بنام تنظیم المسلمین شائع ہوا۔ یہ فتوے ۹ ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ بمطابق ۱۰ فروری ۱۹۳۸ء کا تحریر شدہ ہے۔ اس کے ساتھ ہی مسلم لیگ کی دینی حالت کے درست کرنے کے لیے حضرت تھانویؒ مختلف اوقات اور مختلف مقامات میں زعماء مسلم لیگ کے پاس اپنی طرف سے وفد بھیجتے رہے۔

**اجلاس پٹنہ** | مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس پٹنہ منعقد ۲۶ دسمبر ۱۹۳۸ء کو حضرت تھانویؒ نے ایک تبلیغی وفد بھیجا اس وفد نے قائد اعظم کو نماز کی تبلیغ کی اور اس اجلاس میں حضرت تھانویؒ قدس سرہ نے جو تاریخی بیان بھیجا اس کو عام اجلاس میں پڑھ کر سنانے کی خدمت حضرت مولانا ظفر احمد مرحومؒ نے ہی انجام دی تھی۔

**قائد اعظم سے ملاقات** | اجلاس پٹنہ سے ایک دن پہلے اس وفد نے قائد اعظم سے ملاقات کی۔ مولانا ظفر احمدؒ نے قائد اعظم سے فرمایا کہ مسلمان ایک مذہبی قوم ہے جب تک سیاست کو مذہب کے ساتھ نہ ملایا جائے گا کامیابی نہ ہوگی آپ بھی مسلم لیگ میں مذہب کو شامل کر لیں۔ قائد اعظم نے پہلے تو اپنا یہ خیال ظاہر کیا کہ سیاست کو مذہب سے علیحدہ رکھا جائے مگر جب اس پر مولانا نے فرمایا کہ یہ تو یورپ کی سیاست ہے۔ اسلامی سیاست یہ ہے کہ خلیفہ اسلام قائد حزب بھی تھا اور نماز کا بھی امام تھا جب تک مسلمان اچھے رہے یہی صورت رہی جب سے سیاست نے مذہب کو چھوڑا ہے مسلمانوں

کا تنزل شروع ہو گیا۔ مصطفیٰ کمال نے مذہب کو چھوڑا تو اس کی سلطنت مختصر ہو کر رہ گئی۔ جب تک مذہبی شان تھی خلیفہ اسلام کی بڑی سلطنت تھی اور رعب تھا امان اللہ نے بھی مذہب چھوڑا تو قوم نے علیحدہ کر دیا۔

**قائد اعظم پر اثر** | قائد اعظم پر اس کا یہ اثر ہوا کہ اگلے دن کھلے اجلاس میں اعلان کر دیا کہ ”اسلام عقائد و عبادات، معاملات، اخلاق اور سیاست کا مجموعہ ہے۔ قرآن کریم نے سب کو ساتھ ساتھ بیان کیا ہے اس لیے سیاست کے ساتھ مذہب کو بھی لینا چاہیے۔“

قائد اعظم کی اس تقریر کو اخبار ”الامان“ میں اس سرخی کے ساتھ شائع کیا تھا ”مولانا حکیم الامت کی روحانیت کی تاثیر اور قائد اعظم کی تقریر“

**نماز کے لیے اجلاس کا التواء** | اسی ملاقات میں متحاذ مبہون کے وفد نے نماز کے لیے اجلاس کا التواء مسلم لیگ کے دفتر دارالامان کو نماز پڑھنے کی تبلیغ بھی کی تھی اور ان سے درخواست کی تھی کہ وہ نماز پڑھا کریں اس کا اثر یہ ہوا کہ مسلم لیگ کا اجلاس ۲ بجے یہ کہہ کر ملتوی کر دیا گیا کہ سب صاحب نماز پڑھیں قاضی شہرام بنے اور قائد اعظم سمیت تمام لوگوں نے جن کی تعداد ایک لاکھ سے بھی زیادہ تھی ان کے پیچھے نماز ادا کی۔

**آرمی بل** | حکومت برطانیہ نے ایک بل آرمی بل کے نام سے پاس کیا تھا۔ کانگریس نے بظاہر اس کی مخالفت کی تھی لیکن اس کے برعکس مسلم لیگ نے اس کی حمایت کی تھی اور بظاہر مسلم لیگ کی یہ حمایت مسلمانوں کے مفاد میں نہیں تھی اس کی تحقیق کے لیے بھی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو وفد قائد اعظم کے پاس بھیجا تھا مولانا ظفر احمد مرحوم بھی اس میں شریک تھے۔ مولانا مرحوم

کے دریافت فرمانے پر قائد اعظم نے کہا کہ اس کی مخالفت تو کانگریس نے بھی نہیں کی بلکہ وہ یہ مطالبہ کر رہی ہے کہ فوج میں تناسب آبادی کی رعایت رکھی جائے۔ اس وقت فوج میں ۶۰ فیصد سے زیادہ مسلمان ہیں۔ ہندو چالیس فیصد سے بھی کم ہیں۔ کانگریس کا مطالبہ ہے کہ مسلمانوں کو فوج میں ۲۵ فیصد رکھا جائے تو ہم آرمی بل مان سکتے ہیں۔ قائد اعظم نے کہا کہ انقلاب آنے والا ہے اس لیے ضرورت ہے کہ فوج میں مسلمانوں کی ہی اکثریت قائم رہے۔ اس لیے میں نے آرمی بل کی حمایت کی تھی مگر اس شرط پر کہ مسلمان فوج کو مسلمانوں کے مقابلہ میں نہ بھیجا جائے اور جو مسلمانوں کا تناسب تھا اس کو برقرار رکھنے کا حکومت نے وعدہ کیا تھا۔

**مختصر ایک پاکستان** | تحریک پاکستان کے سلسلہ میں جب علمائے کرام کے کردار پر بحث کی جائے گی اور پاکستان کے

بنانے میں علماء کی علمی جدوجہد کا ذکر آئے گا تو قائد اعظم محمد علی جناح اور ان کے سیاسی رفقاء کے ساتھ ساتھ جن علمائے کرام کا نام لیا جائے گا ان میں دیوبندی حلقہ کے سرخیل حضرت حکیم الامت مفتاحی رحمہ اللہ علیہ کے متوسلین کا نام سرفہرست ہوگا۔ حضرت مفتاحی قدس سرہ تحریک پاکستان کو شاہراہ کامیابی پر گامزن چھوڑتے ہوئے ۱۹۴۲ء میں عالم آخرت کو تشریف لے گئے انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مگر حضرت مفتاحی کی جماعت اور ان کے متوسلین مطالبہ پاکستان کی حمایت کرتے رہے۔ خصوصیت سے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نے حضرت حکیم الامت مفتاحی رحمہ اللہ علیہ کے اس مشن کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے جس کا ذکر مولانا عبد الماجد دریا آبادی سے حضرت مفتاحی نے

۱۹۴۸ء میں فرمایا تھا جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔ تحریک پاکستان میں بیش بہا کام کیا اور مولانا مرحوم نے ہندوستان کے چپے چپے اور گوشہ گوشہ میں اپنی تعارف اور عملی جدوجہد کے ذریعے تحریک پاکستان کو مقبول عام بنانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

یہ درست ہے کہ اس وقت جمعیت علماء ہند کانگریس کا ساتھ دے رہی تھی مگر ان علماء و اشرافیہ کی خدمت کو نظر انداز نہ دینا اور یہی پروپیگنڈہ کرتے رہنا کہ علماء کی سرگرمیاں پاکستان کے سراسر خلاف تھیں اور ان کو تحریک پاکستان کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہ تھا۔

یہ بات کس قدر حقیقت کے خلاف ہے کہ جنہوں نے نہ صرف پاکستان کی حمایت میں فتوے جاری کئے بلکہ خود بنفس نفیس حصہ لیا حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی مرحومؒ کا شمار بھی قوم کے ان ہی محسنوں میں ہوتا ہے جنہوں نے نہ صرف یہ کہ پاکستان کی زبانی تائید کی تھی بلکہ عملی طور پر بھی اس کے لیے کام کرتے نمایاں انجام دیئے تھے۔

جمعیت علماء اسلام کا سنگ بنیاد | پاکستان کے نام پر لڑے جانے والے الیکشن قریب آگئے تھے اور

مخالفین کی طرف سے اس قسم کا پروپیگنڈہ زوروں پر تھا کہ مسلم لیگ بے دین امراد کی نمائندہ ہے اسے جماعت علماء کی تائید حاصل نہیں ہے ایسے حالات میں اگر مسلم لیگ کو مقتدر علماء کی بااثر جماعت کی حمایت و تائید حاصل نہ ہوتی تو الیکشن کا جیتنا آسان کام نہ تھا۔ اسی نزاکت حال کا احساس کرتے ہوئے مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور مولانا مفتی محمد شفیعؒ وغیرہ دیگر مقتدر علمائے کرام نے یہ

تجویز کیا کہ مطالبہ پاکستان کے لیے علماء کو اپنا مستقل مرکز قائم کرنا چاہیے۔ چنانچہ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو محمد علی پارک کلکتہ میں زیر صدارت مولانا ظفر احمد عثمانی مرحوم آل انڈیا جمعیت علماء کانفرنس کے ۲۶، ۲۷، ۲۸ اکتوبر کی تاریخوں میں چار روز تک مسلسل اجلاس ہوتے رہے۔ پانچ سو سے زیادہ علماء اور مشائخ نے اس میں شرکت کی۔ عام تاثر یہ تھا کہ خلافت کانفرنس کلکتہ کے بعد ایسی کانفرنس منعقد نہیں ہوئی اس کانفرنس میں جمعیت علمائے اسلام کی بنیاد رکھی گئی اور مولانا ظفر احمد مرحوم رحمہ اللہ علیہ کی زیر صدارت مختلف قراردادیں پاس ہوئیں اور ایک قرارداد میں متفقہ طور پر مسلم لیگ کی حمایت کے اعلان کے ساتھ ساتھ دو ٹروں سے اپیل کی گئی کہ مسلم لیگ کے سوا کسی دوسری جماعت کے نمائندہ کو ووٹ نہ دیا جائے۔

مولانا شبیر احمد عثمانی کو صدارت کے لیے تیار کرنا | کلکتہ کے اس اجلاس میں مولانا ظفر احمد

عثمانی کی تحریک پر مولانا شبیر احمد عثمانی کو جمعیت علماء اسلام کا صدر منتخب کیا گیا تھا اور مولانا ظفر احمد عثمانی کو نائب صدر مقرر کیا گیا تھا لیکن مولانا شبیر احمد عثمانی کافی عرصہ سے علیل ہونے کی وجہ سے سیاسیات سے علی طور پر علیحدگی اختیار کئے ہوئے تھے اور جمعیت علماء ہند کے طریق کار سے اگرچہ عرصہ سے ان کو اختلاف چلا کر ہاتھ لگے علی طور پر اس سے بھی اختلاف کا اظہار ابھی تک نہیں کیا تھا۔

جب اس صدارت کی قرارداد کو لے کر مولانا ظفر احمد مرحوم دیوبند پہنچے ہیں تو مولانا شبیر احمد عثمانی ابدیدہ ہو گئے اور فرمایا کہ لہجائی میں تو سولہ مہینہ سے

صاحب فراش ہوں۔ مجھ میں سفر کی ہمت کہاں؟ اس کے لیے تو صدر کو جا بجا جلے کرنا اور تقریریں کرنا ہوں گی۔ مولانا ظفر احمد مرحوم نے مولانا کی معذرت کے جواب میں کہا کہ آپ صدارت قبول فرمالیں۔ کام کی ذمہ داری میں اپنے ذمہ لیتا ہوں۔ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ علیہ نے اس پر خوش ہو کر جمعیت علمائے اسلام کی صدارت قبول فرمائی۔

غرضیکہ مولانا ظفر احمد مرحوم رحمہ اللہ علیہ نے ہی انہیں اس علالت کے باوجود صدارت کے قبول کرنے پر مجبور کیا اور بالآخر وہ اس شرط پر سیاسیات میں حصہ لینے پر آمادہ ہو گئے کہ اگر علالت کی وجہ سے کام نہ کر سکے تو مولانا ظفر احمد عثمانی مرحوم ان کی نیا بہت کہتے رہیں گے جسے مولانا ظفر احمد عثمانی نے منظور کر لیا۔

نازک ترین دور | یہ زمانہ تحریک پاکستان کا نازک ترین دور تھا اور اس زمانے میں مجلس احرار، نیشنلسٹ مسلمان اور جماعت اسلامی، جمعیت العلمائے ہند اور خدائی خدمت گار سب مسلم جماعتیں اپنی اپنی اغراض اور مصالح کی بناء پر پاکستان کے خلاف متحد تھیں اور بالواسطہ یا بلاواسطہ کانگریس کی تائید کر رہی تھیں۔

مودودی صاحب کا کردار | مودودی صاحب نے پہلے پہل اگرچہ اپنی سیاسی کشمکش کے حصہ دوم میں کانگریس کے استعمار پرستانہ عزائم پر بھرپور تنقید کی تھی جس سے کانگریسی حلقوں میں مودودی صاحب کی تقریریں کافی پریشانی کا باعث بن رہی تھیں مگر تا معلوم کن مخفی اسباب و وجوہات کی بناء پر مودودی صاحب نے یکدم اپنا موقف بدل لیا اور ان کے

خیالات و نظریات میں انقلاب آگیا۔

اب مودودی صاحب سا از در قلم خود اپنی بہت سی کہی ہوئی باتوں کی تردید کرنے پر صرحت کر رہے تھے۔ مودودی صاحب کے نظریات اور تحریرات میں جو یہ صالح انقلاب آیا اس کا فائدہ بھی اس وقت کے حالات کے تقاضے کے مطابق دانستہ یا نادانستہ طور پر کانگریس کے مقاصد کو ہی پہنچ رہا تھا۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ خود مودودی صاحب کو بھی اس کا احساس ہو رہا تھا جیسا کہ سیاسی کش مکش کے تیسرے حصہ کے دیباچہ کے الفاظ ذیل سے ظاہر ہے۔ وہ لکھتے ہیں :-

”مسلمان اور موجودہ سیاسی کش مکش کے عنوان سے میرے مضامین کے دو مجموعے اس سے پہلے شائع ہو چکے ہیں۔ اب اس سلسلہ کا یہ تیسرا مجموعہ شائع ہو رہا ہے بظاہر پہلے دونوں مجموعوں سے اس تیسرے مجموعہ کا فاصلہ اتنا زیادہ ہے کہ ہر شخص بادی النظر میں یوں محسوس کرے گا کہ میں نے حصہ دوم کی اشاعت کے بعد سے یکایک اپنی پوزیشن بدل دی ہے اور خود اپنی بہت سی کہی ہوئی باتوں کی تردید کرنے لگا ہوں۔“ (ص ۳)

مودودی صاحب کی ان اسلامی تحریروں نے صالح رنگ میں مسلمانوں کے قومی مفاد کو جس قدر نقصان پہنچایا اتنا نقصان کانگریس، جمعیت العلماء ہند، خدائی خدمتگار وغیرہ بھی نہ پہنچا سکے۔

چنانچہ ۱۹۴۵ء کے تاریخی الیکشن کے موقع پر بھی جسے برصغیر کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا تھا کہ کانگریس کے مطالبہ کے مطابق یہ اکھنڈ رہے یا مسلم لیگ کے موافق، ہند اور پاکستان میں تقسیم ہو جائے جماعت اسلامی نے

صاف اعلان کر دیا کہ :-

وہ ووٹ اور الیکشن کے معاملہ میں ہماری پوزیشن صاف صاف ذہن نشین کر لیجئے۔ پیش آمدہ انتخابات یا آئندہ آنے والے انتخابات کی اہمیت جو کچھ بھی ہو اور ان کا جیسا بھی اثر ہماری قوم پر پڑتا ہو بہر حال ایک با اصول جماعت ہونے کی حیثیت سے ہمارے لیے یہ ناممکن ہے کہ کسی وقتی مصلحت کی بناء پر ہم ان اصولوں کی قربانی گووارا کر لیں جن پر ایمان لائے ہیں۔

(کوثر ۲۸ اکتوبر ۱۹۴۵ء)

یہ جماعت اسلامی کی طرف سے مسلم لیگ کی صرف عملی مخالفت ہی نہیں تھی بلکہ کانگریس کی خاموش تائید بھی تھی۔ اس لیے کہ اس با اصول جماعت کا اس تاریخی الیکشن میں مسلم لیگ کی حمایت نہ کرنے کا فائدہ گاندھی جی اور کانگریس کو ہی پہنچتا تھا۔

جس زمانے میں دارالاسلام پٹھانکوٹ سے مودودی صاحب کا یہ فتوے جاری ہوا کہ پاکستان کے نام پر لڑے جانے والے الیکشن میں جماعت اسلامی حصہ نہ لے اسی زمانے میں سہارنپور میں جمعیت العلماء ہند کی کانفرنس ہوئی اس میں بھی مسلمانوں کو مسلم لیگ کی حمایت کی بجائے کانگریس میں شرکت کرنے کا مشورہ دیا گیا تھا اور کانگریس کے ساتھ اشتراک عمل کو بدیں وجہ جان کر قرار دیا گیا تھا کہ ”جب کونسلوں، یونیورسٹیوں میں ہندوؤں سے اشتراک عمل جائز ہے تو پھر دوسرے معاملات میں کیوں نہیں۔“

(از تعمیر پاکستان)

مولانا ظفر احمد عثمانی کا بیان | اس کی تردید میں ایک زوردار بیان جاری کیا

مولانا نے فرمایا کہ :-

”مسلمانوں کا مشرکین کے ساتھ جہاد آزادی میں اشتراک عمل اس شرط سے جائز ہے کہ حکم اہل شرک غالب نہ ہو۔ مسلمان مشرکین کے جھنڈے تلے جمع نہ ہوں بلکہ مشرکین اسلامی جھنڈے کے نیچے ہوں چنانچہ شرح سیر کبیر ص ۲۴۱ جلد ۲ میں یہ مسئلہ مذکور ہے اب فیصلہ اہل انصاف کے ہاتھ میں ہے کہ کانگریس میں اس وقت حکم شرک غالب ہے یا حکم اسلام؟ رہا مطالبہ پاکستان جو جب کہ تمام ہندوستان کو اسلامی سلطنت بنانا بحالت موجودہ کبھی طرح ممکن نہیں تو کم از کم ان ملکوں کو جہاں مسلم اکثریت ہے اسلامی سلطنت بنالینا کہ وہاں اسلامی سلطنت اسلامی اصولوں پر قائم کی جاسکے، لازم اور ضروری ہے۔“

(حیات محمد علی جناح ص ۵۳۳ از تعمیر پاکستان)

کونسلوں اور میونسپلیٹیوں کی مثال کا جواب دیتے ہوئے مولانا ظفر احمد عثمانی نے فرمایا کہ ان ملکوں میں اشتراک عمل صرف حقوق غلامی میں اشتراک ہے۔ حکومت نے غلاموں کے سامنے دوٹیوں کے چند ٹکڑے ڈال دیئے ہیں کہ ان کو حصہ دہ سدی تقسیم کر لو۔ ہندو مسلم ان کو حصہ دہ سدی تقسیم کہتے ہیں، اگر کوئی فریق اپنا حق نہ لے بھوکا مرے گا اس کو اس اشتراک عمل سے جس کا نام جہاد آزادی رکھا گیا ہے دور کی بھی نسبت نہیں۔ کانگریس کے ساتھ اشتراک عمل جہاد آزادی میں اشتراک عمل ہے چہرہ مذہبی حیثیت سے ہندوستانی مسلمانوں کی موت جتنا کا دار و مدار ہے۔“ (حیات محمد علی جناح از تعمیر پاکستان ص ۵۳۳)

علاوہ ازیں مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا مفتی محمد شفیع وغیرہ علمائے کرام جن کا مذاق ہی شروع سے الیکشنوں کے طوفان سے یکسوئی تھا ملک کے طول و عرض میں مسلم لیگ کی امداد اور پاکستان کی حمایت حاصل کرنے کے لیے پھیل گئے کیونکہ یہ الیکشن ایک صحیح مقصد یعنی اسلامی سلطنت کے قیام کے لیے لڑا جا رہا تھا جس کا قیام ہندوستان کے ایک حصہ میں مسلم لیگ کی حمایت و کامیابی پر موقوف تھا۔

مولانا ظفر احمد عثمانی کا طوفانی دورہ | حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ علیہ نے اس پاکستان الیکشن کے سلسلہ

میں تقریباً چار ماہ تک پورے ہندوستان کا ایسا طوفانی دورہ کیا جس کی پلیٹ میں یوپی، بہار، بنگال، پنجاب، سندھ اور سرحد بھی آگئے۔ جلسوں کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ ہر روز جلسہ ہوتا تھا بلکہ ایک دن میں کئی کئی جگہ جلسے ہوتے تھے صبح کو کسی جگہ شام کو کسی جگہ اور عشاء کے بعد تیسری جگہ یہاں تک کہ مولانا مرحوم کا کوئی ساتھی ان کے ساتھ نہ چل سکا۔ مسلسل سفر کی مصوبت اور شب بیداری کی وجہ سے مولانا مرحوم رحمہ اللہ علیہ کے ساتھی اکثر بیمار ہو جاتے اور مولانا مرحوم کو بعض مقامات پر تنہا جانا پڑتا۔ مگر بفضلہ تعالیٰ مولانا مرحوم کے بڑے ہا پے میں بھی ان کی صحت ان کا برابر ساتھ دیتی رہی۔ یہ جہاں بھی پہنچتے ان کی بے غرضانہ اور مخلصانہ آواز پر عوام لبیک کہتے اور دیکھتے دیکھتے ہوا کا رخ بدل جاتا۔ چار ماہ کی اس مسلسل تنگ و دو کا یہ نتیجہ نکلا کہ عامۃ المسلمین کا نگرہ یس کی متحدہ قومیت کا مورچہ فتح کرنے کے لیے مردانہ وار مسلم لیگ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو کر میدان عمل میں نکل آئے۔

اعظم گڑھ کا جلسہ اور جلوس | اس دورے میں مولانا اعظم گڑھ بھی تشریف لے گئے تھے اور جامع مسجد میں ایک عظیم الشان

جلسہ میں مولانا نے بڑی دلورہ انگیز تقریر بھی کی تھی۔ تقریر کے بعد جامع مسجد سے ایک جلوس نکالا گیا۔ یہ اتنا عروج کُن جلوس تھا کہ جو نہی یہ شہر کی روڈ پر پہنچا تو ہندوؤں کی ساری دکانیں بند ہو گئیں جس کی یاد وہاں کے لوگوں میں اب تک باقی ہے۔

(رسالہ دارالعلوم دیوبند)

ایسے ہی بیانات اور طوفانی دعووں سے ہوا کا رخ بدل گیا جو لوگ ابھی تک مسلم لیگ کی حمایت کے لیے تیار نہیں ہوئے تھے وہ بھی اس میں شامل ہو کر اس کے مدد و معاون بن گئے جس کا خود قائد اعظم کے ایک روحانی رفیق نے اپنے مکتوب مورخہ ۲۶ جنوری ۱۹۴۶ء میں یوں اعتراف کیا کہ:

”کئی سے یہاں (لاہور میں) جمعیت العلماء نے اسلام کی کانفرنس ہو رہی ہے حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی مدظلہ، تسرت و لانا ظفر احمد صاحب بھٹاوی، حضرت مولانا قادی محمد طاہر صاحب دیوبندی، حضرت مولانا محمد شفیع صاحب مفتی دیوبند اور بیسیوں حضرات علمائے کرام تشریف لائے ہوئے ہیں اور مسلم لیگ کی بڑی شد و مد سے حمایت کر رہے ہیں ان بزرگوں کی آمد سے ہوا کا رخ بدل گیا ہے۔“

(مشاہدات و ازادات ص ۲۰۹ از تعمیر پاکستان)

لیاقت، کاظمی الیکشن | ۲۶ نومبر ۱۹۴۵ء کے انتخابات ہندوستانی مسلمانوں کے لیے ایک فیصلہ کن حیثیت رکھتے تھے۔ ضلع

منظفر گمر اور ضلع سہارنپور سے ضمنی انتخاب کے لیے کانگرس نے اپنا امیدوار محمد احمد کاظمی کو منتخب کیا تھا۔ کاظمی صاحب بعض نمایاں خدمات مثلاً کاظمی ایکٹ ۱۹۳۳ء میں

حقتہ لینے کی وجہ سے سیاسی اور مذہبی حلقوں میں خاصی شہرت کے حامل تھے اس نے علاوہ کاظمی صاحب کی امداد کے لیے مولانا حسین احمد مدنی بھی اس حلقہ میں دورہ کر رہے تھے۔ مسلم لیگ نے اس حلقہ انتخاب کے لیے نواب زادہ لیاقت علی خان کو ٹکٹ دیا مگر اس علاقہ میں لیگ کی کامیابی کی توقع نظر نہیں آ رہی تھی اس لیے لیاقت علی خان نے سردار امیر اعظم خاں سابق مرکزی وزیر کو متناہی بھیجا۔ اتفاق کی بات ہے کہ محمد احمد کاظمی صاحب مولانا ظفر احمد عثمانی کے قریبی رشتہ دار ہوتے تھے۔ مگر مولانا عثمانی مرحوم نے دین کے معاملہ کو قربت داری سے بلند رکھتے ہوئے ایثار سے کام لیا اور اپنے رشتہ دار کے مقابلہ میں نظریہ پاکستان کی حمایت کے لیے لیاقت علی خان کو ترجیح دی اور دینی حیثیت کو سامنے رکھتے ہوئے مولانا مرحوم نے سہارنپور، ڈیرہ دون، مظفرنگر اور بلند شہر کے اضلاع میں لیاقت علی خان کی تائید کے لیے دورہ کیا۔ وہ دورہ بحمد اللہ کامیاب رہا اور اس کے بڑے مفید اور دور رس نتائج پیدا ہوئے۔

مولانا انیس احمد صدیقی لکھتے ہیں :-

”حضرت نے ہندوستان میں بہت سے اضلاع اور مقامات پر تشریف لاکر مسلمانوں کو مسلم لیگ کے ساتھ وابستہ رہنے اور پاکستان کے قیام میں جدوجہد کرنے کی تلقین فرمائی۔ حضرت اس سلسلہ میں قصبہ کھاتولی ضلع مظفرنگر میں تشریف لائے سردار امیر اعظم خاں جو خان لیاقت علی خاں کے منیجر کے صاحب زادہ ہونے کے علاوہ خود پاکستان کے معروف آدمی ہیں آٹھ دس سال مرکزی وزارت میں شامل رہے اور اب کراچی میں بہت بڑے کادربار الاغظم میٹڈ کے روح رواں ہیں سردار صاحب نے آپ کی خدمت میں کچھ روپے (تقریباً دو صد روپے) پیش کئے کہ آپ کرایہ وغیرہ میں

صرف فرمائیں اور ہماری طرف سے یہ ہدیہ منظور فرمائیں۔ حضرت نے یہ رقم لینے سے انکار کر دیا کہ مسلم لیگ یا پاکستان کا کام تمہارا یا تمہارے والد یا لیاقت علی خان کا کام نہیں ہے میرا اور میری قوم کا کام ہے مجھے اس سلسلہ میں نذرانہ قبول کرنے سے معذور سمجھیں امراء کے باوجود ہرگز قبول نہیں فرمایا۔ (مکتوب)

لیاقت علی خان کا مبارک بادی کا تار | لیاقت علی خان مرحوم نے اپنے کامیاب ہونے پر پہلے مبارکباد کا تار مولانا ظفر احمد مرحوم کے نام دیا اور اس میں یہ بھی تھا کہ انہوں نے تین ہزار دو ٹولوں سے کاغذی صاحب کو شکست دی ہے۔

لیاقت علی خان کا مکتوب | اس کے بعد لیاقت علی مرحوم نے مولانا مرحوم کے نام شکریہ کا یہ مفصل مکتوب ڈھاکہ سے روانہ کیا۔

” دفتر آل انڈیا مسلم لیگ دریا گنج دہلی

چٹھی نمبر ۵۰۵۰، ۱۴ دسمبر ۱۹۴۵ء

محترم المقام زاد اللہ مکارمکم

السلام علیکم ورحمہ اللہ وبرکاتہ

میں انتہائی مصروفیتوں کے باعث اس سے قبل آپ کو خط نہ لکھ سکا، امرکزی اسمبلی کے انتخابات میں اللہ پاک نے ہمیں بڑی نمایاں کامیابی عطا فرمائی اور اس سلسلہ میں آپ جیسی ہستیوں کی جدوجہد بہت باعث برکت رہی آپ بھڑات کا اس نازک موقع پر گوشہ عزت سے نکل کر میدان عمل میں سرگرمی کے ساتھ جدوجہد کرنا بیحد مؤثر ثابت ہوا۔ اس کامیابی پر میں آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں خصوصاً اس

حلقہ انتخاب میں جہاں ہماری لیگ نے مجھے کھڑا کیا تھا آپ کی تحریروں اور تقریروں نے باطل کے اثرات بہت بڑی حد تک ختم کر دیئے۔

بہر حال اب اس سے بھی سخت تر معرکہ سامنے ہے لیکن ہمیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے قوی امید ہے کہ دشمنان ملت اس معرکہ میں بھی خالص و نامراد رہیں گے۔ امید ہے کہ اس عرصہ کے لیے آپ کو رخصت مل جائے گی اور آپ کی تحریروں اور تقریروں اور مجاہدانہ سرگرمیاں آنے والی منزل کی دشواریوں کو بھی معتد بہ حد تک ختم کر سکیں گی۔ والسلام مع الاحترام“

لیاقت علی خان

قائد ملت لیاقت علی خان مرحوم کا یہ خراج تحسین اور اعتراف حقیقت ان لوگوں کے لیے جو کہتے ہیں کہ پاکستان کے لیے قربانیاں کرنے والوں میں مٹا کہیں نظر نہیں آیا، اور اس طرح وہ پاکستان سے علمائے کرام کا اثر و رسوخ مٹانے کے درپے ہیں مگر بصیرت اور تازیانہ عبرت کی حیثیت رکھتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ علیہ اور ان کے متوسلین کی حمایت نے مسلم لیگ میں ایک نئی روح پھونک دی تھی جس کا اعتراف اس وقت کے مسلم لیگ کے تمام علمائین کو تھا۔ اگر یہ حضرات حمایت نہ کرتے تو جمعیت العلمائے ہند کے مقابلے میں جس میں مشاہیر علماء کی ایک بڑی جماعت شامل تھی اور وہ کانگریس کا ساتھ دے رہی تھی تو ان حالات میں مسلم لیگ کا کامیاب ہونا سب کو دشوار معلوم ہو رہا تھا۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا اظہارِ مسرت  
مولانا مرحوم کے دوسرے اور جلسوں کی  
خبریں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کو اخبارات

اور خطوط سے جتنی دہشتی تھیں۔ اسی زمانہ میں مولانا مرحوم جب ایک بار دیوبند گئے تو علامہ عثمانی نے خوش ہو کر فرمایا ”ہمیں یہ امید نہیں تھی کہ آپ اس جفاکشی سے کام لیں گے۔ واقعی آپ نے تو بڑے بڑے ہمت والوں کے بھی حوصلے پست کر دیئے۔“

مولانا مرحوم نے جب پاکستان کے لیے پورے متحدہ ہندوستان کا دورہ کیا تھا تو بار بار مولانا

مولانا کے لیے بشارات

مرحوم کے دل میں خطرہ آتا تھا کہ یہ دورہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہے یا نہیں؟ دورہ کرتے ہوئے جب مولانا مبارک پور ضلع اعظم گڑھ میں پہنچے اور وہاں مولانا کی تقریر ہوئی تو ایک بڑے بوڑھے میاں جو صورت سے ذاکر شاغل معلوم ہوتے تھے تقریر کے بعد مولانا سے روتے ہوئے لپٹ گئے مولانا نے سمجھا کہ شاید یہ بزرگ حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ علیہ سے بیعت ہوں گے اور حضرت کو یاد کر کے رو رہے ہیں۔ کیونکہ مولانا حضرت تھانویؒ کی نشانی ہیں۔ مگر ان بزرگ نے بیان کیا کہ میرے رونے کا سبب یہ ہے کہ میں نے رات کو خواب میں اس جگہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو وعظ کہتے ہوئے دیکھا ہے اور تمہارا نقشہ بالکل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہے مولانا مرحوم نے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا کہ الحمد للہ بارگاہ رسالت میں اُن کا یہ دورہ مقبول ہے۔

مولانا مرحوم اس دورے سے فارغ ہو کر جب سہارنپور پہنچے تو مولانا مرحوم کے چھوٹی زاد بھائی سید محمد مختتم مرحوم مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے حکم سے مولانا مرحوم کے پاس پہنچے اور اپنا ایک خواب بیان کیا جس میں مولانا مرحوم کے لیے بشارت تھی

اور اس کی تعبیر غالباً مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے یہ دی تھی کہ اس وقت مولانا ظفر احمد صاحب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کے موافق نیابت کا حق ادا کر رہے ہیں اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی صودت میں نمودار ہوئے اور نعمت پور سے مراد یہ ہے کہ آپ کو بھرپور نعمت ملے گی یا مل رہی ہے اور آپ کے ذریعہ سے دین کی حلاوت کے پیشے بہہ رہے ہیں۔

**کلکتہ کے عظیم الشان اجلاس میں خطاب** | مرکزِ ایمنی کے انتخابات میں مسلم لیگ کو سو فی صد

کامیابی ہوئی تو ہر جگہ خوشی میں جلسے ہوئے کلکتہ میں بڑا عظیم الشان اجلاس ہوا جس میں تقریباً دس لاکھ کا اجتماع تھا۔ مولانا مرحوم نے بھی ڈھاکہ سے تشریف لاکر اس اجلاس سے خطاب فرمایا تھا۔

**مسلم لیگ کے حق میں فتوے** | ۸ مارچ ۱۹۴۶ء کو ڈھاکہ کے ایک شخص مسٹی محی الدین کے استفسار پر مولانا مرحوم

نے بعض دوسرے حضرات کے ساتھ جن میں علامہ سید سلیمان ندوی بھی تھے مسلم لیگ کے حق میں فتوے لکھا کہ اس وقت مسلمان کانگریس اور اس کی امدادی جماعتوں سے بالکل علیحدہ رہ کر صرف مسلم لیگ کی حمایت کریں۔

(عمرضید کلکتہ مارچ ۱۹۴۶ء)

**ہندوستان کی پیچیدہ صورتحال کا واحد حل** | پشاور میں ایک عظیم الشان جلسہ سے خطاب کرتے

ہوئے مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے فرمایا تھا کہ شریعت کی دُور سے ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اپنی قومی جماعت مسلم لیگ کا ساتھ دے تاکہ اپنے قومی نصب العین پاکستان

کے حاصل کرنے میں آسانی ہو۔ ہندوستان کی پیچیدہ صورت حال کا حل صرف اور صرف پاکستان ہے۔“

(عمر جدید ۱۲ مارچ ۱۹۴۶ء)

حصول پاکستان کے لیے مجاہدانہ بیان | ایک بیان میں مولانا مرحوم نے فرمایا کہ مسلم لیگ اگر بحیثیت

جماعت پیچھے ہی رہ جائے تو اب ہندوستان کے ہزاروں علماء جمعیت علماء اسلام کے پلیٹ فارم پر جمع ہو چکے ہیں پاکستان کے حصول میں اگر ہماری جانیں بھی کام آجائیں تو ہم اس سے دریغ نہیں کریں گے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم نے جب کانگریس اور مسلم لیگ کے متعلق شرعی فیصلہ شائع فرمایا اس پر بھی منجملہ اکابر دیوبند کے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی مرحوم کی تصدیق ان الفاظ میں ثبت ہے: ”بعد الحمد والصلوة اس اصرار نے بھی فتوے مذکورہ کا حرفاً حرفاً مطالعہ کیا۔ اللہ تعالیٰ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ کو جزائے خیر عطا فرمائیں کہ سیاستِ حاضرہ کا شرعی حکم اچھی طرح واضح فرمادیا۔ اور بڑی محنت سے قرآن و حدیث و فقہ سے جزئیات احکام کو تلاش کر کے جمع فرمادیا ہے۔ امید ہے کہ اس کے بعد مسائلِ حاضرہ میں کسی اور فتوے کی حاجت باقی نہ رہے گی۔ هذا تكون همة الرجال وعزيمة الابطال  
كشّر الله خينا امثاله“

والسلام

ظفر احمد عثمانی عفی اللہ عنہ

۳ محرم ۱۹۴۵ء

کابینہ مشن کے نام تار | برطانوی حکومت نے سیاسی پیچیدگیوں کے حل کرنے کے لیے مزید کوشش کے طور پر کابینہ مشن کے قیام

کا اعلان کیا، لیکن اس کے ساتھ ہی بعض برطانوی لیڈروں کے بیانات سے یہ تاثر ہوتا تھا کہ برطانوی گورنمنٹ اب مسلم لیگ کو نظر انداز کرنے کا ارادہ رکھتی ہے جس سے قدرتی طور پر مسلمانوں اور مسلم لیگ میں ایک اضطراب پیدا ہوا۔ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب نے ۱۸ اپریل ۱۹۴۶ء کو ایک تار برطانوی کابینہ وند کے نام دہلی روانہ کیا۔

کہ مسلم لیگ مسلم ہند کی واحد نمائندہ سیاسی تنظیم ہے۔ کل ہند جمعیت علماء اسلام متحدہ طور پر مسلم لیگ کی پشت پر ہے۔ پاکستان مسلمانوں کا قومی ملی مطالبہ ہے اس مطالبہ کے انکار کا تصور کسی صورت میں نہیں کیا جاسکتا۔ مسلمان اس سوال پر کسی بیشی کر کے کوئی مصالحت کرنے کے لیے تیار نہیں۔ مسلمان اس مطالبہ ملی کے حصول کے لیے ہر قربانی کے لیے تیار ہیں “

(۲۱ اپریل ۱۹۴۶ء)

بنگال اور پنجاب کی تقسیم | صوبائی اسمبلی کے انتخابات میں مسلم لیگ کی کامیابی نے انگریز اور کانگریس دونوں کو

مطالبہ پاکستان کے ماننے پر مجبور کر دیا۔ مگر بنگال اور پنجاب کی تقسیم پر کانگریس اٹ گئی اور قائد اعظم نے اس کو منظور کر لیا۔

۹ جون ۱۹۴۷ء کو مسلم لیگ ہائی کمان کا جلسہ دہلی میں اس لیے منعقد ہوا کہ اس طرح کا پاکستان منظور کرنے یا نہ کرنے پر غور کیا جائے اس جلسہ میں شرکت کے لیے علامہ شبیر احمد کیسہ، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی کو بھی دعوت دی گئی تھی جلسہ میں مختلف انداز پر تقریریں ہوئیں۔ قائد اعظم کی رائے یہ تھی کہ ”اگر تقسیم بنگال و پنجاب کو

منظور نہ کیا گیا تو پاکستان نہیں بن سکے گا۔ میری رائے یہ ہے کہ اس کو منظور کر لیا جائے۔“

**سہلٹ کا ریفرنڈم** | سہلٹ اور سرحد کے بارے میں کانگریس کو ریفرنڈم پر اصرار تھا کہ وہاں کے مسلمانوں کی رائے علیحدہ معلوم کی جائے

کہ وہ پاکستان میں رہنا چاہتے ہیں یا ہندوستان کے ساتھ الحاق کرنا چاہتے ہیں۔ قائد اعظم نے اس کو بھی منظور کر لیا۔ قرارداد پاکستان منظور ہو گئی تو اگر جون ۱۹۴۷ء کو مولانا شبیر احمد عثمانی کے ساتھ علامہ ظفر احمد عثمانی قائد اعظم سے ملاقات کرنے کے لیے ان کی کوٹھی پر تشریف لے گئے اور قائد اعظم سے ان مسلمانوں کے بارے میں جو تقسیم ملک کے بعد ہندوستان میں رہ جائیں گے اپنی تسلیش کا اظہار کیا۔

دوران گفتگو میں قائد اعظم نے کہا کہ مجھے سرحد اور سہلٹ کے ریفرنڈم کا بہت فکر ہے۔ کیونکہ قائد اعظم کی نظر میں سرحد تو پاکستان کی ریڑھ کی ہڈی ہے اور سہلٹ کا علاقہ اگر پاکستان میں نہ آیا تو اسام کی بہت سی چیزوں سے پاکستان محروم رہ جائے گا۔ جیسے ناریل وغیرہ۔

جمعیت علمائے اسلام کے ان دونوں عظیم رہنماؤں نے کہا کہ ہم انشاء اللہ دونوں صوبوں کا دورہ کریں گے اور ان شاء اللہ مسلم لیگ ہی کامیاب ہوگی مگر آپ اس کا اعلان کر دیں کہ پاکستان کا آئین اسلامی ہوگا۔ اس پر قائد اعظم نے کہا کہ جب پاکستان میں مسلمانوں کی اکثریت ہوگی تو آئین اسلامی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ ان دونوں حضرات نے اس کے جواب میں عمر کی سلطنت کا ذکر کیا کہ وہاں مسلمانوں کی اکثریت کے باوجود حکومت نے اسلامی قانون جاری نہیں کیا۔ بعض لوگوں کو مسلم لیگ سے بھی ایسا ہی خطرہ ہے۔ اس پر قائد اعظم نے کہا کہ آپ

میری طرف سے اس کا اعلان کر دیں کہ پاکستان کا آئین اسلامی ہوگا۔ اس کے بعد طے ہوا کہ سلہٹ کی ریفرنڈم کے لیے مولانا ظفر احمد کام کریں گے۔

چنانچہ مولانا نے اپنے احباب کو ڈھاکہ خطوط لکھے کہ سلہٹ جا کر کوشش کریں تاکہ مسلمان مسلم لیگ کو ووٹ دیں، مگر سلہٹ میں مولانا حسین احمد مدنی کے شاگرد اور مرید زیادہ تھے۔ مولانا مدنی ہر سال رمضان بھی وہاں گزارتے تھے اس لیے جمعیت علماء ہند کا وہاں پورا تسلط تھا۔ مولانا مرحوم کے احباب کے خطوط آئے کہ آپ کو خود یہاں پہنچنا چاہیئے۔ زمین بہت سخت ہے۔ ادھر ڈھاکہ نیوسٹی میں نواب زادہ لیاقت علی خاں کا تار مولانا کے سلہٹ پہنچنے کے لیے آیا۔ مولانا اس وقت تھانہ بھون تشریف لائے ہوئے تھے۔ وہاں پر بھی تار پر تار آئے تو مولانا تھانہ بھون سے ڈھاکہ اور وہاں سے سلہٹ پہنچے۔ اس وقت پولنگ میں صرف پانچ دن باقی تھے اور نواب زادہ لیاقت علی خاں مرحوم ان دنوں سلہٹ اور شام کا دورہ کر رہے تھے واپسی میں غفر گاؤں میں کانگریسی لوگوں نے جلسہ میں گٹر بڑی چادی تو مولانا مرحوم کے پاس آدمی بھیجا گیا کہ جلدی سے غفر گاؤں آئیں۔ چنانچہ مولانا غفر گاؤں کے لیے روانہ ہو گئے۔ مبین سنگھ ٹیشن سے حسین شہید سہروردی مرحوم بھی اس گاڑی میں سوار ہو گئے جو غفر گاؤں میں گٹر بڑی وجہ سے رات کو وہاں سے مبین سنگھ آگئے تھے اور داب دوسرے جلسہ میں شرکت کے لیے پھر غفر گاؤں جا رہے تھے۔ اس جلسہ کی صدارت حضرت مولانا ظفر احمد مرحوم کو کرنی تھی۔ جب آپ غفر گاؤں پہنچے تو مسلم لیگ نیشنل گارڈ نے آپ کا استقبال کیا۔ ظہر کی نماز کے بعد جلسہ شروع ہوا مولانا نے اپنے خطبہ میں دلائل شرعیہ سے حمایت پاکستان کی ضرورت اور مخالفین کے شبہات بیان کئے۔ جلسہ بڑے سکون اور آرام سے ہوا اور شروع سے

آخر تک کوئی ہنگامہ نہیں ہوا۔ اس کے بعد مولانا نے حضرت مولانا سہول صاحب کو ہمراہ لیا اور سہلٹ کے مضافات میں ان مقامات کا دورہ کیا جو پاکستان کے مخالف تھے اب پولنگ میں دو روز باقی تھے۔

حضرت شاہ جلالؒ کی مسجد میں جلسہ اتفاق سے اس وقت شاہ جلال کا عرس بھی تھا۔ لاکھوں آدمی اطراف

سہلٹ سے اس عرس میں آئے ہوئے تھے۔ مسلم لیگ نے شاہ جلال رحمہ اللہ علیہ کی مسجد میں جلسہ کا انتظام کیا۔ بڑے وسیع پیمانے پر اور لاؤڈ سپیکر لگائے گئے تاکہ سارے مجمع کو آواز پہنچ جائے۔

عشاء کے بعد مولانا نے اول حضرت شاہ جلال کے مزار پر فاتحہ خوانی کی۔ پھر جلسہ کا افتتاح ہوا۔ مولانا نے پاکستان کا دارالاسلام اور ہندوستان کا دارالطرب ہونا دلائل سے ثابت کیا اور بتلایا کہ جس حصے کا دارالاسلام بنا ناممکن ہو اس کو دارالاسلام بنانا مسلمانوں پر واجب ہے اور یہ جو اشکال پیش کیا جاتا ہے کہ سارے ہندوستان کو دارالاسلام بنانا چاہیے یہ اس لیے غلط ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر پہلے مدینہ منورہ کو دارالاسلام بنایا تھا، مکہ کو دارالطرب رہنے دیا کیونکہ اس وقت مکہ کو دارالاسلام بنانے کی نسبت مدینہ کو دارالاسلام بنانا آسان تھا کیونکہ مدینہ کی فضاء ساز گار تھی جب مکہ میں ایسے حالات پیدا ہو گئے تو مکہ کو بھی دارالاسلام بنا دیا گیا اس لیے ہم بھی پہلے اسی حصے کو دارالاسلام بنانا چاہتے ہیں۔ جس کی فضاء ساز گار ہے اور آسانی سے وہ حصہ دارالاسلام بن سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ حصہ مسلم اکثریت کے صوبوں کا ہی ہو سکتا ہے۔ مولانا کی یہ تقریر ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہی اور اس تقریر کا عوام پر بہت اثر ہوا۔

سب سے بڑا شبہ | سب سے بڑا شبہ یہ تھا کہ پاکستان اسمبلی میں ہندو بھی ہوں گے تو وہاں اسلامی حکومت کس طرح ہوگی؟ مولانا نے فرمایا کہ اکثریت مسلمانوں کی ہوگی۔ ہندو ہمارے تابع ہوں گے۔ مسلم لیگ کے پرچم کے نیچے ہوں گے تو اسلامی حکومت ہونے میں کیا شبہ ہے؛ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو معاہدہ یہود مدینہ و مشرکین سے کیا تھا اس میں صراحت موجود تھی کہ ہم سب بل کہ ایک ہیں اور بصورت اختلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ سب کو ماننا پڑیگا تو کیا یہ اسلامی مملکت نہ تھی۔“

علماء نسے بھی مولانا نے فرمایا کہ آپ عوام سے نہ الجھئے جو اشکال اور اعتراض کرتا ہو اس کا جواب دینے کو میں حاضر ہوں۔ اس کے بعد علماء نے بھی عوام کو مسلم لیگ کی مخالفت پر آمادہ کرنا چھوڑ دیا۔

سلمہٹ کے ریفرنڈم کے لیے دورہ | اس کے بعد ضلع سلمہٹ کے کئی مقامات کا دورہ کیا اور سفر کی

صوبہ بنیں جھیلیں۔ اس دورہ میں مولانا کے ساتھ حضرت مولانا محمد سہول صاحب عثمانی بھی تھے۔ مولانا نے پولنگ کے دن تک سلمہٹ میں کام کیا۔ جس دن پولنگ شروع ہوا۔ مولانا نماز فجر کے بعد معمولات سے فارغ ہو کر لیٹ گئے تو غنودگی کی حالت میں مولانا نے دیکھا کہ مسلم لیگ اور جمعیت العلماء ہند دونوں پولنگ میں ساتھ ساتھ ہیں اور کوئی اختلاف نہیں ہے۔

ناشتہ سے فارغ ہو کر مولانا پولنگ پر تشریف لے گئے تو دیکھا کہ واقعی جمعیت علماء ہند اور مسلم لیگ کے جھنڈے ساتھ ساتھ ہیں اور لوگ نعرے لگا رہے ہیں جمعیت علماء ہند، مسلم لیگ بھائی بھائی۔ مولانا نے اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ادا کیا

کہ خواب سچا ہو گیا۔

شام کو رائے شماری کا نتیجہ نکلا تو ثابت ہوا کہ عظیم اکثریت نے پاکستان کے حق میں رائے دی اور پولنگ اسیشن سے اطلاع ملی کہ مسلم لیگ ۵۰ ہزار ووٹ سے جیت گئی اور سلہٹ پاکستان میں شامل ہو گیا۔ مولانا نے شکراۓ کے نفل پڑھے۔ اور ڈھاکہ روانہ ہو گئے۔ مسلم لیگ کی اس کامیابی پر مولانا نے نواب زادہ لیاقت علی خاں کو مبارک باد دی تو انہوں نے جواب دیا کہ اس مبارک باد کے آپ زیادہ مستحق ہیں۔

۲۴ رمضان المبارک مطابق ۲۷ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان پر چم کشائی | منصف ظہور پر جلوہ گرہ ہوا۔ ڈھاکہ میں پرچم کشائی کی رسم کے لیے

قائد اعظم کی ہدایت کے مطابق خواجہ ناظم الدین صاحب مرحوم نے حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ علیہ کی تحریک پاکستان میں سابقہ خدمات کو مد نظر رکھتے ہوئے آپ کو دعوت دی۔

مولانا مرحوم نے سورہ افاتحنہ کی ابتدائی آیات تلاوت کیں۔ تمام وزراء اور عمائدین مسلم لیگ خاموش و بادب سنتے رہے پھر بسم اللہ کر کے مولانا نے پاکستانی پرچم لہرایا۔ خوشی میں توپ خانے سے سلامی کی توپیں چلیں پھر وزراء نے اسمبلی ہال میں حلف اٹھایا۔ اس تقریب میں بھی مولانا مع جماعت علماء شریک رہے۔ اور چیف جسٹس مشرقی پاکستان سے آپ نے حلف لیا۔ اس کے بعد چیف جسٹس موصوف نے گورنر، وزیر اعلیٰ اور دوسرے وزراء سے حلف و فاداری لیا۔

پاکستان کے پہلے دن مولانا کی پہلی تقریر یہ | یہ جمعہ کا دن تھلال باغ کی جامع مسجد میں جمعہ سے پہلے

تقریر میں مولانا نے حصول پاکستان پر شکہ ادا کرنے کی ترغیب دی اور اس کا طریقہ یہی بتلایا کہ پاکستان جس غرض کے لیے حاصل کیا گیا ہے اس کو پورا کریں۔

مولانا نے فرمایا پاکستان میں اہل باب حکومت آئین و دستور اسلام نافذ کریں اور عوام غلام و غیرہ شعائر اسلام کی پابندی کریں۔ پاکستان کو شراب خانوں اور قحبہ خانوں، سود اور سٹے وغیرہ کی لعنت سے پاک کریں۔ اتفاق و اتحاد کے ساتھ پاکیزہ اسلامی معاشرہ قائم کریں۔ فوج اور پولیس کو نماز روزے کا پابند بنائیں۔ اور انہیں خدمت قوم اور حفاظت دارالاسلام کے لیے جان توڑ کوشش کرنے کی ہدایت کریں۔ خفیہ پولیس مستحکم ہو کیونکہ جس حکومت کے پاس مستحکم خفیہ پولیس نہ ہو وہ کمزور حکومت ہوگی۔ خواجہ ناظم الدین صاحب مرحوم وزیر اعلیٰ مشرقی پاکستان اس تقریر کو بڑے غور سے سنتے رہے اور بڑے متاثر ہوئے۔

اردو زبان کی تائید و حمایت | پاکستان بننے کے بعد زبان کا مسئلہ زیر بحث تھا کہ پاکستان کی سرکاری زبان کیا ہو ؟

مغربی پاکستان والے تو اردو کو سرکاری زبان بنانا چاہتے تھے مگر مشرقی حصہ والوں میں اختلاف تھا۔ چانگام کے کلکٹر نے بنگلہ حروف القرآن کی تحریک شروع کی کہ بنگلہ زبان کا رسم الخط عربی کر دیا جائے تاکہ مغربی پاکستان والوں کو بنگلہ سیکھنا آسان ہو جائے اور مشرقی پاکستان والے اس طرح اردو کے قریب آجائیں۔ مولانا مرحوم نے اس تحریک کی تائید اور حمایت فرمائی اور سمجھدار طبقہ کے مسلمانوں کو اس پر آمادہ کرنا شروع کیا کہ پاکستان کی سرکاری زبان اردو ہو کیونکہ یہ واقعہ تھا کہ

مشرقی حصہ کے اکثر شہروں میں اردو زبان بولی اور سمجھی جاتی تھی۔ مدارس اسلامیہ عربیہ اور مدرسہ عالیہ ڈھاکہ اور اس کی شاخوں میں بھی اردو ہی ذریعہ تعلیم تھی۔ اس لیے اردو کو سرکاری زبان بنانے کے لیے مولانا مرحوم ۱۹۴۸ء میں صلیب جمعیت علمائے اسلام مشرقی پاکستان کی حیثیت سے علماء مشرقی پاکستان کا ایک نمائندہ وفد لے کر اچے تشریف لائے۔ اس وفد میں مولانا اطہر علی اور مولانا مفتی دین محمد خاں بھی آپ کے ساتھ تھے اور ایک لاکھ سے زیادہ دستخطوں کے ساتھ قائد اعظم اور وزیر اعظم لیاقت علی خان مرحوم کی خدمت میں درخواست پیش کر دی کہ مشرقی پاکستان والے بھی سرکاری زبان اردو ہی چاہتے ہیں۔

اس کے بعد قائد اعظم نے مشرقی پاکستان کا دورہ کیا تو ڈھاکہ میں ایک لاکھ سے زیادہ مجمع میں صاف اعلان کر دیا کہ پاکستان کی زبان اردو اور صرف اردو ہوگی۔ حضرت مولانا نے علماء السنن کے باہر ہویں حصہ میں ص ۱۵ میں اردو زبان کی شرعی حیثیت پر کافی روشنی ڈالی ہے اور بتلایا ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں پر اردو زبان کی حفاظت شرعاً واجب ہے اس لیے کہ قرآن و حدیث اور علوم اسلامی کے تراجم کا بہت بڑا ذخیرہ اس زبان میں منسلک ہو گیا ہے اور ان علوم کا تحفظ بھی ضروری ہے اور ویسے بھی ان دیار میں اردو مسلمان کا شمار ہے۔

حضرت مولانا پر مشرقی پاکستان کے علیحدہ ہو جانے کا گہرا اثر تھا اور سقوط ڈھاکہ کے بعد سے حضرت مولانا کی صحت گم نہ لگی تھی۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اب جینے کا کوئی مزہ باقی نہیں رہا۔ حضرت مولانا مرحوم کو قلبی تعلق کی وجہ سے یہی خیال رہتا تھا کہ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان پھر ساتھ مل جائے گا اپنے اس تعلق خاطر کا اکثر تذکرہ فرمایا کرتے تھے۔ احقر کے نام ایک والا نامہ میں ارقام فرمایا تھا :-

” بحمد اللہ اب اچھا ہوں مگر سقوط ڈھاکہ کی خبر سے ضعف بڑھ گیا ہے وہ بھی  
 آہستہ آہستہ کم ہو رہا ہے۔ کیونکہ مشرقی پاکستان کی واپسی کے آثار معشی زائد نظر  
 آ رہے ہیں۔“

ظفر احمد عثمانی ۲۷ رزی الحجہ ۱۴۱۱ھ

قائد اعظم کا دورہ مشرقی پاکستان اور مولانا ظفر احمد عثمانی <sup>مارچ ۱۹۴۸ء میں</sup>  
 قائد اعظم بحیثیت

گورنر جنرل مشرقی پاکستان کے دورہ پر گئے تو قائد اعظم کے ہر جلسہ میں مولانا کو  
 بلایا جاتا تھا اور چونکہ پودے اعزاز و اکرام کے ساتھ مولانا کی کرسی قائد اعظم کے پاس  
 ہوتی تھی اس لیے مولانا کو تین مرتبہ ایسے موقعوں پر قائد اعظم سے سرسری گفتگو  
 کرنے کا موقع ملا مگر مفصل گفتگو دومرتبہ خصوصی ملاقاتوں میں ہوئی۔

قائد اعظم سے ملاقات اور ان میں پہلی ملاقات :- ایک موقع پر  
 اسلامی کے بارے میں گفتگو مولانا نے ”بجے اپنے سیکرٹری،  
 مولانا دین محمد صاحب مفتی ڈھاکہ کے

ساتھ گورنر ہاؤس میں دستور سازی کے مسئلہ پر گفتگو کرنے کے لیے قائد اعظم سے ملاقات  
 کی اور ان سے فرمایا کہ جون ۱۹۴۷ء میں اجلاس مسلم لیگ دہلی کے موقع پر ہم نے  
 جن خدشات کا اظہار کیا تھا وہ درست نکلے کہ پاکستان بننے ہی ہندوستان میں  
 مسلمانوں پر ظلم اور ان کا قتل عام شروع ہو گیا اور پاکستان کے پاس فوج تھی اور نہ  
 اسلحہ جو اس ظلم کی مدافعت ہو سکتی۔ ہم نے پاکستان اس لیے نہیں بنایا تھا کہ ہندوستان  
 کے مسلمان اس طرح ہندوؤں کے ظلم کا نشانہ بنتے رہیں، پھر آئین اسلام بھی جاری ہو  
 جاتا تو یہ ساری مشہدے بنائیں گوارا تھیں۔ عرصہ متاع جان جانان جان دینے پر بھی تھی ہے

مگر اب تک آئین اسلام بھی جاری نہیں ہوا جس کا وعدہ ہم نے قوم سے کیا تھا اور اسی وعدہ کی بناء پر ہی یوپی اور بہار وغیرہ کے مسلمانوں نے پاکستان کے لیے ووٹ دیئے تھے ورنہ وہ جانتے تھے کہ پاکستان سے ان کو کچھ دنیوی نفع نہ پہنچے گا وہ ہندوستان ہی کے ماتحت رہیں گے مگر ان کو خوشی اس بات کی تھی کہ نئی اسلامی مملکت دُنیا کے نقشہ پر نمودار ہوگی جس کا آئین اسلامی ہوگا۔“

قائد اعظم نے کہا کہ ہندوستانی حکومت نے ایک کروڑ کے قریب مسلمانوں کو پاکستان کی طرف دھکیل دیا ہے کہ پاکستان کی معیشت پر باد پڑے اور سرمایہ دار ہندوؤں کو یہاں سے بلالیا تاکہ پاکستان کی اقتصادی قوت مغلوب ہو جائے مگر اللہ کا فضل شامل حال رہا کہ پاکستان ان مصائب سے دوچار ہونے کے باوجود قائم رہا۔ آئین اسلامی کے جاری ہونے میں اس لیے دیر ہوئی کہ پاکستان بنتے ہی ان مسلمانوں کی آباد کاری پر توجہ نہ زیادہ دینی پڑی جو ہندوستان سے یہاں آرہے تھے اب ذرا اس طرف سے اطمینان ہوا ہے تو انشاء اللہ بہت جلد آئین پاکستان آئین اسلامی کی صورت میں مکمل ہو جائے گا۔

دوسری ملاقات :- قائد اعظم جب چانگام کا وعدہ کرنے کے بعد ڈھاکہ تشریف لائے ایک وفد کے امیر ہونے کی حیثیت سے مولانا نے پھر ملاقات کی اور فرمایا کہ آپ نے حصول پاکستان سے پہلے وعدہ کیا تھا کہ دستور پاکستان کتاب و سنت کے موافق ہوگا۔ یہ وعدہ جلد پورا کیا جائے۔ قائد اعظم نے وفد کو اطمینان دلایا اور کہا کہ چند ناگہانی مصائب کی وجہ سے دیر ہو گئی ہے اب زیادہ دیر نہ ہوگی۔“

(از تعمیر پاکستان)

قائد اعظم اگر زندہ رہتے تو پاکستان کا آئین اسلامی ہوتا مگر وہ بہت جلد خود وفات پا گئے اور ان کی وفات کے بعد پاکستان کے ایک انتہائی کم تعداد مگر باختیار طبقہ نے قائد اٹھانے کی کوشش کی اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ اسلام کے اصول اس زمانہ میں ناقابل عمل ہیں اس لیے پاکستان کو لادینی ریاست یعنی سیکولر سٹیٹ بنانے پر زور دیا۔

یہ دستوری کش مکش اس وقت کم ہوئی جب مارچ ۱۹۴۹ء میں قائد ملت وزیر اعظم لیاقت علی خان نے دستور ساز اسمبلی سے فترواد مقاصد منظور کر کے بحث کو ختم کر دیا۔

مولانا شبیر احمد عثمانی کا دورہ مشرقی پاکستان | اس قرارداد مقاصد کے منظور کرانے میں

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کی سعی بلیغ کو بہت بڑا دخل تھا۔ حضرت مرحوم نے اس کے لیے فروری ۱۹۴۹ء میں مشرقی پاکستان کا دورہ کیا۔ ڈھاکہ، ہمین سنگھ اور چائنگام وغیرہ میں بڑے بڑے جلسے ہوئے جن میں لاکھوں کا اجتماع ہوتا تھا ان میں طے کیا گیا کہ پاکستان کا آئین اسلامی ہوگا۔ غیر اسلامی آئین ہرگز ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

مولانا ظفر احمد عثمانی چونکہ آٹھ نو سال سے ڈھاکہ میں مقیم تھے اور تحریک پاکستان میں بھی مولانا نے اہم کردار ادا کیا تھا۔ نیز ڈھاکہ اور اطراف ڈھاکہ میں مولانا کا بہت اثر و رسوخ، علمی اور روحانی فیض دور دراز تک کے علاقوں میں پھیلا ہوا تھا اس لیے پاکستان کے لیے اسلامی آئین کے حق میں فضا کے تیار کرنے اور رائے عامہ کو ہوا کرانے میں مولانا ظفر احمد عثمانی اور ان کے رفقاء کا بہت بڑا

حصہ تھا اس پر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے عام جلسوں میں زور دار اور دلولہ انجینر بیانات نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا اور پورا مشرقی پاکستان آئین اسلامی کی صدا سے گونج اٹھا۔

اس دورہ کے بعد جب مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ علیہ کراچی تشریف لائے اور دستور ساز اسمبلی نے مارچ ۱۹۴۹ء میں قرارداد مقاصد کو منظور کر لیا اور علامہ عثمانی کا مکتوب گرامی مولانا ظفر احمد عثمانی کے نام ڈھاکہ آیا تو اس میں اس بات کی تصریح تھی کہ قرارداد مقاصد کے پاس کرانے میں مشرقی پاکستان کے جلسوں کی روئداد کا بڑا اثر ہوا ہے۔

**آئین اسلامی اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ** اوپر کے مضمون سے واضح ہو رہا ہے کہ ابھی ملک تقسیم بھی نہیں ہوا تھا اس وقت

سے ہی مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ علیہ پاکستان کے لیے اسلامی آئین بنانے کے لیے قائدین مسلم لیگ کو آمادہ کرتے رہے ہیں اور مسلم لیگ کے حامدین سے اس سلسلہ میں گفتگو کر کے ان سے پاکستان میں آئین اسلامی جاری کرانے کا وعدہ لیتے رہے ہیں اور اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعے بھی ہمیشہ اس پر زور دیتے رہے ہیں۔ اور عام مسلمانوں کو بھی جلسوں میں اس پر آمادہ کرتے رہے ہیں چنانچہ تقسیم سے پہلے ۱۱ جون ۱۹۴۷ء کو مولانا کی قائد اعظم سے جو ملاقات ہوئی تھی اس میں بھی قائد اعظم سے پاکستان میں آئین اسلامی ہونے کے اعلان کرنے کو کہا تھا۔

۱۹۴۸ء میں قائد اعظم کو پھر ان کے دورہ مشرقی پاکستان کے موقع پر اس کی طر

توجہ دلائی اور ۱۹۴۹ء میں مولانا شبیر احمد عثمانی کے ساتھ جلسوں میں شرکت کرتے رہے اور قرارداد مقاصد کی منظوری میں بھرپور حصہ لیا اور اپنی تقاریر میں دستور اسلامی کے جلد

نافذ کئے جانے کی حکومت پاکستان کو تاکید کرتے رہے۔

۱۹۵۱ء میں لیاقت علی خاں وزیراعظم پاکستان کو ایک جلسہ عام سے خطاب کرنے کے لیے اُٹھتے ہی گولی مار کر شہید کر دیا گیا۔ اس واقعہ کو ملت اسلامیہ کے خلاف ایک خطرناک سازش قرار دیا جاتا ہے۔ مولانا اس وقت ڈھاکہ ہی میں تھے۔ اس موقع پر جو اجتماع ڈھاکہ میں ہوا جس میں اس اندوہناک واقعہ پر سخت رنج و غم کا اظہار کیا گیا تھا مولانا نے بھی اس میں تقریر کی تھی۔ لیاقت علیخان مرحوم کی شہادت کے بعد خواجہ ناظم الدین ملک کے وزیراعظم اور ملک غلام محمد گورنر جنرل بنا دیئے گئے۔

۱۹۵۲ء میں ملک غلام محمد صاحب ڈھاکہ گئے | **غلام محمد گورنر جنرل سے ملاقات** | تو اس موقع پر بھی مولانا ظفر احمد عثمانی نے

علماء کی جماعت کے ساتھ ان سے ملاقات کی اور دستور اسلامی جلد سے جلد جاری کرنے پر زور دیا۔

۱۹۵۳ء میں بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی سفارشات پر غور | **بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی سفارشات پر غور** | کی کمیٹی کی دوسری رپورٹ

خواجہ ناظم الدین نے پیش کی جس پر غور کرنے کے لیے مولانا احتشام الحق صاحب مقانونی نے ہر مکتب خیال کے علماء کرام کو دوبارہ کراچی میں جمع کیا اس میں مولانا ظفر احمد عثمانی بھی شریک تھے۔

لیاقت علی خاں مرحوم نے قرار داد مقاصد منظور کرانے کے بعد قومی اسمبلی کے ذریعہ آئین کے بنیادی اصولوں کی کمیٹی تشکیل کرائی تھی۔ اس کمیٹی کا کام یہ تھا کہ وہ پاکستان کے دستور کا خاکہ تیار کرے۔ لیاقت علی خاں نے ۱۹۵۵ء میں ایک دستور پیش کیا تھا جس کو ملت پاکستان نے تسلیم نہیں کیا تھا اور وزیراعظم لیاقت علیخان

کے چیلنج کے جواب میں مولانا احتشام الحق صاحب کی دعوت پر ہر مکتب خیال کے ۳۲ علماء کے دستخط سے ۱۲ نکاتی دستور بنا کر حکومت کو بھیجا۔ مولانا ظفر احمد عثمانی نے بھی بحیثیت صدر مرکزی جمعیت علماء اسلام ایک بیان میں اس پر صاف صاف لغتوں میں احتجاج کیا اور فرمایا :-

”میں ان کے (قائد اعظم کے) جانشین جناب لیاقت علی خاں وزیر اعظم حکومت پاکستان سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ بنیادی حقوق اور بنیادی اصولوں کی کمیٹیوں کی سفارشات قرآن و حدیث کو سامنے رکھ کر تیار کی گئی ہیں یا برطانیہ اور امریکہ کے قوانین کو؟ میں مسٹر لیاقت علی کو قائد اعظم کے اور خود ان کے وہ اعلانات اور وعدے یاد دلانا چاہتا ہوں جن میں بار بار یہ کہا گیا تھا کہ دستور پاکستان، آئین قرآن و نظام اسلام کے مطابق ہو گا۔ جمعیت علمائے اسلام ایسی سفارشات ہرگز منظور نہیں کرے گی جن میں قرار داد مقاصد اور آئین اسلامی کو نظر انداز کیا گیا ہو اس لیے جمعیت کے تمام ارکان کو اپنی اپنی جگہ ان سفارشات کے خلاف برابر احتجاج کر تے رہنا چاہیے تاکہ ان کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا جائے“

(دستوری سفارشات اور ان پر تنقید و تبصرہ ص ۵۵)

پھر ۱۹۵۳ء میں بعض ترمیموں کے ساتھ بنیادی اصولوں کی کمیٹی نے یہ دوسری رپورٹ پیش کی تو اس پر غور کرنے کے لیے ہر مکتب خیال کے علماء کو دعوت دی گئی اور اس میں سفارشات کی گئیں۔

قریب تھا کہ یہ دستور اسمبلی میں پاس ہو جائے کہ ۱۷ اپریل ۱۹۵۳ء کو دستوری روایات کے خلاف خواجہ ناظم الدین اور ان کی کابینہ کو ملک غلام محمد گورنر جنرل نے ہر طرف کر دیا جبکہ مجلس قانون ساز کی اکثریت خواجہ صاحب کے حق میں تھی مگر مسئلہ

قادیانی میں ان کی نازیبا روش کی وجہ سے پبلک ان کے خلاف تھی۔ اس بات کو گورنر جنرل نے بھانپ لیا اور موقع مناسب دیکھ کر خواجہ صاحب اور ان کی کامیابی کو برطرف کر دیا۔ اگر خواجہ صاحب نے مجلس ختم نبوت کا مطالبہ منظور کر کے چوہدری ظفر اللہ خاں کو وزارت سے الگ کر دیا ہوتا تو گورنر جنرل کا دستوری روایات کے خلاف یہ طرز عمل ہرگز کامیاب نہ ہوتا۔

مولانا کا خیال یہی ہے اور جس وقت خواجہ صاحب نے اپنے کو گورنر جنرل کے عہدہ سے اُتار کر وزارت عظمیٰ کا عہدہ قبول کیا تھا اُس وقت بھی مولانا نے اپنے دوستوں سے فرمادیا تھا کہ خواجہ صاحب نے اچھا نہیں کیا اُن کے لیے گورنر جنرل کا عہدہ ہی مناسب تھا۔ اس طرح خواجہ ناظم الدین مرحوم کے دُور میں جو اُتار دیا ہوا تھا وہ دھڑے کا دھڑا رہ گیا۔

۱۹۵۶ء کے آئین میں اگرچہ تدارد و مقاصد کے مطابق اُتار دیا گیا تھا کہ پاکستان کا کوئی قانون قرآن و سنت کے خلاف نہیں بنایا جائے گا اور مروجہ قانون میں جو قانون قرآن و سنت کے خلاف ہو گا اس کو قرآن و سنت کے موافق بنا دیا جائے گا۔ لیکن اس کے باوجود اس آئین میں بھی کئی دفعات خلاف اسلام پائی جاتی تھیں۔

علماء کرام نے جن میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی بھی شامل تھے اس آئین پر غور و خوض کیا اور اس کی مذکورہ بنیادی اس دفعہ کو کہ کوئی قانون قرآن و سنت کے خلاف نہیں بنایا جائے گا پیش نظر رکھتے ہوئے قرآن و سنت کے موافق ایسی شرعی ترمیمات پیش کیں جن کو شامل کرنے سے ۱۹۵۶ء کا یہ آئین مکمل طور پر اسلامی آئین بن جاتا تھا اسی لیے مولانا ان ترمیمات کے ساتھ ہی ۱۹۵۶ء کے آئین کی بحالی کے

حق میں تھے۔ اگر مولانا کے منشاء کے مطابق یہ آئین بحال ہو جاتا تو آج ملک کی تقسیم کے صدمہ جانکاہ سے اُمت مسلمہ دوچار نہ ہوتی۔ کیونکہ اس آئین کو جس طرح چند ترمیمات سے شرعی اور اسلامی بنایا جاسکتا تھا اسی طرح اس میں پاکستان کے مغربی اور مشرقی دونوں حصوں میں اس قدر گہرا تعلق قائم رکھنے پر زور دیا گیا تھا اور ایک دوسرے کو اس طرح مربوط قرار دیا گیا تھا کہ ایک حصہ کو دوسرے حصہ سے جدا ہونے کا تصور باقی نہیں رہتا تھا مگر پاکستان کے مخالف عناصر نے ۱۹۵۶ء کے آئین کی بحالی کو اپنے اغراض و مقاصد کے خلاف دیکھا اس لیے اس کی بحالی کے مطالبہ کی مخالفت کی اور نئے آئین کا مطالبہ کیا جس کی نتیجہ میں جو قیامت برپا ہوئی اور ملی سالمیت کو جس قدر شدید اور ناقابل تلافی نقصان نقصان پہنچا ہر محب وطن پر واضح ہے۔

۱۹۵۲ء میں جب قومی اسمبلی کی مولانا ظفر احمد عثمانی اور مسئلہ قادیانی

مبنیادی اصولوں کی کمیٹی نے پاکستان میں جداگانہ انتخاب کی سفارش کی تو اس کے منطقی نتیجہ کے طور پر ۱۹۵۳ء میں مسلمانانِ پاکستان نے حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا کہ پاکستان میں بسنے والی دوسری اقلیتوں کی طرح قادیانی گروہ کو بھی قانونی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے تاکہ ان کا شمار قانوناً مسلمانوں کی فہرست میں نہ ہو سکے اور وہ اپنے کو مسلمان کہلا کر حکومت کے عہدوں اور مسلمانوں کی انتخابی نشستوں پر اپنے حق سے زیادہ غاصبانہ قبضہ نہ کرتے رہیں۔ مولانا ظفر احمد عثمانی اس کی سرگزشت اپنی خود نوشت سوانح میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں :-

”اس سال ملت پاکستان نے مطالبہ کیا کہ ظفر اللہ خان قادیانی کو پاکستان کی وزارتِ خارجہ سے الگ کیا جائے اور قادیانیوں کو مسلمانوں سے الگ ایک اقلیت

قرار دیا جائے کیونکہ علمائے اسلام کے متفقہ فتوے سے یہ فرقہ مرتد مانا گیا ہے۔  
 اس کو مسلمان قرار دینا صحیح نہیں۔ یہ لوگ خود بھی اپنے کو مسلمانوں سے الگ ایک  
 جماعت سمجھتے ہیں چنانچہ قائد اعظم کی نماز جنازہ میں نظر اللہ خاں شریک نہیں ہوئے۔  
 اس تحریک نے زور پکڑا یہاں تک کہ ایک وفد علماء اور عمائد کا خواجہ ناظم الدین  
 صاحب سے ملا۔ پھر ایک اجتماع خصوصی حضرات علماء کا ہوا جس میں پندرہ علماء  
 کی ایک کمیٹی بنائی گئی کہ اگر حکومت نے ایک مہینہ کے اندر اندر یہ مطالبہ منظور نہ کیا  
 تو اس کے خلاف راست اقدام کیا جائے گا۔

جس کا فیصلہ اس کمیٹی کے مشورہ سے ہو گا (کمیٹی میں مشرقی پاکستان سے  
 چار پانچ علماء کو لیا گیا تھا جس میں مولانا مرحوم کے علاوہ مولانا شمس المصطفیٰ صاحب فریدپوری  
 مہتمم جامعہ اسلامیہ (ڈھاکہ) مولانا دین محمد خان صاحب ہفتی ڈھاکہ، مولانا  
 اطہر علی صاحب مہتمم جامعہ امدادیہ (کشمور گنج) اور پیر سرسینہ کا نام شامل تھا۔ اور  
 بقیہ حضرات مغربی پاکستان کے تھے۔ مگر ہوا یہ کہ مغربی پاکستان کے  
 ارکان کمیٹی نے توجہ ہو کہ راست اقدام کا فیصلہ کر لیا مگر مشرقی پاکستان کے  
 علماء سے رائے نہ لی گئی۔

لیکن اس کے باوجود بھی مشرقی پاکستان کے علمائے کرام نے اس  
 فیصلہ کی کوئی مخالفت نہیں کی اور البتہ یہ ضرور ہے کہ مشرقی پاکستان میں راست  
 اقدام شروع نہیں کیا گیا۔

اس زمانہ میں لاہور فوج طلب کر لی گئی اور مارشل لا لگا دیا گیا تھا۔  
 مسلمانوں کا بہت خون ہوا۔ اور اس کے علاوہ بہت سے لوگ جیل  
 میں بند کر دیئے گئے۔

مولانا مودودی کی گرفتاری | مولانا مودودی بھی گرفتار کئے گئے اور فوجی عدالت نے اُن کے لیے پھانسی کی سزا تجویز کر دی تو مولانا نے جامع مسجد چوک بازار (ڈھاکہ) میں عشاء کے بعد جلسہ طلب کیا اور فوجی عدالت کے اس حکم پر کٹھی نکتہ چینی کی اور کہا کہ :-

” غالباً فوجی عدالت کا بڑا افسر قادیانی ہے اسی لیے اس نے مولانا مودودی کا رسالہ ”قادیانی مسئلہ“ ضبط کرنے کا حکم دیا ہے اور ان کے لیے پھانسی کی سزا تجویز کی ہے مگر اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس مسئلہ میں سارا عالم اسلام متفق ہے۔ اگر اس بار پر مولانا مودودی کو پھانسی دی جاتی ہے تو ہم سب پھانسی پانے کو تیار ہیں“

پھر خواجہ ناظم الدین صاحب کو اسی قسم کا لمبا تار دیا گیا۔

محمد علی بوگرا سے ملاقات | مولانا لکھتے ہیں ”جلے کے بعد معلوم ہوا کہ محمد علی صاحب بوگرا درجہ اس وقت غالباً وزیر خارجہ تھے،

اپنے گھر سے کراچی جانے کے لیے ڈھاکہ آئے ہیں۔ ہم نے طے کیا کہ صبح ہی ان سے ملاقات کریں گے چنانچہ صبح کی نماز کے بعد ان سے ملنے گئے۔ موصوف بڑے تپاک سے ملے اور ملاقات کی غرض معلوم کی۔ مولانا نے کہا حکومت پاکستان ایک طرف تو یہ دعویٰ کرتی ہے کہ وہ نظام اسلام قائم کرنا چاہتی ہے اور دوسری طرف اسکا عمل یہ ہے کہ نظام اسلام کی کوشش کرنے والوں کو پھانسی دینا چاہتی ہے“

وہ کہنے لگے ”مجھے بالکل خبر نہیں میں آج ہی کراچی جا رہا ہوں اور جاتے ہی اس فیصلہ کی منسوخی کے لیے پوری کوشش کروں گا“

اگلے ہی روز خبر آگئی کہ پھانسی کی سزا کو چودہ سال کی قید میں تبدیل کر دیا گیا ہے“

نظام اسلام کانفرنس منعقد ہوئی جس میں بقول حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی پچاس ہزار علماء و مشائخ اور ایک لاکھ سے زائد لوگوں نے شرکت کی اور اس میں کھلے لفظوں میں ارباب حکومت کو بتلادیا گیا کہ :-

” پاکستان کے دستور کا کوئی بڑا کوئی گوشہ اور کوئی دفعہ اگر اسلامی نظام کے خلاف ہو تو وہ دستور ہرگز اسلامی نہ ہوگا۔ نہ کسی ایسے دستور کو قبول کیا جائیگا یہ مسلمانوں کا ایسا فیصلہ ہے جس کو منوانے کے لیے وہ ہر قسم کی قربانی دینے کیلئے تیار ہیں۔“

وزراء علماء کانفرنس میں شرکت | ابھی اس کانفرنس کے اجلاس کا تیسرا دن نہیں گزرا تھا کہ خواجہ ناظم الدین وزیراعظم

پاکستان کے دعوت نامہ جو اکابر علماء کے نام پہنچے کہ آپ جلدی کرماجی آئیں تاکہ ۲۲ نومبر ۱۹۵۲ء کو جو دستور اسمبلی میں پیش کیا جا رہا ہے اس پر غور کیا جائے۔ چنانچہ وزیراعظم کی دعوت خاص پر ۱۹ نومبر ۱۹۵۲ء کو جو علمائے کرام ان کی کوٹھی پر آئے ان میں حضرت مولانا ظفر عثمانی مرحوم بھی شریک تھے۔ مولوی تمیز الدین صدر دستوریہ، سردار عبدالرب نشتر اور دوسرے پانچ وزراء بھی پہنچ گئے۔

وزیراعظم صاحب نے کتاب و سنت کے موافق دستور مرتب کرنے کے سلسلہ میں کچھ عملی اشکالات پیش کر کے اُن کا حل طلب کیا جن کی وضاحت سردار عبدالرب نشتر اور مولوی تمیز الدین حسب ضرورت کرتے رہے اور حضرات علمائے کرام ان کا تحقیقی جواب پیش کرتے رہے اور ہر معاملہ میں وزراء کی پوری تسلی کما دی۔ اور کھلے لفظوں میں وزراء کو بتلادیا کہ اگر انہوں نے دستور اسلامی سے ایک اپنچ بھی انحراف کیا تو پاکستان میں ایک ایسا زبردست طوفان آئے گا کہ جس میں آپ کے اقتدار کی گریسیوں کا خاتمہ یقینی ہے۔

خواجہ صاحب نے یقین دلایا کہ انشاء اللہ عوام کی خواہش کے مطابق ہی دستور بنایا جائے گا اور علماء کرام کے سپیشل کمیٹی ۲۲ نکات کو پیش نظر رکھا جائے گا۔ اس کانفرنس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مجلس دستور ساز اسمبلی میں جو دستور ۲۲ نومبر کو پیش ہونا تھا وہ ۲۲ نومبر کی بجائے ۲۲ دسمبر کو پیش کیا گیا کافی حد تک اس میں اسلامی اصولوں کا لحاظ رکھا گیا تھا۔

**مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی کا اعلان** | اس دستور کے پیش ہونے پر مولانا ظفر احمد عثمانی نے ڈھاکہ

سے اعلان جاری کیا کہ اس دستور پر علماء فرداً فرداً اپنے رائے ظاہر نہ کریں۔ بلکہ وہی ۳۱ علماء جو دستور اسلامی کا خاکہ پیش کر چکے ہیں پھر کراچی میں جمع ہو کر اس پر غور کر کے اپنی رائے ظاہر کریں گے۔

**دستور پر غور میں شریعت** | ۱۱ جنوری ۱۹۵۳ء کو کراچی میں پھر ان علمائے کرام کا اجتماع ہوا جنہوں نے ۲۲ نکاتی دستوری خاکہ مرتب

کیا تھا اور اس مرتبہ مولانا ظفر احمد عثمانی سمیت ۳۲ علماء نے جمع ہو کر ۱۱ جنوری سے لے کر ۱۸ جنوری تک اپنے نو مختلف اجلاسوں میں غور و فکر کے بعد چند اہم ترمیمات کے ساتھ دستور کی تائید کر دی۔ (تعمیر پاکستان)

مگر ہوا یہ کہ غلام محمد صاحب گورنر جنرل نے ملک میں ہنگامی حالات کا اعلان کرتے ہوئے ۲۲ اکتوبر ۱۹۵۴ء کو مجلس دستور ساز کو توڑ کر آج تک اسلامی آئین کی ترتیب و تشکیل کے لیے جس قدر کوششیں ہوتی رہی تھیں ان سب پر پانی پھیر دیا۔ اور اس طرح وہ طبقہ جو اسلامی آئین کے نفاذ کا مخالف تھا اپنی ٹھنیہ دوا نیوں کے ذریعہ کامیاب و کامران ہو گیا۔ (تعمیر پاکستان)

مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی کا  
 مکتوب گرامی وزیر اعظم کے نام

مولانا ظفر احمد عثمانی اور باب اقتدار سے دور  
 رہنے کی وجہ سے کبھی ملاقات کے ذریعہ اور  
 کبھی بذریعہ خط و کتابت بہر صورت اپنا فرض  
 ادا کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ ماہ ستمبر ۱۹۵۵ء کو مولانا مرحوم نے حسب ذیل مفصل  
 مکتوب چوہدری محمد علی صاحب وزیر اعظم پاکستان کی خدمت میں روانہ کیا۔۔

”مجھے آپ کی وزارت عظمیٰ کی خبر سن کر بڑی مسرت ہوئی تھی کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ  
 آپ نے قائد اعظم اور قائد ملت مرحوم کے ساتھ کام کیا ہے اور ان کو آپ پر اعتماد تھا  
 اس لیے آپ کی وزارت عظمیٰ سے یہ امید قائم ہو گئی تھی کہ آپ ان مقاصد کو جلد از جلد پورا  
 کریں گے جن کے لیے پاکستان حاصل کیا گیا تھا مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ایک ہی  
 مہینہ کے اندر ایسی باتیں سننے میں آئیں جن سے یہ امید یاس میں تبدیل ہونے لگی اور  
 خطرناک صورتیں سامنے آنے لگیں۔ اس بنا پر جناب سے چند سوال کہنا چاہتا ہوں۔ امید  
 ہے کہ ان کے تشفی بخش جوابات سے مجھے اور ان سب مسلمانوں کو جنہوں نے قائد اعظم  
 اور قائد ملت کے وہ بیانات اور مواعید سن کر جو پاکستان بننے سے پہلے  
 دیئے گئے تھے ایک خاص نظریہ کے ماتحت سب کچھ حصول پاکستان کے لیے  
 قربان کر دیا ہے مطمئن فرمائیں گے۔

کہا یہ صحیح ہے کہ آپ کی وزارت نے جگتو فرنٹ کا یہ مطالبہ مان لیا ہے  
 کہ پاکستان میں آئندہ انتخابات مخلوط ہوں گے؟ اگر واقعی یہ تسلیم کر لیا گیا ہے تو  
 میں صاف کہہ دینا چاہتا ہوں کہ یہ اس دو قومی نظریہ یعنی ٹو نیشنری تھیوری کے بالکل  
 خلاف ہے جس پر پاکستان کی بنیاد قائم کی گئی ہے۔ کانگریس اور مسلم لیگ کی جنگ  
 مخلوط اور جداگانہ انتخاب ہی کی جنگ تھی دو قوموں کے نظریہ کی جنگ تھی اسی بنیاد

پر پاکستان قائم ہوا۔

حیرت ہے کہ وزارت نے سب سے پہلا حملہ پاکستان کے بنیادی نظریہ ہی پر کیا ہے۔ غالباً جناب نے اس کے عواقب میں بھی غور نہیں فرمایا کہ دراصل مخلوط انتخابات کا مطالبہ مشرقی پاکستان کے ہندوؤں کا مطالبہ ہے۔ چونکہ الیکشن میں جگہ فریٹ کو مسلم لیگ کے مقابلہ میں ہندوؤں کی امداد نے کامیاب کیا تھا۔

اس لیے لامحالہ ہندوؤں کے بعض مطالبات ان کو اپنے اہم نکاتی پروگرام میں شامل کرنے پڑے۔ مشرقی پاکستان کا ہندوؤں کی تعداد سو کروڑ کے قریب ہے مخلوط انتخاب اس لیے چاہتا ہے کہ شیڈول کاسٹ ہندو پاکستان کی اسمبلی میں نہ آسکیں۔ اُونچی ذات کے ہندو ہی ان کی سیٹوں پر قابض ہو جائیں۔ نیز وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ پاکستان اسمبلی میں مسلمان بھی ایسے پہنچیں جو ہندوؤں کی ہاں میں ہاں ملانے والے ہوں۔ مخلوط انتخاب کی صورت میں مسلمان ممبروں کو اپنی کامیابی کے لیے ہندوؤں کے ووٹ کی بھی ضرورت ہوگی۔ اور اس کا لازمی نتیجہ یہی ہوگا کہ اسمبلی میں وہی مسلمان زیادہ آسکیں گے جو ہندوؤں کے غیر اسلامی نظریات کو پاکستان میں فروغ دینا چاہیں گے۔ پھر مخلوط انتخاب میں جب ہندو مسلمان تین باقی نہ رہے گی تو پاکستان ایک حقیقی اسلامی ملک ہرگز نہیں بن سکتا۔ اس لیے ایسی غلطی ہرگز نہ کی جائے جسب دستور سابق انتخابات جداگانہ ہی ہونے چاہیں ورنہ آپ کی وزارت آپ کے پیٹر و محمد علی کی وزارت سے بھی زیادہ بدنام ہو جائے گی۔ ان کی غلط سیاست نے تو مسلم لیگ کو مشرقی بنگال میں ختم کیا تھا اور اگر آپ نے مخلوط انتخاب مان لیا تو آپ پاکستان کی بنیاد ہی ختم کر دیں گے۔

۲۔ کیا یہ صحیح ہے کہ جگتوفرٹ کے لیڈروں کو "مشرقی پاکستان" نام پسند نہیں؟ وہ اس کا نام "مشرقی بنگال" رکھنا چاہتے ہیں۔ اگر یہ واقعہ ہے تو جن لوگوں کو پاکستان کا نام بھی پسند نہیں ان کو اپنا پاکستانی ہونا کیسے پسند ہوگا؟ پھر ان کو پاکستان کی سالمیت سے کیا دل چڑی ہو سکتی ہے؟

یہ تو ان مسلمان لیڈروں کا حال ہے جو مخلوط انتخاب سے نہیں بلکہ صرف ہندوؤں کی امداد سے کامیاب ہو کر اسمبلی میں آئے ہیں اسی سے اندازہ کر لیا جائے کہ جو مسلمان ہندوؤں کے ووٹ سے کامیاب ہو کر آئیں گے وہ کیا کچھ ہوں گے؟ پھر جس ملک کا مشرق نہ رہا اس کے مغرب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تو مغربی پاکستان کا نام بھی ختم ہوا تو کیا ایسے ہی ممبروں سے مل کر آپ اسلامی دستور بنائیں گے جس کا وعدہ آپ نے وزارت عظمیٰ کی کمرسی سنبھالتے ہی قوم سے کیا ہے؟

۳۔ کیا یہ صحیح ہے کہ ہندو ممبران اسمبلی نے یہ بھی مطالبہ کیا ہے کہ پاکستان کے نصاب تعلیم سے اسلامیات کا مضمون حذف کر دیا جائے؟ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ پاکستان میں وہی نصاب تعلیم چاہتے ہیں جو انگریز کے زمانہ میں تھا۔ مسلمان اس کو ہرگز برداشت نہیں کر سکتے۔ پاکستان کی ہندو اقلیت کو اچھی طرح معلوم ہے کہ انڈین یونین کا قیام تو ہندو اور نیشنلسٹ مسلمانوں کی ملی جلی کوششوں سے وجود میں آیا ہے لیکن پاکستان کا وجود خالص مسلمانوں کی مساعی اور قربانیوں سے عمل میں آیا ہے۔ ان کو یہ بھی معلوم ہے کہ قیام پاکستان سے پہلے قائد اعظم اور دیگر زعماء مسلم لیگ کے اعلانات برابر اس قسم کے ہوتے رہے ہیں کہ مسلمان اپنے لیے ایک قطعہ زمین الگ اس لیے چاہتے ہیں کہ وہاں اسلامی احکام جاری

کر کے مسلمان اسلامی زندگی بسر کر سکیں اور ان کا مذہب، تمدن، کلچر، ثقافت اور زبان محفوظ رہے۔ پاکستان بننے کے بعد قرارداد مقاصد میں اس حقیقت کو اچھی طرح سے واضح کر دیا گیا ہے۔ اب اگر ایسی سیدھی اور صاف بات کو بھی بھلا دیا جائے تو اس کا کچھ علاج کسی کے پاس نہیں۔ جناب والا! اگر ہندوؤں کے اس مطالبہ کو مان کر قرارداد مقاصد کے خلاف راہ عمل اختیار کی گئی تو مسلمان یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ موجودہ دستور یہ نمائندہ اسمبلی نہیں ہے۔ کیونکہ اسمبلی محض اس وجہ سے کہ مرکزی وزارت کا قیام جلیو فرٹ کے اتحاد کا مرہون منت ہے پاکستان کے بنیادی نظریات کو پامال کرنے لگے اس کو کوئی مسلمان بھی نمائندہ نہیں مان سکتا۔ امید ہے جناب والا ان سوالات کے تشفی بخش جوابات سے بہت جلد مسلمانوں کو مطمئن فرمائیں گے۔ ورنہ آپ یقین جانیں کہ پاکستان کی سالمیت کو سخت خطرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ پاکستان کو تمام آفات سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

ظفر احمد عثمانی نائب شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی شیخ الحدیث

دارالعلوم اشرف آباد ٹیڈو اللہ یار سندھ۔

یہ تاریخی خط اس گروہ کے ایک ممتاز فرد کا ہے جس کے متعلق مودودی صاحب اور ان کی جماعت کے صحائف کا فتویٰ یہ ہے کہ:

”وہ عوام سے بہت حد تک لا تعلق رہتے ہیں۔ انہیں دنیا کے موجودہ حالات اور وقت کے تعاضفوں کا کوئی علم نہیں ان کا طرز استدلال زمانہ کے ذہن سے بہت پیچھے ہے اور وہ علم انوں کے ہاتھوں کھیل رہے ہیں۔“

(اب یہ فیصلہ ناظرین کے ہاتھوں میں ہے کہ جماعت اسلامی کے سربراہ کا یہ فتویٰ صحیح ہے یا غلط؟ دیانت دارانہ ہے یا معاندانہ؟

وزیر اعظم کا جواب | مولانا عثمانی مرحوم کے مذکورہ بالا خط کا حسب ذیل جواب موصول ہوا :-

۸ اکتوبر ۱۹۵۵ء

پاکستان سیکرٹریٹ کراچی

کرم فرمائے بندہ !

اسلام علیکم ! حسب ہدایت عزت مآب وزیر اعظم صاحب آپ کے کرم نامہ اور سوالنامہ کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے ، اطلاعاً عرض ہے کہ پاکستان کے نصاب تعلیم سے اسلامیات کا مضمون حذف کرنے کی خبر بالکل بے بنیاد ہے اور رقم کردہ سوالات نمبر ۱ و نمبر ۲ زیر غور ہیں ۔ فقط آپ کا خادم

صدیق علی خاں محمد سیاسی وزیر اعظم پاکستان

مکتوب ثانی | مولانا عثمانی نے مذکورہ بالا خط کا فوراً یہ جواب وزیر اعظم پاکستان کو ۱۰ اکتوبر ۱۹۵۵ء کو بھیجا :-

مکرمی المحترم دام اقبالہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ !

میرے سریفینہ کے جواب میں گرامی نامہ مورخہ ۸ اکتوبر ۵۵ء و پرائیویٹ سیکرٹری کے قلم سے موصول ہو کہ موجب عزت ہوا ۔ بہت بہت شکریہ ! میں نے اخبار الجماعت کراچی اور اخبار تنسیم لاہور میں پڑھا تھا کہ صوبائی اسمبلی کے ہندو ممبران مشرقی پاکستان میں یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ پاکستان کے نصاب تعلیم سے دینیات کا مضمون حذف کر دیا جائے اندیشہ ہے کہ جگتو فرنیٹ کے ممبروں سے ساز باز کر کے صوبہ میں وہ کامیاب ہو جائیں گے ۔

میرے سوال نمبر ۱ و نمبر ۲ کے بارہ میں تحریر فرمایا گیا ہے کہ وہ زیر غور ہیں ۔

مکہ ما ! یہ دونوں مطالبے ہرگز اس قابل نہیں کہ ان پر غور کیا جائے ان کو فوراً رد کر دینا

چاہیے۔ آخر میں ایک بات اور عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ قاعدہ مسلم ہے کہ جب کوئی چھوٹی سلطنت کسی بڑی سلطنت کے ساتھ اپنے کو وابستہ کر دیتی ہے اور اس کے قوانین اپنے یہاں رائج کر دیتی ہے تو بڑی سلطنت کی قوت اور مدد اس کے ساتھ ہو جاتی ہے جب تک مسلمانوں کے دن اچھے تھے تو انہوں نے اپنی سلطنت کو سب سے بڑی سلطنت یعنی حکومت الہی کے ساتھ وابستہ کر دیا تھا اس کے قوانین اپنے یہاں رائج کر دیئے تھے اس کا نتیجہ یہ تھا کہ غیبی طاقت ان کے ساتھ تھی اور یہ ہر مرحلہ میں بڑی سے بڑی طاقت کے مقابلہ میں کامیاب تھے۔ یہی اب کیا جائے تو غیبی امداد آپ کے ساتھ ہوگی۔

پاکستان اس وعدے پر اس مقصد کے لیے حاصل کیا گیا تھا کہ اس کو ایک مثالی مملکت بنایا جائے گا۔ مگر افسوس! یہ وعدہ اب تک ثمر مندہ ایسا نہیں ہوا بلکہ مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ دیانت و امانت، خدا ترسی و پرہیز گاری اور اخلاقی معاشرتی پہلو سے اس وقت پاکستانی مسلمان بجائے ترقی کے بہت تنزل کی طرف جا رہے ہیں۔ ضرورت ہے کہ اس وعدہ اور مقصد کو جلد سے جلد پورا کیا جائے۔ ورنہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ قدرت کی طرف سے کس طرح بار بار ہم کو متنبہ کیا جا رہا ہے۔ ہر سال سیلاب وغیرہ سے اس قدر نقصان پاکستان کو پہنچتا ہے کہ اس کی ساری ترقی خاک میں مل جاتی ہے۔ قدرت ہم کو خبردار کرتی ہے کہ کافروں کے طریقہ پر ترقی کرو گے تو حق تعالیٰ ساری ترقیوں کو ذرا سی دیر میں ملیا میٹ کر کے رکھ دے گا۔

اسلامی مملکت کی ترقی کا ایک ہی راستہ ہے کہ اپنے کو حکومت الہیہ سے وابستہ کر کے خدائی قانون اپنا کر ترقی کرے الذین ان مکناہم فی الارض - اللہ ہی کے ہاتھ میں تمام معاملات کا انجام ہے اس سے مسلمانوں کو وابستہ ہونا چاہیئے اُمید

ہے کہ ان معروضات پر غور فرمایا جاوے گا۔

اللہ تعالیٰ آپ کی وزارت کو استحکام و قوت عطا فرمائے اور آپ کے ذریعہ سے پاکستان میں دستور اسلامی و قانون شرعی جلد سے جلد نافذ ہو جائے تاکہ وہ صحیح معنوں میں ایک مثالی اسلام کی سلطنت بن جائے۔ والسلام مع الاحترام  
ظفر احمد عثمانی (تعمیر پاکستان)

تقریباً ایک ماہ کے بعد کراچی میں چوہدری محمد علی وزیر اعظم پاکستان نے سیرت کے جلسہ میں ایک اہم تقریر فرمائی جس کا ریکارڈ ریڈیو پاکستان سے نشر کیا گیا۔ اس میں وزیر موصوف نے امت مسلمہ کو اسوۂ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دی تھی، مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی پر اس تقریر کا یہ ردِ عمل ہوا کہ انہوں نے اسی وقت وزیر اعظم کو ایک تبلیغی خط لکھا اور انہیں اپنے کہنے پر عمل کی ترغیب دی۔

وزیر اعظم کے نام مولانا عثمانی کا تبلیغی مکتوب گرامی | محترم المقام !  
السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

میں نے ۱۲ ربیع الاول کو آپ کی تقریر دلپذیر کاریکار ڈسٹنا جو آپ نے جلسہ سیرت کراچی میں کی تھی۔ ماشاء اللہ بہترین تقریر تھی۔ مگر دل یہ چاہتا ہے کہ تقریر سے زیادہ آپ کی حکومت کا عملی کارنامہ سامنے آئے۔ اس میں کیا شبہ ہے کہ اگر مسلمان اپنے رسول کی سیرت پر عمل پیرا ہو جائیں تو کوئی طاقت ان کو شکست نہیں دے سکتی۔ لیکن ضرورت اس کی ہے کہ وزیر اعظم اور ان کی حکومت ایسا رویہ اختیار کرے جس سے قوم خود بخود اسوۂ رسول پر چلنے لگے۔

مثال کے طور پر تمام خرافات بند کر دی جائیں جن سے مسلمانوں کے اخلاق و اعمال خراب ہوتے ہیں۔ جیسے شراب کی خرید و فروخت، سینما، جوا بازی، رنڈی خانے،

فخس لٹریچر وغیرہ یک لخت بند کر دیئے جائیں۔ دستور اسلامی کا جتن حصہ، ناظم الدین بی پی سی رپورٹ میں طے ہو چکا ہے اس کو بحال رکھا جائے صرف اس کی خامیاں دور کر دی جائیں، جو ترمیمات علماء سے معلوم ہو سکتی ہیں، عدالتوں میں بہت جلد شرعی قانون نافذ کیا جائے جو فتاویٰ عالمگیری کی صورت میں پہلے سے موجود ہے۔ جس کا اگر تیری ترجمہ ہو چکا ہے۔ نصاب تعلیم میں دینیات و اخلاق کی تعلیم پر زور دیا جائے مجھے اخبارات میں یہ معلوم کر کے بہت دکھ ہوا کہ اسلامی دستور کا جو مستودہ آپ کی حکومت قوم کے سامنے لانے والی ہے اس میں سے رہنما اصول کا باب نکال دیا گیا ہے قرارداد مقاصد بھی بدل دی گئی ہے اور وہ دفعات بھی نکال دی گئی ہیں جن میں کتاب و سنت کی پابندی کو تمام قوانین میں لازم کیا گیا ہے۔ صدر جمہوریہ کے لیے اسلام کی شرط نہیں رکھی گئی۔ اگر آپ کی حکومت کا کارنامہ یہی ہو گا تو سیرت پر تقریر کرنا محض بے کار ہے۔

آپ کو سوچنا چاہیے کہ اس وقت پاکستان سخت نازک دور سے گزر رہا ہے۔ مخالف طاقتیں سر اٹھا رہی ہیں۔ اس وقت حکومت کو اللہ کی مدد اور قوم کے تعاون کی سخت ضرورت ہے۔ اگر دستور پاکستان کا نمونہ وہی ہو گا کہ جو اخبارات سے معلوم ہوا ہے تو نہ خدا کی مدد آپ کے ساتھ ہو گی نہ قوم کا تعاون حاصل ہو گا۔ بلکہ اندیشہ ہے کہ پہلے سے زیادہ انتشار پیدا ہو جائے گا۔ ہم نے پاکستان اس لیے نہیں حاصل کیا تھا کہ اس میں غلط انتخاب رائج کر کے دوقومی نظریہ کو باطل کر دیں جو پاکستان کی بنیاد ہے اور اس کا دستور بھی سیکولر بنائیں۔ اُمید ہے کہ ان حقائق کو نظر انداز نہ کیا جائے گا۔“

(ظفر احمد عثمانی)

مولانا کی یہ مخلصانہ اور حکیمانہ ترغیب بھگواندہ ثبوت ہوئی اور چوہدری محمد علی صاحب وزیر اعظم نے اس مکتوب گرامی کا جواب اپنے قلم سے حسب ذیل دیا:

”محترمی السلام علیکم!

آپ کے گرامی نامہ کا شکریہ! جو مشورے آپ نے دیئے ہیں ان پر حتی الوسع عمل پیرا ہونے کی کوشش کروں گا۔ والسلام“

مخلص محمد علی (تعمیر پاکستان ص ۲۶۶)

وزیر اعظم کے خطوط سے حضرت مولانا کے خدشات کی تصدیق ہو رہی ہے۔ کیونکہ ان خطوط میں جس طرح نصاب تعلیم سے اسلامیات کے مضمون کو حذف کر دینے والی خبر کی تردید کہ دی گئی تھی اسی طرح اخبارات کی دوسری اطلاعات کی تردید نہیں کی گئی تھی۔ اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا مرحوم دور دراز مسجدوں اور مدرسوں میں رہنے کے باوجود حالات زمانہ اور رفتار و اوقات سے بے خبر نہیں رہتے تھے۔ بلکہ درس و تدریس وغیرہ کی علمی مصروفیات کے ساتھ ساتھ ان کی چشم بصیرت و فراست پیش آمدہ واقعات کا بھی جائزہ لیتی رہتی تھی اور مودودی صاحب اپنی جماعت سمیت عوام میں جو ان علماء ربانی کی عظمت اور اہمیت گھٹانے میں مشغول تھے جو آئین اسلامی کے لیے مخلصانہ اور بے غرضانہ جدوجہد میں مصروف تھے اور ان کے خلاف یہ صالحانہ پراپیگنڈہ کر رہے تھے کہ ”یہ لوگ دنیا کے موجودہ حالات، تقاضوں اور عوام سے بہت حد تک لاتعلق ہیں“ (الاعتصام ۲۲ جولائی ۱۹۵۵ء) ان کا طرز استدلال زمانہ سے بہت پیچھے ہے اور وہ حکمرانوں کے ہاتھوں کھیل رہے ہیں“ مولانا ظفر احمد عثمانی مرحوم کے ان پُر تاثیر تاثر ناطقہ خطوط نے اس پراپیگنڈہ کی قلعی کھول کر رکھ دی اور واضح کر دیا کہ مودودی صاحب علامہ کرام کے خلاف نفرت و حقارت کے جذبات پیدا کرنے کی بو

کوشش کر رہے تھے وہ خود غرضی پر مبنی ہے اور علمائے کرام فی الواقع ایسے نہیں تھے جیسا کہ ان کو ظاہر کیا جا رہا تھا بلکہ ان کی فراست ان کی بصیرت آنے والے واقعات کو پہلے سے تاثر لیتی تھی۔ ان کی نظر ہر وقت واقعات کی رفتار پر رہی ہے اور وہ تعمیری جدوجہد میں مصروف رہے ہیں۔ بخلاف مودودی صاحب کے کہ وہ اپنی انفرادیت پسندی کے ماتحت ہمیشہ علماء سے الگ رہنے کی کوشش میں مصروف رہے اور علماء کے خلاف پردہ پگینڈا کرتے رہے اور اپنی تجربی کارروائیوں کی وجہ سے حکومت کے کام میں بھی رکاوٹ ڈالتے رہے ہیں۔

**لاء کمیشن کی ممبری** | جب چوہدری محمد علی وزیر اعظم کی کوششوں کے نتیجہ میں ان کے پیش کردہ دستور کو ۲۹ فروری ۱۹۵۶ء کو ذرات کے ۱۲ بجے

دستور ساز اسمبلی نے منظور کر لیا اور اس کی رو سے صدر پاکستان کی طرف سے ایک ایسے قانونی کمیشن کا تقرر لازمی تھا جو اسمبلی کو تدریجی طور پر اسلامی قوانین بنانے کے لیے سفارش کرتا رہے تو اس کی ممبری کے لیے اعزازی طور پر حضرت مولانا مرحوم کو بھی منتخب کیا گیا تھا۔ حضرت مولانا مرحوم نے اس کے متعدد اجلاسوں میں شرکت فرما کر اراکین لاء کمیشن کی دینی رہنمائی کا فرض انجام دیا۔

اس کمیشن کی افادیت کے بارے میں اسحق کے خدشہ ظاہر کرنے پر حضرت مولانا مرحوم نے ارقام فرمایا:-

”کہ ہایہ کہ اس کمیشن سے اچھے نتائج برآمد ہونے کی امید ہے یا نہیں تو اس سے زیادہ نہیں کہ موجودہ قوانین کو موافق شریعت بنانیکا طریقہ بتلادیا جائے کہ اس قانون کو اس طرح نہیں اس طرح کہ دیا جائے اُسے حکومت عمل کرے گی یا نہیں اسکا مدار حکومت پر ہے لچھے ہو تو عمل ہو گا ورنہ قانون کا غد ہی میں رہے گا۔“ (۷۶۱ ج ۲)

جمعیت علماء اسلام کی تشکیل نو | یہ بات کسی سے مخفی نہیں ہے کہ تقسیم ہند سے پہلے علماء کی دو بڑی طاقت و تنظیمیں سرگرم عمل

تھیں۔ ایک کانگریس اور متحدہ قومیت کی حامی جمعیت علماء ہند تھی اور دوسری جڈاگانہ نظریہ قومیت کی داعی جمعیت علماء اسلام، مسلم لیگ اور نظریہ پاکستان کا ساتھ دے رہی تھی۔ پہلی جماعت کے سربراہ مولانا حسین احمد مدنی، مہاجر مدنی اور ان کے رفقاء تھے اور دوسری جماعت کی تائید میں مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا ظفر احمد عثمانی اور سید سلیمان ندوی کے علاوہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے متوسلین اور دوسرے جُملہ خلفاء حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ، حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ جالندھریؒ وغیرہم تھے۔

تقسیم ہند کے بعد جب پاکستان بن گیا اور دنیا کے نقشہ پر مسلمانوں کی سب سے بڑی مملکت وجود میں آگئی تو اس بات کی شدت سے ہزرت محسوس کی گئی کہ تقسیم ملک سے پہلے نظریہ پاکستان کی حمایت و مخالفت کی بنیاد پر جو علماء کی لیگی اور کانگریسی دو قسموں میں تقسیم ہو رہی تھی اب اس کو ختم کر دیا جائے اور اس خداداد مملکت کو ایک خالص اسلامی ملک بنانے کی کوشش میں سب متحد ہو جائیں۔ اب جب کہ ایک اسلامی مملکت وجود میں آچکی ہے اور وہ اختلافی مسئلہ بھی طے ہو گیا ہے کہ ہندوستان منقسم ہو یا متحد ہے تو اب علماء میں اس گمراہ بندی اور نظریاتی تقسیم کا کوئی جواز باقی نہیں رہا اور پاکستان کے قائم ہو جانے کے بعد پاکستان میں کانگریس کے نظریہ متحدہ قومیت کی حمایت اور پرچار کرنے کی ہرگز کوئی گنجائش نہیں رہی۔

چنانچہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے پاکستان کے ان علماء کرام کو جو پہلے

کاغذس کے حامی تھے اور جمعیت علمائے ہند سے تعلق رکھتے تھے، جمعیت علمائے اسلام سے مل کر کام کرنے اور پاکستان کو ایک خالص اسلامی مملکت بنانے کی جدوجہد میں شریک ہونے کی دعوت دی۔ اگرچہ اس وقت مولانا احمد علی صاحب لاہوری نے یہ عذر کر کے جمعیت علماء اسلام کو پاکستان میں منظم کرنے سے پہلو تہی کی اور صرف تعاون کرنے پر اکتفا کیا کہ ہم سابق کانگریسیوں کا میدان میں آنا ٹھیک نہیں ہے۔ آپ حضرات اس نیک کام کو جاری رکھیں ہم لوگ آپ کی ماتحتی میں کام کرینگے۔ ہمیں حضرت مدنیؒ کا یہی حکم ہے کہ آپ لوگوں سے تعاون کیا جائے۔“

مگر دوسرے بہت سے وہ دینی افراد اور علماء کرام جو پہلے پاکستان کے مخالف تھے اس پر آمادہ ہو گئے اور یقیناً ان میں سے بہت سے افراد نے اپنے ذہن کو پاکستان کے وجود سے ہم آہنگ کر کے اخلاص کے ساتھ حضرت مولانا عثمانی سے تعاون شروع کر دیا تھا۔

قیام پاکستان کے بعد حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ صرف تین سال بقید حیات رہے اور ۱۹۴۹ء میں حضرت علامہ کا انتقال ہو گیا۔ جمعیت علماء اسلام کی جدید تشکیل بشمول ان علماء کے جو پہلے جمعیت علمائے ہند سے تعلق رکھتے تھے۔ اور نظریہ پاکستان کے مخالف تھے، عمل میں آئی۔ پہلے کہ اچی میں جمعیت علماء اسلام قائم ہوئی حضرت مولانا احتشام الحق صاحب مقالوی صدر منتخب ہوئے پھر کل پاکستان کی بنیاد پر اس تنظیم کو قائم کیا گیا اور حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب کے مکان پر اجتماع ہوا۔ اس میں علامہ سید سلیمان ندویؒ، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا احمد علی لاہوریؒ، مولانا شبیر محمد صاحب سندھی، مولانا احتشام الحق مقالوی، مولانا متین خطیب اور مولانا داؤد غزنویؒ شریک تھے۔

اس اجتماع میں مولانا مفتی محمد حسن صاحب کو جمعیت علماء اسلام کا امیر بنایا گیا مولانا احمد علی لاہوری اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کو نائب امیر منتخب کیا گیا اور مولانا محمد متین خطیب ناظم مقرر ہوئے۔

اس اجتماع میں اگرچہ نظریہ پاکستان کے حامی علماء کے ساتھ ایسے علماء کو بھی شریک کیا گیا تھا جو پہلے نظریہ پاکستان کے حامی نہیں تھے مگر اُن کے بیانات سے اُن کے بارے میں یہی گمان پیدا ہو چلا تھا کہ انہوں نے پاکستان بن جانے کے بعد نظریہ پاکستان کو قبول کر لیا ہے۔

قیام پاکستان کے بعد بھی ۱۹۴۹ء تک علامہ بشیر احمد عثمانی رحمہ اللہ علیہ نے اپنی علالت اور ضعف کے باوجود اسلامی دستور کے لیے فضا ہوار کمنے کی خاطر مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے دورے کئے اور ہر جگہ دینی عناصر اور علمائے کرام کو پاکستان میں اسلامی نظام کی سعی کے لیے تیار کیا۔ اور مستر ارداد مقاصد کو اسمبلی میں منظور کرانے کے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی مرحوم رحمۃ اللہ علیہ کی مساعی جمیلہ تادیخ دستور اسلامی کا ایک سنہرا کارنامہ ہے۔

مشرق پاکستان میں مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تقریروں کے ذریعے اور عمائد و زعماء مسلم لیگ سے ملاقات کر کے اس دستور اسلامی کے سلسلہ میں جو سعی بلیغ فرمائی اس کا مختصر سا خاکہ اوپر گزرا چکا ہے۔

مرکزی جمعیت علماء اسلام کا احیاء اور ۲۲ اگست ۱۹۶۹ء کو کراچی میں مشرقی اور مغربی پاکستان کے مقتدر علماء کرام مولانا کا بر حشیت امیر علی جدوجہد فرمانا

مجلس شوریٰ کا اجتماع ہوا جس میں مرکزی جمعیت علماء اسلام کا احیاء عمل میں آیا۔ اور مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کو جمعیت کا امیر منتخب کیا گیا۔ انتہائی ضعف اور پیرائے سالی کے باوجود محض سوشلزم اور دوسرے لادینی نظریات کا مقابلہ کرنے کے لیے آپ نے یہ ذمہ داری قبول فرمائی۔ چنانچہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے اہم مقامات پر جمعیت کے خصوصی اجتماعات اور جلسوں میں جہاں تک ممکن ہوا آپ بنفس نفیس شرکت فرماتے رہے۔ چنانچہ، ستمبر اور ۸ ستمبر ۱۹۶۹ء کو لاہور میں شہریان لاہور کی طرف سے مرکزی جمعیت کے امیر اعلیٰ اور ممتاز رہنماؤں کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا گیا جس کی تفصیل ہفت روزہ "زندگی" نے بایں الفاظ پیش کی ہے :-

”۸ ستمبر کو پاک لٹری ہوٹل کے لان میں، رانا نذر الرحمن انجنیئر آرٹسٹ میں معروف تھے لان کچا کچ بھرا تھا۔ صوفوں کی ایک لمبی قطار میں علماء کرام بیٹھے تھے مولانا ظفر احمد عثمانی، مفتی محمد شفیع، مولانا اظہار علی، مولانا احتشام الحق متھانوی، مولانا صدیق احمد، مولانا نور احمد، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، شہر علم بسا تھا۔

مرکزی جمعیت علماء اسلام کے رہنما کراچی، اکٹھے ہوئے وہاں سے لاہور پہنچے تاکہ عوام کو فکری اور مذہبی رہنمائی مہیا کریں اور سوشلزم کے خلاف جہاد کی ترغیب دے سکیں۔ رانا نذر الرحمن نے خوب دھڑلے داد سپاسنامہ پڑھا۔ کانگریسی مولویوں کے لئے لیے اور سوشلسٹوں کی دھمکتی رگ پر ہاتھ رکھا۔ اس کے بعد مولانا

ظفر احمد عثمانی نے خطاب کیا۔

نحیف وضعیف مولانا عثمانی حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کے بھانجے اور مولانا شبیر احمد عثمانی کے دست راست ہیں۔ مولانا شبیر احمد عثمانی کے ساتھ پاکستان کا علم بلند کیا۔ اُس وقت ایسے وضعیف نہ تھے۔ اب عالم پیری میں پھر نظریہ پاکستان کا دفاع کرنے نکلے ہیں۔ پہلے غیروں سے مقابلہ تھا اب اُستین کے سانپوں کو مارنا ہے مرحلہ سخت ہے لیکن اُنہیں جان عزیز نہیں ۱۱

پھر ۱۶ مئی ۱۹۷۰ء کو لاہور کے جلسہ عام میں جو موچی دروازہ کے میدان میں منعقد ہوا تھا جلسہ کی صدارت اور مرکزی جمعیت کے نئے پرچم کی رسم پرچم کشائی بھی مشرقی و مغربی پاکستان کے علماء کرام کی موجودگی میں حضرت مولانا مرحوم نے انجام دی تھی۔ اس کے علاوہ پشاور، کوہاٹ، بنوں اور حیدرآباد کے مقامات پر جلسہ ہائے عام میں آپ کی شرکت بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ آپ نے ان مقامات پر جلسہ ہائے عام سے خطاب فرمایا اور عامۃ المسلمین کو سوشلزم اور دوسرے لادینی نظریات کے خطرناک نتائج سے آگاہ فرمایا۔

۱۸ جنوری ۱۹۷۰ء کو پلٹن میدان ڈھاکہ میں جماعت اسلامی کے جلسہ عام میں ہنگامہ آرائی کے بعد مشرقی پاکستان میں عام طور پر یہ تاثر قائم ہو رہا تھا کہ اب ڈھاکہ میں اسلامی نظام کی حامی کوئی سیاسی جماعت جلسہ عام نہیں کر سکے گی لیکن اس کے صرف ایک ہفتہ بعد یعنی ۲۲ جنوری کو مرکزی جمعیت علمائے اسلام کے زیر اہتمام ریس کورس میدان میں ایک عظیم الشان جلسہ عام کا اہتمام کیا گیا جلسہ میں کم از کم ڈیڑھ لاکھ افراد شریک تھے جس میں آخر تک سکون قائم رہا۔ نہ کسی شخص نے کوئی اعتراض کیا نہ کوئی مخالفت نعرہ لگایا گیا۔ یہ جلسہ بھی حضرت مولانا مرحوم کی

صدارت میں ہی منعقد ہوا تھا اور اس میں آپ نے خطاب بھی فرمایا تھا۔ اور مولانا احتشام الحق تھانوی نے بھی اس جلسہ میں تقریر کی تھی۔

درحقیقت مولانا احتشام الحق تھانوی اس وقت مرکزی جمعیت علماء اسلام کے امیر اعلیٰ مولانا ظفر احمد عثمانی کی قیادت میں دہلی کے دارالاداکمہ رہے تھے جو قیام پاکستان کی جدوجہد میں مولانا ظفر احمد عثمانی نے مولانا شبیر احمد عثمانی کی قیادت و نیابت میں ادا کیا تھا۔ مولانا شبیر احمد عثمانی جمعیت علماء اسلام کے صدر اور قائد تھے مگر بوجہ ضعف مرض نہ زیادہ کام کے متحمل نہیں تھے اس لیے عملی طور پر تمام کام مولانا ظفر احمد عثمانی انجام دیتے تھے اور اس وقت مولانا ظفر احمد عثمانی ضعیف العمر تھے تو مولانا احتشام الحق تھانوی نے ملک کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک طوفانی دورہ کر کے اعلانِ حق کا فرض انجام دیا اور حق نیابت ادا کر دکھلایا۔ مولانا مرحوم نے بھی اپنی قوت سے بڑھ کر اظہارِ حق میں حصہ لیا اور بے انتہا ضعف کے باوجود طویل طویل سفر کر کے مشرق و مغرب میں دائے عامہ کو اسلام کے حق میں ہموار کرنے کی جدوجہد میں بھرپور عملی حصہ لیا۔ اس عملی جدوجہد کے علاوہ مختلف فتاویٰ اور موقع بموقع حسب ضرورت بیانات کے ذریعے بھی مسلمانوں کی رہنمائی فرماتے رہے۔ جو اس وقت مختلف اخبارات اور رسائل میں شائع ہوتے رہتے تھے۔

۱۱۳ علماء کا فتوے | سوشلزم اور سرمایہ داری نظام کے خلاف اسلام ہونے کے بارہ میں جب اس عنوان سے فتوے

دیا گیا تو اس پر بھی حضرت مولانا مرحوم کے دستخط ثبت تھے۔

اخبارات میں سوشلزم کے کفر ہونے کا یہ فتوے شائع ہوتے ہی

رائے عامہ پر اس کا خاطر خواہ اثر ہونے لگا تو اس کے ردِ عمل کے طور پر فتوے دینے والے علمائے حق کے خلاف ملک کے سوشلسٹ اور نیشنلسٹ عناصر سب سے زیادہ ناراض اور بغض نظر آئے اور ایسا ہونا ہی چاہیے تھا اس لیے کہ قرآن و سنت کی صحیح تشریح اور علمائے حق کے صحیح فتاوے ہر دور میں حق و باطل کے لیے کسوٹی ثابت ہوتے رہے ہیں جس سے باطل اور غلط عناصر ہمیشہ ہی گھبراتے اور شور مچاتے رہے ہیں۔ ایسے عناصر کی طرف سے علماء حق کے خلاف نہ ہر افشانی اور الزام تراشی غیر متوقع نہیں تھی۔ مگر اس فتوے پر بعض دینی افراد اور جماعتوں کا دادیلا اور چیخ و پکار کرنا بڑا ہی تعجب خیز اور معنی خیز تھا۔ یہاں تک کہ بعض دینی جماعتوں کے سربراہ اور وہ افراد نے اس گھبراہٹ میں راولپنڈی سے ایک مشترکہ بیان کے ذریعے ان فتوے دینے والے ۱۱۳ علماء کبھیلات قانونی کارروائی کرنے اور مارشل لا کے تحت سزا کا مطالبہ بھی کر ڈالا تھا۔

معاشی اصلاحات کا ۲۲ نکاتی مختصر خاکہ | سرمایہ دارانہ نظام کی ستانی ہوئی دنیا کو اس زمانے میں

سوشلسٹ عناصر نے یہ فریب دینے کی کوشش کی ہے کہ ان کی معاشی مشکلات کا حل اسلام میں نہیں بلکہ سوشلزم میں ہے۔ علمائے کرام کی طرف سے سوشلزم کے گھر ہونے کا فتوے ملک میں شائع ہوا تو اسلامی نظام اور تعلیمات سے ناواقف نوجوانوں کے دلوں میں یہ سوال پیدا ہوا کہ اسلامی نظام میں غریبوں کی موجودہ مشکلات کا حل کیا ہے؟ اس لیے علماء حق نے اسلامی معاشی اصلاحات کے متعلق متفقہ مختصر خاکہ پیش کیا۔ یہ پورا خاکہ مرکزی جمعیت علمائے اسلام کے ہفت روزہ صوت الاسلام "مجر ۱۲ جون ۱۹۶۰ء میں شائع ہوا تھا۔ ان اصلاحات پر

۱۱۸ علماء کے دستخطوں کا عکس بھی مذکورہ شمارہ میں شائع ہوا ہے۔ ان علماء میں ہی جمعیت صدر کل پاکستان جمعیت علماء اسلام کے مولانا مرحوم کا نام گرامی بھی سر فہرست شامل ہے۔

علماء کرام کے اس خاکہ میں اربکا ز دولت کے تمام ذرائع مثلاً سود، سٹہ انشورنس اور قمار کو قانوناً ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اگر حکومت اس کو ملک میں نافذ کر دے تو تمام معاشی الجھنیں جن سے ملت آج دوچار ہے سلجھ جائیں۔ ماڈر اور مارکس کے نظریات کے ساتھ سرمایہ دارانہ نظام بھی آپ اپنی موت مر جائے اور اقتصادی حالت بہتر ہو کر عام آدمی کی حالت بھی بہتر ہو جائے۔

اسلامی نظام کے بنیادی اصول | مولانا مرحوم نے اس سوال کے جواب میں کہ آپ کی جمعیت کا منشور کیا ہوگا ؟

حسب ذیل تحریر منشور کے دیباچہ کے طور پر سپرد قلم فرمادی تھی جس کو افادہ عام کے لیے اس جگہ بعینہ ”صوت الاسلام“ ۱۲ جون ۱۹۶۰ء سے نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ صوت الاسلام کی عبارت حسب ذیل ہے :-

” اسلامی نظام کے بنیادی اصول

ہمارا منشور وہی ہوگا جو قرآن مجید میں چودہ سو سال پہلے بتا دیا گیا تھا۔

مولانا ظفر احمد عثمانی امیر اعلیٰ مرکزی جمعیت علماء اسلام پاکستان

مجمہ سے بارہا بعض حضرات دریافت کرتے ہیں کہ آپ کی مرکزی جمعیت

علماء اسلام کا منشور کیا ہوگا ؟ میں نے جواب دیا کہ جمعیت کا منشور وہی ہوگا جو

قرآن حکیم میں چودہ سو سال پہلے بتا دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس منشور کا دیباچہ قرآنی

آیات ہی سے شروع کیا جاتا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں :

ان الله يدافع عن الذين امنوا ان الله لا يجيب كل خوان  
 كفور اذن لرزين يقاتلون بانهم ظلموا وان الله على  
 نصرهم لقدير الذين اخرجوا من ديارهم لغير حق الا  
 ان يقولوا بنا الله ولو لادفع الله الناس بعضهم ببعض  
 لهدمت صوامع وبيع وصلوة ومساجد كسر فيها  
 اسم الله كثيرا ولينصر الله من ينصره ان الله لقوى  
 عزيز الذين ان مكناهم في الارض اقاموا الصلوة و  
 اتوا الزكوة وامروا بالمعروف ونهوا عن المنكر  
 والله عاقبة الامود -

ترجمہ :- بلاشبہ اللہ تعالیٰ (ان مشرکین کے غلبہ اور ایذا کو) ایمان  
 والوں سے (عنقریب) ہٹا دے گا۔ بے شک اللہ کسی دغا باز کفر کرنے والے کو  
 نہیں چاہتا (بلکہ اُن سے ناراض ہے) اس لیے انجام کار ان کو مغلوب اور مومنین مخلصین  
 کو غالب کر دے گا۔ اب ان لوگوں کو لڑنے کی اجازت دے دی گئی جن سے  
 (کافروں کی طرف سے) لڑائی کی جاتی ہے کیونکہ (ان پر بہت) علم کیا گیا ہے۔ بلاشبہ  
 اللہ تعالیٰ ان کے غالب کر دینے پر بڑی قدرت رکھتا ہے جو اپنے گھروں سے  
 (بے وجہ) نکالے گئے محض اتنی بات پر کہ وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے۔  
 اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ (اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے) لوگوں کا ایک دوسرے (کے ہاتھ  
 سے) روزانہ گھسا رہا ہے۔ (کہ اہل حق کو اہل باطل پر وقتاً فوقتاً غالب کر رہا ہے) تو  
 (اپنے اپنے زمانوں میں) نصاریٰ کے خلوت خانے اور یہود کے عبادت خانے اور  
 (مسلمانوں کی) مسجد میں جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے سب منہدم ہو گئے ہوتے

اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرے گا جو اس (کے دین) کی مدد کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ قوت والا اور غلبہ والا ہے۔ یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دیدیں تو یہ لوگ خود بھی نماز کی پابندی کریں (اور دوسروں کو بھی نماز کی تاکید کریں گے) اور زکوٰۃ دیں گے اور دوسروں کو نیک کاموں کا امر اور بُرے کاموں سے منع کریں گے۔ اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ پس اہل باطل کے موجودہ غلبہ سے یہ کیونکر کہاں سکتا ہے کہ انجام بھی اُن کا یہی رہے گا۔ بلکہ ممکن ہے کہ اس کا برعکس ہو جائے۔ چنانچہ جب تک مسلمان نماز کے پابند رہے زکوٰۃ دیتے رہے، نیکی پھیلاتے رہے بدی کو مٹاتے رہے اللہ تعالیٰ ان کو کفار پر غالب کرے گا۔

**ف۔** ان آیات کی پوری تفسیر بیان القرآن ص ۵۷، ج ۲ میں ملاحظہ ہو جس سے وہ تمام شبہات رفع ہو جائیں گے جو بظاہر یہاں بعض لوگوں کو پیش آتے ہیں۔

۱۔ پس اگر اللہ نے چاہا ہمارے جماعت برسرِ اقتدار آگئی تو سب سے پہلے ہم سب مسلمانوں کو نمازی بنائیں گے۔ عدا نماز چھوٹنے کو قانونی مجرم قرار دے کر سزا دیں گے کیونکہ نماز ایمان کے بعد سب سے بڑا فرض ہے اور اگر نماز باقاعدہ پڑھی جائے تو فحشاء منکر سے روکتی ہے اور جماعت سے پڑھی جائے تو قوم میں اتحاد و اتفاق پیدا کرتی ہے معاشرہ کو دُست کرتی ہے ان الصلوٰۃ ننہی عن الفحشاء والمنکر نماز سے اللہ کی یاد دل میں جی رہتی ہے ولذکر اللہ اکبر اللہ کی یاد بُت بڑی چیز ہے خدا سے غفلت ہی تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔

۲۔ پھر ہم مالداروں، سرمایہ داروں، زمینداروں سے زکوٰۃ اور عشر و نصف عشر لے کر فقراء و مساکین پر تقسیم کریں گے۔ ہم مالداروں، سرمایہ داروں اور زمینداروں کی

ذاتی ملکیت کو باطل نہ کریں گے مگر ان کو زکوٰۃ، عشیہ اور اکہ نے پر مجبور کریں گے ہم بنکوں انشورنس کمپنیوں کو قومی ملکیت نہ بنائیں گے بلکہ ان کو عقد معارفیت وغیرہ کے اسلامی طریقے اختیار کرنے پر مجبور کریں گے اور جو سودی رقم بنکوں اور انشورنس کمپنیوں میں جمع ہے اس کو اصل مالکوں کو واپس کر دیں گے اور جس کا مالک معلوم نہ ہو اس سودی رقم کو فقراء و مساکین پر صرف کریں گے۔

۳۔ ہم نیکی پھیلائیں گے اور سب سے بڑی نیکی عدل و انصاف اور احسان اور قربت و ادب کو ان کا حق دینا۔ میراث کو باقاعدہ تقسیم کرنا، یتیموں، یتیموں اور اپاہجوں و معذوروں کی نگہداشت کرنا ہے۔ ان الله يامدكم بالعدل والاحسان وابتداء ذی القربى وینہی عن الفحشاء والمنکر وابعنی عنکم لعلکم تذرکون۔

”یقیناً اللہ تعالیٰ عدل و انصاف اور احسان کا حکم دیتے ہیں اور قربت

و ادب کو ان کا حق دینے کا بھی اور بے حیائی اور ہر بُرائی سے منع

کرتے ہیں اور ظلم سے بھی“

۴۔ ہم ہر بُرائی سے رعایا کو روکیں گے اور سب سے بڑی بُرائی نہ ناکاری، عریانی بے حیائی اور شراب خوردی، سود خوردی، رشوت خوردی، چوری، دُکیتی اور غریبوں کو زبردستی پر ظلم کرنا ہے۔ ہم اللہ کے بھروسہ پر یقین رکھتے ہیں کہ اگر اسی طرح کا نظام اسلام قائم ہو گیا تو ملک میں کوئی نہ بھگا، مہو کا گھر نہیں رہے گا۔ ہم ہر بچہ کا وظیفہ بیت المال سے مقرر کریں گے جب تک کہ وہ بھی کسب معاش کے قابل نہ ہو جائے کیونکہ اس وقت تک وہ بھی معذوروں میں داخل ہے۔ ہم طلبہ کے لیے بھی جب تک وہ تعلیم حاصل کریں گے بیت المال سے وظیفہ مقرر کریں گے۔

”للفقراء الذین احصوا فی سبیل اللہ لا یتطیعون ضرباً فی الارض

ہم مسلمانوں کو بجائی بجائی بنائیں گے۔ جغرافیائی اور قبائلی عصبیت سے روکیں گے ہم دین دار، دیانت دار لوگوں کو حکومت کے مناصب پر قائم کریں گے بشرطیکہ وہ اس کام کے قابل بھی ہوں جو کام ان کو دیا جائے کسی کو محض ڈگری حاصل کر لینے یا سفارش بہم پہنچانے پر کوئی عہدہ نہ دیا جائے گا۔ بلکہ کام کی قابلیت کو ہی دیکھا جائیگا۔ ہم آہستہ آہستہ اردو بنگلہ میں تمام علوم کی تعلیم کا انتظام کریں گے۔ انگریزی کو ذریعہ تعلیم بنانے کا طریقہ تدریجاً بند کر دیں گے۔ انگریزی زبان کی تعلیم کے ہم خلاف نہیں ہیں۔ ہم دینی مدارس کے طلبہ پر بھی عربی اور انگریزی زبان بولنے اور لکھنے پڑھنے کے لیے زور دیں گے کیونکہ تبلیغ کے لیے اس کی ضرورت ہے۔

ہم ممالک اسلامیہ اور ممالک غیر اسلامیہ میں تبلیغ کا پورا اہتمام کریں گے تاکہ کفار بھی اسلامی محاسن سے واقف ہو جائیں اور مسلمان بھی پکے مسلمان بن جائیں۔ ہم مسلمانوں کو اسرائیل اور اُس کے معاونین کے خلاف جہاد کے لیے تیار کریں گے تاکہ مسجد اقصیٰ اور فلسطین پر مسلمانوں کا دوبارہ قبضہ ہو جائے۔ اس کے لیے مدارس، سکولوں اور کالجوں وغیرہ میں عسکری تعلیم کا انتظام کریں گے تاکہ طلباء بھی جہاد کر سکیں۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ اس وقت نظام اسلام جاری کرنا ممکن نہیں وہ ہمارے منشور کا دیباچہ پڑھ کر بتلائیں کہ اس میں کیا چیز ناممکن العمل ہے؟

دہا یہ کہ علماء دنیوی علوم سے ناواقف ہیں تو بحمد اللہ! بعض علماء دینی اے ایم اے بھی ہیں اور بعض صالحین بھی ایسے ہیں جو دنیوی علوم کے ماہر ہیں، ہم ان سے بھی کام لیں گے۔ اور یہ کہنا کہ علماء سیاست سے بالکل بے بہرہ ہیں سراسر غلط ہے وہ اسلامی سیاست سے بخوبی واقف ہیں۔ جو شخص مسئلہ اُن کیمر اور

حدیث نبوی کے علوم و معارف سے پوری طرح واقف ہے اور جس تے حجتہ اللہ البالغہ کا سمجھ کر مطالعہ کیا ہے وہ سیاست اسلامی سے ناواقف نہیں ہو سکتا اور شیطانی سیاست سے ناواقف ہونا کوئی عیب نہیں بلکہ عین کمال ہے۔ لیکن اس کے باوجود علماء مسلمانوں کو اس سے بچانے کے لیے بقدر ضرورت اس کی واقفیت بھی حاصل کر لیتے ہیں جس طرح فلسفہ یونان سے واقف ہوئے اور اس کا رد کے مسلمانوں کو اس فتنہ سے بچایا اسی طرح آج کل کی سیاست سے واقف ہو کر مسلمانوں کو فتنہ سے بچاتے ہیں۔

(بحوالہ صوت الاسلام)

**مولانا مرحوم کا انٹرویو** | تنگ نظر مخالفین کا ہمیشہ سے یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ اپنے نظریہ کی تائید میں کسی دلیل کے پیش کرنے کے بجائے اپنے مخالف کو ذاتی طور پر ہدف طعن و تشنیع بنانا شروع کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ایک پمفلٹ لائل پور سے شائع ہوا جس میں یہی انداز اختیار کیا گیا تھا اور ہمت ہی گھٹیا قسم ذاتی رد ایک جگہ لکھے تھے۔ اس کی زبان ایسی سوچا نہ تھی جس کی توقع کسی بھی شریف انسان سے نہیں کی جاسکتی اور یہ پمفلٹ تو علماء کرام کی طرف سے شائع ہوا تھا۔

تو بر تو اسے چرخ گرداں تو

مذکورہ رسوائے زمانہ پمفلٹ کے جواب میں حضرت مولانا مرحوم کا ایک انٹرویو شائع ہوا تھا جو آپ کی عالی حوصلگی اور وسعت ظرفی کا عمدہ نمونہ ہے۔ حضرت مولانا مرحوم نے مخالفین کی بدترین الزام تراشی کے جواب میں اصل واقعات کو بیان کرنے پر ہی اکتفا فرمایا اور ”ادفع بالتی ہی احسن السیئہ“ کے مطابق

مداخلت ہی فرماتے رہے۔ کوئی جارحانہ کلمہ نہ بان پر نہیں آیا۔ مولانا نے اس انٹرویو میں اپنے مجاہدانہ عزم کا ان الفاظ میں اظہار فرمایا ہے :

”انشاء اللہ ان باتوں سے ہمارے قدم نہ پیچھے ہٹیں گے نہ مست ہوں گے۔ ہمیں ان الزامات کے جواب دینے کی بھی ضرورت نہیں۔ مگر ایک دفعہ عامۃ المسلمین کے سامنے اصل واقعات بیان کر دینا ضروری ہے تاکہ غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔“

(بحوالہ انٹرویو ص ۲)

مولانا مرحوم نے اس انٹرویو کے آخر میں دوسری جماعتوں کے ساتھ اپنے اختلاف کی حدود بھی متعین فرمادی ہیں۔ فرماتے ہیں :-

”ہم علمائے حق سے ہرگز برسرِ پیکار نہیں بلکہ سوشلزم، کمیونزم، کیپٹل ازم، نیشنلزم وغیرہ سے برسرِ پیکار ہیں اور جب تک زندہ ہیں پاکستان میں انشاء اللہ نظام اسلام کے سوا کوئی ازم نہ چلنے دیں گے پاکستان میں نظام اسلام ہی جاری ہوگا۔ اگر دوسری جماعتیں بھی یہی چاہتی ہیں تو وہ سوشلزم کی حمایت اور پرچار چھوڑ کر ہمارا ساتھ دیں۔ چشم روشن دل ماشاء۔ اور اگر وہ یہ نہیں چاہتیں جیسا کہ ان کا منشور بتلا رہا ہے اور ان کے جامیوں کے یہ بے ہودہ سوالات پتہ دے دے رہے ہیں تو بتلائیے اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟

ع۔ خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد

جو چاہے آپکا حسن کہ شمع ساز کبرے

والسلام ظفر احمد عثمانی، ۲۴ رجب ۱۳۸۹ھ۔

چونکہ علماء کے ذمہ اصل کام دینی رہنمائی اور ہدایت کا ہے اس لیے ملکی حالات اور سیاسیات میں بھی مسلمانوں کی رہبری اور رہنمائی کرنا اور ان کے لیے صحیح راہ عمل تجویز کرنا ان کے فرائض منصبی میں شامل ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا مرحوم نے بھی ایک عالم دین اور مرکزی جمعیت علماء اسلام کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے بڑی حسن و خوبی کے ساتھ یہ فرمن ادا فرمایا اور تحریر و تقریر کے ذریعے پاکستان میں لادینی ازموں کے خلاف مسلمانوں کو منظم اور آگاہ کرنے کی پوری طرح کوشش فرمائی۔ مگر مسلمانوں کی ذہنی تربیت اور طریق انتخاب کے غلط ہونے کی وجہ سے ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے نتائج توقع کے خلاف برآمد ہوئے اور نظریہ پاکستان کی حامی جماعتوں کو سخت مایوس کن حالات کا سامنا کرنا پڑا جس کے نتیجہ میں بالآخر سقوط ڈھاکہ کا المیہ پیش آیا اور پاکستان کا مشرقی حصہ کٹ کر پاکستان سے علیحدہ ہو گیا۔

حضرت مولانا مرحوم کے نزدیک اس انتخاب میں ناکامی کی وجہ دوسرے اسباب کے علاوہ اصولی طور پر انتخاب کا مخلوط ہونا تھا۔ چنانچہ ایک عرض کے جواب میں مولانا نے ارقام فرمایا :-

”مرکزی جمعیت کی شاخوں کو اس وقت تبلیغ احکام کا کام کرنا چاہیے۔ اور یہ کہ اُسندہ انتخابات میں انتخابات جداگانہ پر زور دیں۔ انتخاب مخلوط کی مخالفت کریں اور اس انتخاب کو باطل قرار دیں کیونکہ مخلوط تھا۔ اسی لیے عوامی لیگ کامیاب ہوئی کہ ہندوؤں نے اس کو ووٹ دیئے اور پیپلز پارٹی کو قادیانیوں نے کامیاب کیا اگر انتخابات جداگانہ ہو تو قادیانی، قادیانی کو ووٹ دے گا مسلمانوں کو نہ دے سکے گا۔“

غرضیکہ مخلوط انتخاب کے ذریعہ پاکستان کو جو عظیم نقصان پہنچا اور نظریہ پاکستان جس طرح مجروح ہوا اس سے پہلے اس کی مثال پاکستان کی پوری تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ اور ظاہرات ہے کہ جب تحریک پاکستان کی بنیاد دو قومی نظریہ اور جداگانہ انتخابات پر ہی رکھی گئی تھی تو اب اس بنیاد کو ہلا کر اور اس کی جگہ مخلوط طریقہ انتخاب رائج کر کے پاکستان کی عمارت کو کیسے قائم رکھا جاسکتا تھا۔

مسلمانان پاکستان کے اس نظریہ میں تبدیلی کے اندر چونکہ اسلامی احکام اور اسلامیات سے ناواقفیت کے علاوہ شریعت اسلامی پر عمل کرنے میں سستی اور بے پروائی کا بھی بڑا دخل ہے اس لیے حضرت مولانا مرحوم نے اپنے اس والا نامہ میں نیز دوسرے والا ناموں میں بھی تبلیغ احکام پر ہمیشہ زور دیا ہے۔ ایک والا نامہ میں ارشاد ہے :-

”اب آپ مرکزی جمعیت کے نام سے تبلیغ کا کام کریں۔ مسلمانوں کے معاشرہ کو درست کیا جائے لوگوں کو نماز روزہ اور شعائر اسلام کا پابند کیا جائے“

(۲۰ ج ۱ ص ۱۹۹۲ھ)

بعد میں جب ہزاروی گروپ بھی مفتی محمد اور ہزاروی گروپوں میں تقسیم ہو گیا تو یہ سوال پیدا ہوا کہ ان دونوں میں سے کس کا ساتھ دیا جائے تو چونکہ مخلوط انتخابات وغیرہ سیاسی نظریات میں یہ دونوں گروپ متحد ہیں اور ایسے عناصر کی تائید و حمایت کرتے رہے ہیں جو پاکستان کے بنیادی طور پر مخالف اور قیام پاکستان کے خلاف ہیں اس لیے حضرت مولانا مرحوم نے ان دونوں میں سے کسی گروپ کو بھی اس قابل قرار نہیں دیا کہ اس کا ساتھ دیا جائے اور جب تک صحیح اصولوں پر اپنی سیاسی جماعت ہو۔ صرف تبلیغ احکام کے کام کرنے کی ہدایت فرمائی۔ حضرت مولانا ادا مقام فرماتے ہیں :-

”ہزاروی گروپ اور مخدودی گروپ دونوں میں سے کوئی بھی اس قابل نہیں کہ اس کا ساتھ دیا جائے اس لیے جب تک اپنی سیاسی جماعت قائم نہ ہو صرف تبلیغ سے کام لیا جائے حکومت کی مخالفت ہی نہ کی جائے مسلمانوں کو شریعت پر چلنے کی ترغیب دی جائے یہی ہماری سیاست ہے باقی حالات موجودہ سے آپ بخوبی واقف ہیں“

والسلام

ظفر احمد عثمانی جمعہ ۲۶ رشتوال ۱۳۹۳ھ۔

واقعی مسلمان کی سیاست یہی ہے کہ شریعت پر خود عمل کرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو شریعت پر چلنے کی ترغیب دی جائے۔ یہاں تک کہ جس وقت مرکزی جمعیت علمائے اسلام سیاسی کام کر رہی تھی اس وقت بھی حضرت مولانا مرحوم نے اس بات کی ہدایات جاری فرمائیں۔ چنانچہ مولوی سلمان احمد صاحب خطیب جامع مسجد ٹوبہ ٹیک سنگھ کو مرکزی جمعیت کے لیے کام کرنے کی ہدایت کرتے ہوئے ارقام فرمایا تھا: ”کام یہ ہے کہ اسلام اور نظام اسلام پر قوم کو متحد کیا جائے دوسرے کافرانہ نظاموں سے برأت کا اظہار کریں۔ معاشرہ کی اصلاح کریں۔ لوگوں کو نماز جماعت اور شعائر اسلام کے احترام کی ترغیب دیں“ (۲۰ ج ۲ ۱۳۸۹ھ)

نماز جماعت اور شعائر اسلام کی پابندی کا خیال مسلمانوں کے اندر اگر پیدا ہو جائے اور معاشرہ کی اصلاح ہو جائے تو پھر لازماً ان کے سیاسی رجحانات اور ملکی نظریات بھی اسلام کے موافق ہو جائیں اور خود بخود دوسرے تمام ازموں اور کافرانہ نظاموں سے بے زاری اور علیحدگی کا جذبہ اُن کے اندر پیدا ہو جائے۔ نظام اسلام کے قیام کے لیے مسلمانوں میں شعائر اسلام کے احترام اور احکام اسلام کی پابندی کا جذبہ پیدا کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ حضرت مولانا مرحوم کے

ارشاد کے موافق تبلیغ احکام اور شریعت پر چلنے کی لوگوں کو ترغیب دینے کا اہتمام کیا جائے اور اس پر پوری محنت کی جائے تو یہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے اور اہل علم کا اصل کام اور ان کی صحیح سیاست یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عنایت فرمائیں۔ آمین۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا مرحوم نے ۱۹۶۹ء کی سیاسیات علی میں علمی رہنمائی کے ساتھ علمی طور پر حصہ لے کر علماء کے لیے سیاسیات میں علمی حصہ لینے کا طریقہ کار مقرر فرمایا کہ اس کی حدود متعین فرمادی ہیں اور واضح فرمادیا ہے کہ علماء کا اصل کام تبلیغ احکام اور علمی مشاغل میں انہماک و اشتغال اور اصلاح معاشرہ ہے۔ علمی سیاسیات میں حصہ لینے کی ضرورت اگر پیش آجائے تو بقدر ضرورت اس میں حصہ لینے اور اس ضرورت کے رفع ہو جانے کے بعد علماء کو پھر اپنے اصل کام کی طرف رجوع کر لینا چاہیئے۔ اور درس و تدریس اور تبلیغ احکام میں مشغول ہو جانا چاہیئے۔ اپنے ضروری مشاغل کو ترک کر کے عام سیاسی لیڈروں کی طرح جوڑ توڑ اور سیاسی اکھاڑ پچھاڑ میں ہی ہر وقت نہیں لگا رہنا چاہیئے۔ اس لیے حضرت مولانا مرحوم ۱۹۷۰ء کے بعد علمی سیاسیات سے کنارہ کش ہو گئے تھے اور پھر اپنے انہی سابقہ علمی مشاغل اور شاد ہدایت خلق کے کام میں مشغول ہو گئے تھے جو علماء کا اصل فرض منصبی ہے اور مدت العمر اسی فرض منصبی میں مشغول و منہمک رہے۔ رحمہ اللہ علیہ۔



## باب نہم

### ۱۔ سفر آخرت اور مرضِ وفات کے حالات

ع۔ جب نام تیرا لیجئے تب آنکھ بھر آدے  
اس طرح کے جینے کو کہاں سے جگر آدے

ع۔ حیف در حتم زدن صحبت یار آخر شد  
روئے گل سیر ندیدم دیہار آخر شد

حضرت مولانا کو عرصہ سے ضعفِ قلب کی شکایت تھی، اس کے ساتھ ہی گردوں میں درم بھی اکثر ہو جاتا تھا۔ کبھی کبھی پیشاب میں پیپ بھی آنے لگتی تھی۔ گردوں کے عارضہ کی وجہ سے بلڈ پریشر کی شکایت بھی ہو جاتی تھی۔ ڈاکٹر کیپٹن سید محمود علی علوی قلب کا علاج کیا کرتے تھے۔ ۱۹۷۱ء کی بات ہے گردہ کی شکایت کے سلسلہ میں بغرض علاج کراچی تشریف لائے اور ڈاکٹر علوی صاحب کو بلایا گیا۔ انہوں نے تفصیلی معائنہ

۲۔ سفر آخرت کے یہ حالات مولانا محمد صاحب تھانوی اور مولوی محمد رفیع سلمہ صاحبزادگان حضرت مولانا مرحوم کے لکھے ہوئے حالات کا اختصار و انتخاب ہے۔ یہ حالات آخر کو مگر می جناب حاجی ظفر علی صاحب راولپنڈی متوسل حضرت مولانا مرحوم کی عنایت سے دستیاب ہوئے ہیں اور ذیلی عنوانات کا اس پر اس حق نے اضافہ کیا ہے۔ (دائم الخردت)

کرنے کے بعد ضعف قلب کی طرف سے تشویش ظاہر کی اور بتایا کہ آپ کی نبض غیر منظم ہے ایک منٹ میں چار بار رکتی ہے اس کا علاج بہت ضروری ہے اور اس کے لیے آپ کو کم از کم دو ماہ تک کراچی میں قیام کرنا ہوگا تاکہ اس کا علاج مکمل ہو سکے۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ ہاں مجھے یہ بات معلوم ہے۔ اب سے دس سال پیشتر حکیم محمد اسعد صاحب اجمیری نے مجھے یہ بات بتلائی تھی لیکن میں اب تک زندہ ہوں اور حکیم اسعد صاحب اجمیری اللہ کو پایا ہے ہو گئے۔

میری ضرورت حال یہ ہے کہ ضرورت مند لوگ دُور دُور سے آتے ہیں اور میرے ٹنڈوالشہار میں نہ ہونے سے انہیں بڑی مایوسی اور تکلیف ہوتی ہے اس لیے میں دو ماہ تو قیام نہیں کر سکتا، میں صرف دو ہفتہ قیام کر سکتا ہوں۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ آپ کی دوائیں جاہی رہیں اور میں اپنا آدمی بھیج کر دوائیں آپ سے منگواتا رہوں اور حالات سے آپ کو مطلع کرتا رہوں۔ ڈاکٹر صاحب کا اصرار تھا کہ دل کا معاملہ ہے میں آپ کو اپنی نگرانی میں دوائی دینا چاہتا ہوں۔ اتنی دُور سے علاج کرنا ممکن نہیں، لیکن حضرت مولانا کراچی کے اتنے طویل قیام پر راضی نہیں ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گزشتہ دوں کا علاج ہوتا رہا اور دل کا باقاعدہ اور مکمل علاج کبھی نہ ہو سکا۔ ہر پانچ چھ مہینے کے بعد تنفس وغیرہ کی شکایت ہوتی تھی یا بلڈ پریشر بڑھ جاتا تھا تو وہ علاج کے لیے کراچی تشریف لے آتے تھے اعزہ کے بار بار اصرار اور ضرورت مند لوگوں کی مشکلات کا عذر فرمایا اور کراچی کے لیے مسلسل دو ماہ کا قیام منظور نہیں فرمایا اور ہر مرتبہ یہ فرما کر ٹنڈوالشہار واپس چلے جاتے کہ میں دواؤں سے منگواتا رہوں گا۔ لیکن یہ سلسلہ کچھ دن جاری رہتا تھا اور پھر بند ہو جاتا تھا۔

حضرت کو بلڈ پریشر اور پیمائش کا مرض ایک طویل عرصہ سے تھا جو بار بار اُن کی

خزانی صحت کا باعث بننا رہا۔ علاج کے لیے بدرجہ مجبوری متعدد بار کراچی تشریف لے جاتے رہے مگر وہاں پہنچتے ہی دلچسپی کی فکرم ہو جاتی تھی کہ وہاں اسباق کا ناغہ ہو رہا ہے اور دار و مدار لوگوں کو مشکلات کا سامنا ہو رہا ہے اس طرح ہر دفعہ علاج اوصوا ہی نہ جاتا ہے۔

رمضان شریف سے پہلے آپ کراچی کے ایک مشہور اور منیت قابل ہو میو پیٹک ڈاکٹر شیخ احمد صاحب کا علاج کرا رہے تھے۔ آپ کا قیام ٹنڈوالڈیار میں ہی تھا اور آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا عمر احمد صاحب ڈاکٹر صاحب کو حالات کی اطلاع دیکر دوائیں بھیجتے رہتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کا خیال تھا کہ جسم انسانی میں کچھ ایسے غدود ہیں جن کا ضعف بڑھاپے کا باعث بنتا ہے اور وہ اپنی غدودوں کی تقویت کے لیے دوائیں دیتے رہتے تھے اور ان دواؤں سے حضرت کو کافی فائدہ ہو رہا تھا اور وہ بڑی دل چسپی دوائیں استعمال فرما رہے تھے۔

مولانا عمر احمد کے خط میں ڈاکٹر صاحب کا مشورہ یہ تھا کہ آپ اس رمضان شریف میں روزے نہ رکھیں اس کے بجائے

فدیہ دے دیں کیونکہ اس وقت عمر کے طبعی ضعف کے علاوہ مرض کا ضعف بھی بہت ہے۔ بخور ابست دوا سے جو فائدہ محسوس ہونے لگا ہے روزہ رکھنے سے وہ بھی ختم ہو جائے گا۔ مگر حضرت مولانا نے اس کو ایسی بات سمجھا جیسے کسی نے یہ ایک طفلانہ بات کہہ دی ہو۔ مولانا دیر تک اس پر مسکراتے رہے۔ حضرت کے چھوٹے صاحبزادہ ولوی محمد قرضی سلمہ نے عرض کیا کہ ڈاکٹر صاحب ٹھیک ہی تو کہہ رہے ہیں کہ آپ اس مرتبہ فدیہ دیدیجئے۔ حضرت اس پر پھر مسکرائے اور فرمایا۔ ”ہوں! مفتی مفت کے بنے ہو۔“ پھر غالباً حضرت عباس کا واقعہ بیان فرمایا کہ وہ نوے برس کے تھے، بہت کمزور

اور کمزور ہو گئے تھے۔ آپ پر روزہ کی اس قدر شدت ہوتی تھی کہ آپ پانی کے ٹب میں بیٹھ جاتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے روزے رکھے۔ اور فدیہ نہیں دیا جبکہ میں تو بہت صحت مند ہوں۔ حضرت مولانا اس کے بعد بہت اشتیاق کیساتھ رمضان المبارک کی آمد کے منتظر رہے۔ شعبان ۲۹ تاریخ کو ٹنڈوالہیارہ میں چاند نظر نہیں آیا۔ اور ریڈیو سے بھی چاند کی اطلاع تاخیر سے آئی۔ نوبچے کی یہ اطلاع سُن کر صاحبزادہ نے مولانا کو بتلایا کہ چاند ہو گیا ہے۔ یہ سُن کر حضرت مولانا کے چہرے پر ایک عجیب الطینانی کیفیت طاری ہو گئی اور روزے رکھنے شروع فرما دیئے۔ رمضان کے پہلے ہفتہ میں سخت گرمی پڑی۔ سارے لوگ گرمی کا شکوہ کر رہے تھے۔ مگر اس پیرانہ سالی اور صفت عمر میں حضرت مولانا کی پختگی عزم اور ہمت مردانہ پر آفرین ہے کہ حضرت موصوف کی زبان پر تو کیا حربِ شکایت آتا چہرہ مبارک پر بھی کسی قسم کی گرائی کے آثار محسوس نہیں ہوتے تھے اور جب کوئی گرمی کا شکوہ کرتا تو مسکرا دیتے اور فرماتے کہ اپنے بندوں کے لیے یہ بھی اللہ کا امتحان ہے۔

حضرت مولانا نے بڑے اہتمام اور اشتیاق کے ساتھ رمضان المبارک کا آغاز فرمایا اور افطار مسجد میں کرتے اور پھر گھر تشریف لے جاکر تراویح کے لیے دوبارہ مسجد میں تشریف لاتے تھے۔

تراویح اور روزہ کے ساتھ معمولات

مگر اب تراویح خود نہیں پڑھاتے تھے بلکہ دوسرے کا سنتے تھے اور نماز تراویح بیٹھ کر پڑھنے لگتے تھے مگر جہاں تک ہو سکتا تھا مسجد میں ہی پڑھنے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ روزہ کے ساتھ بھی دن کے اپنے معمولات میں مصروف رہتے تھے۔

پیش کی شدت میں بھی روزہ پورا فرمایا | اس طرح رمضان شریف کے تین دن بخریت اور اچھے گزریے

لیکن چوتھے روز سے پیش ہو گئی۔ عاجزادہ نے پیش کی گولیاں لاکر دیں جن کو اکثر استعمال فرمایا کرتے تھے اور ان سے فائدہ ہوا کہ تا تکلیف اس دفعہ ان سے فائدہ نہیں ہوا۔ شام ہوتے ہوتے پیش بڑھ گئی اور حضرت مولانا مرحوم اب بھی روزہ سے تھے حالانکہ تمام دن کی پیش سے آپ نڈھال ہو گئے تھے۔

حضرت کی چھوٹی اہلیہ نے بہت اصرار کیا کہ آپ افطار فرمائیں۔ لیکن حضرت مولانا افطار پر کسی طرح راضی نہ ہوئے اور روزہ پورا فرمایا۔ شام کو ڈاکٹر کو بلایا۔ انہوں نے کپسول لکھ کر دیئے لیکن پیش کا اثر اگلے دن بھی نہ ہا۔ پانچ چھ روز آپ کی طبیعت ناساز رہی اور بید کمزوری ہو گئی مگر اس کے باوجود روزے رکھتے رہے۔

تراویح میں ختم قرآن کا اہتمام | البتہ تراویح کے لیے مسجد میں تشریف نہیں لے گئے اور آپ کے چھ سپارہ ناغہ

ہو گئے جس کا حضرت کو بے حد قلق تھا۔ ۲۵ رمضان المبارک کو جب مسجد میں قرآن مجید ختم ہوا تو آپ نے حافظ صاحب سے کہا کہ میرے جو سپارے چھوٹ گئے تھے وہ دوبارہ سن دو اور تمام نمازیوں سے فرمایا کہ آپ لوگوں کو اختیار ہے چاہے تو میرے ساتھ تراویح پڑھیں یا الگ اپنی نماز پڑھ لیں مگر نمازیوں نے آپ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ وجہ بیماری کے جو سپارے وہ گئے تھے اس طرح آپ نے ان کو تراویح اور مسجد میں ہی سننے کا اہتمام فرمایا اور روزے تو آپ نے چھوڑے ہی نہیں تھے۔

عیدی کی تقسیم اور عید پڑھانا | رمضان المبارک گزر گیا۔ عید کی خوشی میں حسب معمول سب کو عیدی تقسیم فرمائی

اور گھر میں شیر پکوا یا اجاب کو کھلایا اور عید کی نماز حضرت والہ نے خود ہی پڑھائی البتہ شکیبہ مولانا محمد مالک صاحب نے پڑھا۔

**صحّت کا عود کر آنا اور معمول کے موافق کام کرنا** | عید کے بعد آپ حیرت انگیز طور پر صحّت یاب ہو گئے

حالانکہ رمضان میں تکلیف بھی رہتی تھی اور روزہ بھی رکھتے تھے لیکن ماشاء اللہ آپ بالکل اچھے ہو گئے تھے اور تمام معمولات شروع کر دیئے تھے۔ صبح کے وقت دفتر مدرسہ میں تشریف لاتے ڈیڑھ دو گھنٹہ وہاں بیٹھتے خطوط کا جواب دیتے، تعویذات بھی لکھتے اور پھر شام کو عصر اور مغرب کی نماز میں بھی تشریف لاتے۔ آپ کی قوت اس قدر بحال ہو گئی تھی کہ آپ چلنے میں بغیر لاٹھی کے چلنے کی کوشش فرماتے تھے۔ مدرسہ کی مسجد کا صحن کافی بڑا ہے اس کو عبور کرتے ہوئے آپ اپنے عصا کو ہاتھ میں اٹھا لیتے اور بغیر کسی سہارے کے چلتے تھے۔ یہ حالت دیکھ کر بڑی خوشی ہوتی تھی، اس طرح اطمینان سے پورا ماہ شوال گزر گیا۔

**آخری مرتبہ درس بخاری شروع فرمانا** | شوال کے آخر میں مدرسہ بھی کھل گیا تھا۔ حضرت

مولانا مرحوم رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف کا درس دینا بھی شروع کر دیا تھا۔ حضرت کو درس بخاری سے بڑا ہی شغف تھا۔ بخاری میں بھی اکثر نافعہ نہیں فرماتے تھے اگر مدرسہ میں جانے کی ہمت نہیں ہوتی تھی تو طلباء کو گھر پر بلوا لیتے تھے اور گھر پر ہی درس دیتے تھے۔ شروع سال میں بھی آپ نے اسی محبت اور شغف اور لگاؤ کے ساتھ درس بخاری شروع کر دیا۔

بلڈ پریشر اور نمونہ کی تکلیف اور اس کا علاج چار پانچ روز کے بعد

آپ کو بلڈ پریشر کا اثر ہو گیا آپ مستقل طور پر بلڈ پریشر کی گولیاں استعمال کیا کرتے تھے ایک گولی صبح اور ایک گولی شام کو۔ آپ نے ان کی تعداد بڑھادی جس سے آپ کی طبیعت ٹھیک ہو گئی لیکن دو تین روز کے بعد پھر اس کا اثر ہوا اور اس کے ساتھ ہی نزلہ اور زکام کا اثر بھی معلوم ہوا اس کے لیے جوشاندہ وغیرہ کا استعمال کیا لیکن افادہ نہیں ہوا بلکہ طبیعت اور نگہ گئی پھر علاج بدلا اور دو تین دن ڈاکٹری علاج رہا مگر فائدہ نہیں ہوا۔

ذوالقعدہ کا ہیبت شروع ہو گیا تھا اور طبیعت زیادہ خراب ہوتی جا رہی تھی۔ بلڈ پریشر برابر بڑھ رہا تھا۔ ساتھ ہی سخت کھانسی اور بخار بھی تھا۔ اس کے بعد ڈاکٹر عبدالقادر صاحب ایم بی بی ایس کو بلا دیا گیا، ان کی تشخیص میں یہ نمونہ تھا انہوں نے اس کا علاج شروع کر دیا۔ یہ علاج بھی تین روز تک جاری رہا۔ اس سے اتنا فائدہ ہوا کہ مرض میں مزید اضافہ نہ ہوا لیکن تکلیف بدستور رہی۔ بلڈ پریشر کی وجہ سے لیٹ نہیں سکتے تھے، سانس میں دشواری ہوتی تھی اور کھانسی برابر اٹھ رہی تھی اور بڑی مقدار میں بلغم خارج ہو رہا تھا۔ اس مرض میں آپ کو جس قدر ضعف ہوا اتنا اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا حالانکہ پہلے بھی وہ کئی بار شدید بیمار ہوئے تھے کہ کئی مرتبہ ایسی بیماری آئی کہ گھر والوں کو مایوسی کا احساس بھی ہوا۔

رمضان المبارک کی علالت میں بھی آپ کی حالت تشویش ناک ہو گئی تھی خصوصیت کے ساتھ بیماری کے دنوں کے دوزوں سے سخت تشویش تھی، کمزوری خونی پیمپش، اوپر سے روزے لیکن ان سب کے باوجود اس وقت حضرت کو اتنی کمزوری نہیں ہوئی تھی جتنی کہ اب چند روز کی بیماری میں ہو گئی تھی۔

علاج کے لیے کراچی کا سفر | چونکہ مرض میں افاقہ کے آثار نظر نہیں آتے

تھے گھروالوں کا اصرار ہوا کہ علاج کے لیے کراچی لے جایا جائے۔ اول تو آپ ٹالتے رہے لیکن زیادہ اصرار کے بعد راضی ہو گئے اور اپنے چھوٹے صاحبزادہ کو فرمایا کہ اپنے بھائی کو کراچی فون کر دو کہ وہاں سے وہ کسی کی گاڑی بھیج دیں۔ یہ ۲۳ نومبر ۴۷ء کے مطابق ۸ ذیقعدہ بروز ہفتہ کی بات ہے ان کو فون کیا گیا اگلے دن اتوار تھا۔ اس دن گاڑی نہ آ سکی اس لیے پیر کے دن ۲۵ نومبر مطابق ۱۰ ذیقعدہ کراچی کو روانہ ہوئی۔ کراچی کے اس سفر میں آپ کے ہمراہ آپ کے چھوٹے صاحبزادہ اور چھوٹی اہلیہ ممتی کار میں سواری کے وقت انتہائی کمزوری کے آثار معلوم ہو رہے تھے مگر پھر بھی مولانا مرحوم میں ماشاء اللہ اس وقت اتنی ہمت تھی کہ سہارے سے پاؤں چل سکتے تھے۔ گھر کے اندر سے خود چل کر کار تک آئے اور راستہ میں چلے بھی پی اور بحریہ کراچی پہنچ گئے۔ یہاں بھی سہارے کے ساتھ خود چل کر کار سے گھر کے اندر آ گئے لیکن اس کے بعد ضعف اتنا بڑھا کہ اگر لیٹے ہوئے بیٹھنا چاہتے تھے تو بغیر کسی سہارے کے بیٹھ نہیں سکتے تھے۔

ایک الہامی واقعہ | یہاں ایک الہامی واقعہ کا بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کراچی جانے سے ایک روز پہلے کی بات ہے کہ شام کے

وقت ڈاکٹر صاحب کا انتظار تھا وہ آنے کا وعدہ کر گئے تھے لیکن مغرب کے بعد تک وہ نہ آئے تو حضرت نے مدرسہ کے ایک طالب علم ابوالکلام نامی کو انہیں بلانے کے لیے بھیجا۔ لیکن وہ بھی جا کر رہ گیا۔ اٹھ بج گئے نہ ڈاکٹر صاحب آئے نہ ابوالکلام کوئی جواب لایا۔ مولانا دورات سے سو نہیں سکے تھے بلکہ بلڈ پریشر کی وجہ سے لیٹ بھی نہیں سکے تھے۔ بس بیٹھے ہی بیٹھے نیند کا غلبہ ہوتا تو اُونگھ سی۔ آجاتی تھی اسی دوران کچھ

اونٹھ سی آئی۔ کچھ دیر یہ کیفیت رہی پھر اچانک چونک سے گئے اور ادھر اُدھر دیکھنے لگے، ڈاکٹر صاحب کے انتظار میں صابزادہ محمد تفسے سامنے بیٹھے ہوئے تھے ان سے فرمایا کہ ڈاکٹر نہیں آئے گا۔ کچھ خاموش رہ کر پھر فرمایا کہ میں ابھی ابھی کچھ اونٹھ سا گیا تھا کہ میں نے ایک آواز سنی کہ ڈاکٹر صاحب حیدر آباد گئے ہیں اور وہ نہیں آئیں گے۔ صابزادہ کچھ حیرت زدہ ہوئے کہ اتنے میں ابوالکلام بھی واپس آگیا اور اُس نے بتایا کہ ڈاکٹر صاحب باہر گئے ہوئے ہیں اور وہ مجھے نہیں ملے۔ صابزادہ نے مولانا کو یہ بات بتائی کہ ڈاکٹر صاحب باہر گئے ہوئے ہیں اور وہ مجھے نہیں ملے۔ صابزادہ نے حضرت مولانا کو یہ بات بتلائی تو آپ مسکرائے اور پھر مطمئن ہو کر عشار کی غار پڑھنے میں مصروف ہو گئے۔

**کراچی کا علاج** | کراچی پہنچ کر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ڈاکٹر علوی صاحب کو بلانے کے لیے فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب آئے انہوں نے تفصیلی معائنہ کیا اور بتایا کہ دل بہت کمزور ہے۔ حتیٰ کہ دل کی ضربات آگے سے پوری طرح سنی نہیں جاسکتی۔ نبض کی ضربات ایک منٹ میں ایک سو پچاس تھیں بلڈ پریشر اوپر کا دو سو پچیس اور نیچے کا ایک سو بائیس تھا۔ دونوں پھیپھڑے نمونہ سے متاثر تھے ڈبل نمونہ ہو گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے تاکید کی کہ حضرت مولانا کو مکمل آرام کی ضرورت ہے کوئی شخص ان سے ملنے کے لیے نہ آئے اور نہ کوئی شخص حضرت مولانا سے گفتگو کرنے کی کوشش کرے۔ دو دن بہت خطرے کے ہیں۔ اگر یہ دو دن خیریت کے ساتھ گزر گئے تو پھر خطرہ سے باہر ہو جائیں گے۔ یہ تاکید کر کے چلے گئے اور انہوں نے جا کر فوراً دوائیں میخچیں اور ان کا استعمال شروع کر دیا گیا۔

مولانا کی آمد کی عدم اطلاع کا عذر | مولانا کی نازک حالت کے پیش نظر یہی مناسب سمجھا گیا کہ کسی کو انکی تشریف آوری

کی اطلاع نہ کی جائے۔ چنانچہ مولانا کے قریب ترین اعزہ کو بھی اطلاع نہیں کی گئی۔ دوسرے ذرائع سے اگر کسی کو اطلاع ہو بھی گئی تو طے اور بات کرنے کا موقع نہیں دیا گیا۔ اور ڈاکٹر کی ہدایت کی سختی سے پابندی کی گئی۔

علاج بدلنے کا مشورہ | بعض ڈاکٹروں نے یہ مشورہ دیا کہ حضرت مولانا کو امراض قلب کے ہسپتال میں داخل کر دیا جائے۔ لیکن ڈاکٹر علوی صاحب کی مخالفت پر انہوں نے بھی یہ رائے دی کہ علوی صاحب کا علاج جاری رکھا جائے۔

مرض میں افاقہ | ایک رات یہاں آنے کے بعد بھی تنفس کی شدت رہی اور لیٹ نہ سکے۔ دوسری رات کمر کے پیچھے کئی تکیے لگا دیئے تاکہ ان سے سہارا لگا کر ہی کچھ سو سکیں۔ آخر شب میں دیکھا گیا کہ مولانا سیدھے بیٹھے سو رہے تھے۔ یہ دیکھ کر سب کو بہت خوشی حاصل ہوئی۔ تیسری رات سے سیدھے لیٹ کر سونے لگے تھے، نبض کی رفتار بھی کم ہو رہی تھی اور بلڈ پریشر بھی کم ہو رہا تھا۔ پیشاب ٹیسٹ کرایا گیا تو گہ دوں میں بھی تکلیف تھی، مختلف کاسٹ پیشاب میں آرہی تھیں۔ غصہ کی وجہ سے کھانسی برابر اٹھتی تھی اور بلغم خارج ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر کی ہدایت تھی کہ صبح، دوپہر اور شام کو ہنرت کی نبض دیکھ کر بتایا جائے کہ ایک منٹ میں کس قدر ضربات ہوتی ہیں چنانچہ دن میں تین مرتبہ ڈاکٹر صاحب کو نبض کی ضربات سے ٹیلیفون سے رپورٹ دی جا رہی تھی اور ڈاکٹر برابر تاکید کر رہا تھا کہ آپ غذا بڑھائیں۔

غذا :- بیماری میں عام طور پر مولانا ڈبل روٹی سالن کے ساتھ کھایا کرتے تھے۔ اس مرتبہ بیٹی غذاؤں کی فرمائش فرماتے تھے، عموماً دوپہر کو دودھ اور ڈبل روٹی اور شام کو سوچی کا حریہ با دام ڈال کر کھاتے تھے البتہ ناشتہ میں بشکل ایک اٹھالیس تھے۔ لیکن غذا صرف یہی ہوتی تھی اور کبھی کبھی اصرار کرنے پر روٹی سالن قبول فرمایا تو اچھی روٹی سے زیادہ نہ کھائے اس لیے اس پر اصرار ترک کر دیا گیا۔ دوپہر اور شام کو ایک ایک گلاس موسمی کا جوس بڑے اصرار کے بعد لیتے تھے۔ وفات سے تین روز پیشتر موسمی کا جوس لینے سے انکار کر دیا کہ اس سے کھانسی زیادہ ہو جاتی ہے۔ رات کو ایک پیالہ دودھ بھی بڑے ہی اصرار کے بعد پلایا جاتا تھا۔

انتقال سے ایک ہفتہ پیشتر نبض کی رفتار بالکل ٹھیک ہو چکی تھی۔ بلڈ پریشر بھی تقریباً نارمل ہو چکا تھا۔ دل کی حالت بہت بہتر ہو چکی تھی۔ گردوں کا فعل بھی بڑی حد تک صحیح ہو چکا تھا۔ قارورہ میں جو مختلف کاسٹ آ رہی تھیں ان میں نمایاں کی اگلی تھی اور پیچھے بڑے تقریباً سات ہو چکے تھے صرن ہو کی نالیوں میں بلغم کا اثر موجود تھا لیکن کمزوری میں کمی نہیں ہو رہی تھی۔ جب بھی دریافت کیا جاتا تو کمزوری کی شکایت فرماتے۔

حالت غنودگی میں بھی نماز کے وقت افادہ ہو جاتا تھا | اکثر غنودگی رہتی تھی، لیکن عین نماز کی وقت

چونکہ کراٹھ جاتے تھے اور دریافت فرماتے کہ کیا وقت ہے؟ فلاں وقت کی اذان ہو گئی ہے؟ جب بتایا جاتا تھا کہ اذان ہو چکی ہے تو فوراً تیمم کر کے نماز پڑھتے تھے اس کے بعد پھر انھیں بند کر کے لیٹ جاتے تھے غالباً غنودگی ہی ہوتی تھی۔ ڈاکٹر کہتے تھے مولانا کے لیے زیادہ سے زیادہ سونا بہت مفید ہے۔

مولانا عمر احمد صاحب کو بلانا | ۶ دسمبر کی شام کو چائے وغیرہ سے فارغ ہو کر اپنے صاحبزادہ مولانا عمر احمد صاحب

کو بلایا وہ سامنے آکر بیٹھ گئے۔ حضرت خود بھی اس وقت تکیہ کے سپاہیوں سے بیٹھے ہوئے تھے، دیر تک ان کی طرف غور سے دیکھتے رہے وہ منتظر رہے کہ کچھ فرمائیں گے لیکن کچھ فرمایا نہیں۔ ایسا اندازہ ہوتا تھا کہ کچھ فرمانا چاہتے تھے۔ لیکن پھر ارادہ تبدیل ہو گیا۔ دریافت کرنے پر بات کو یہ فرما کر ٹال گئے کہ طبیعت تو ٹھیک ہے لیکن کمزوری زیادہ ہے۔ جواب میں اطمینان دلایا گیا کہ انشاء اللہ کمزوری بھی آہستہ آہستہ دور ہو جائے گی۔ اس کے بعد ایسی کوئی بات نہیں فرمائی جس سے یہ سمجھا جاتا کہ یہ بات فرمانے کے لیے بلایا گیا تھا۔

اپنی دفین راولپنڈی اور ٹوبہ ٹیک سنگھ سے منجھلے صاحبزادہ مولانا قمر احمد سلمہ اور ان کی بہنوں کے فون خیریت دریافت کرنے کے لیے آگئے وہ آنے کے لیے دریافت کر رہے تھے۔ حضرت مولانا نے نہایت اطمینان سے فرمایا کہ ان سے کہہ دو کہ میری طبیعت پہلے سے بہتر ہے۔ البتہ کمزوری زیادہ ہے فی الحال آنے کا ارادہ نہ کریں۔ ان سب کا چھوٹے چھوٹے بچوں کا ساتھ ہے اور آج کل سردی زیادہ ہے۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے کمرۂ اہل بدعت کی طرف سے حضرت مولانا مرحوم کو دہکیاں آرہی تھیں اور آپ کی پجادر کا ایک واقعہ

عصرہ ہوائنڈ والیاد میں کچھ جن کی وجہ سے سب کو تشویش

تھی۔ حضرت مولانا نے ان دنوں حضرت حکیم الامت قدس سرہ کو خواب میں دیکھا تھا کہ

فرما رہے ہیں مولوی ظفر! تمہارے پاس میرا کُرتا موجود ہے۔ تم اسے پہن لو تو انشاء اللہ وہ ہتھیار کا کام دے گا۔

اس کُرتے کا تذکرہ ایک دن مولانا عمر احمد صاحب نے کیا کہ آپ کے پاس بڑے ابا حضرت حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہ کا ایک کُرتہ تھا وہ کہاں ہے؟ فرمایا وہ تو انوری لے گئی تھی اس کے پاس ہے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ میرے پاس بڑے ابا کی چادر ہے جو حضرت نے مجھے مرحمت فرمائی تھی اور فرمایا تھا کہ میاں عمر ایہ چادر تو معمولی سی ہے اور کافی پُرانی ہو گئی ہے مگر میں تمہیں اس لیے دے رہا ہوں کہ میں نے اسے بہت پہنا ہے۔ آپ اگر فرمائیں تو میں وہی چادر نکال دوں۔ اس بیماری میں آپ وہ چادر اوڑھیے۔ باجی صاحب نے بھی کہا کہ وہ برکت کی چیز ہے اس کو ضرور اوڑھیے۔ مولوی عمر احمد صاحب نے وہ چادر اپنی لڑکی سے نکلوائی اور حاضر خدمت کی۔ حضرت نے اُسے ہاتھ میں لیا اور دیر تک سوچتے رہے اس کے بعد اسے اوڑھ لیا اور کئی روز تک برابر اوڑھتے رہے۔

مار دسمبر کی صبح کو حضرت نے مولوی عمر احمد صاحب سے ناشتہ کر لینے کے بعد فرمایا کہ میرے تکیہ کو ادھر یعنی پائین کی طرف کہ دو۔ عام طور سے سر کے نیچے دو تکیے رکھا کرتے تھے۔ اس بیماری میں تین تکیے رکھنے لگے تھے۔ مولوی صاحب نے تکیے پائنتی کی طرف رکھ دیئے۔ اب آپ اس طرح لیٹ گئے کہ سر مشرق کی سمت میں تھا اور چونکہ سر کے نیچے تین تکیے تھے اس لیے قبلہ بالکل چہرے کے سامنے تھا۔ مغرب کی سمت میں ایک خوشنما کتبہ لگا ہوا تھا جس پر نہایت ہی خوشخط اہدنا الصراط المستقیم لکھا ہوا ہے۔ پہلے تو وہ کتبہ سر بانے کی طرف ہوا کہ تا تھا اب لیٹنے کے بعد اس کتبہ پر نظر پڑی۔ فرمایا کہ اس کتبہ کو یہاں سے ہٹا دو۔ اس کی طرف میرے پاؤں

ہو رہے ہیں۔ چنانچہ فوراً اس کو وہاں سے الگ کر دیا گیا۔ اب آپ بالکل قبلہ رخ ہو کر لیٹ گئے۔ لیکن اس سارے رد و بدل اور عمل کی مصلحت اس وقت تو کسی کی سمجھ میں نہیں آئی لیکن بعد میں سمجھ میں آ رہا ہے کہ یہ کس بات کے لیے تیاری ہو رہی تھی۔

اس کے بعد دو این دی گئیں اور نبی دیکھ کر ڈاکٹر صاحب کو نبی کی رپورٹ دے کر مولوی صاحب کا لٹ چلے گئے۔

**بعض اعزہ کی ملاقات** | ان کے جانے کے بعد مولوی عمر احمد صاحب عثمانی کے خالو یعنی مکرمی جناب ڈپٹی سید علی سجاد صاحب اور خالہ صاحبہ اور خالہ زاد بھائی علی خلد درخا اور راموں حکیم انوار الحق صاحب حضرت مولانا کی طبیعت کا حال دریافت کرنے آ گئے۔ ان لوگوں کو کسی ذریعہ سے حضرت مولانا کی تشریف آوری اور علالت کا حال معلوم ہو گیا تھا۔ یہ لوگ پہلے بھی نہایت خاموشی سے اندر والے کمرہ میں آ جاتے تھے اور حال دریافت کر کے چلے جاتے تھے کیونکہ ڈاکٹر صاحب نے مکمل آرام کرنے کی ہدایت کی ہوئی تھی اور طے بٹھنے سے منع کر دیا ہوا تھا۔ اس مرتبہ بھی وہ ایسے ہی خاموشی کے ساتھ آئے اور برابر والے کمرے میں آ کر بیٹھ گئے اور مولوی عمر احمد صاحب کی اہلیہ سے حضرت مولانا کی طبیعت کا حال دریافت کرتے رہے۔ لیکن اتفاق سے اس وقت حضرت مولانا جاگ رہے تھے۔ انہوں نے دریافت فرمایا کہ کون لوگ آئے ہوئے ہیں؟ بتلایا گیا کہ مرتضیٰ کی خالہ اور خالو ڈپٹی سجاد علی صاحب آئے ہوئے ہیں۔ فرمایا کہ میاں مرتضیٰ کے خالہ اور خالو نہیں مولوی عمر کے خالہ اور خالو ہیں انہیں بلالو۔ چنانچہ انہیں بلایا گیا۔ میاں خلد سلمہ کو ڈاکٹر کے منہ کرنے کی وجہ سے مولانا کے پاس جانے میں تامل ہوا

مگر ان کے والد اور والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ جب وہ خود بلا رہے ہیں تو انکا کس طرح کر دیں۔ مولوی عمر صاحب کی اہلیہ نے بھی یہی کہا کہ جب وہ بلا رہے ہیں تو آپ چلے جائیے مگر زیادہ بات نہ کیجئے۔

حضرت مولانا بیٹھے ہوئے تھے باجی صاحبہ نے فرمایا کہ میری ٹوپی لاؤ۔ ان سے ٹوپی لے کر آپ نے اور دھمی۔ یہ سب لوگ حضرت مولانا کے سامنے سلام کر کے کھڑے ہو گئے۔ حضرت نے سلام کا جواب دیا اور کوئی بات نہیں کی۔

ڈپٹی صاحب دیر تک کچھ پڑھ کر حضرت پر دم کرتے رہے اور وہ برابر مسکراتے رہے، صبح کے وقت جب نبض دیکھی گئی تھی تو بالکل صحیح تھی یعنی فی منٹ رفتار ۷۵ تھی اور ایک بجے دن مولوی عمر احمد صاحب کے اصرار کے بعد سہارے سے اٹھ کر بیٹھے اور موٹی بوتس کا گلاس نوش کیا اور لیٹ گئے۔ ڈاکٹر صاحب کی بہت تاکید تھی کہ موٹی کا جو س دن میں دو مرتبہ ضرور دیا جائے اس سے آپ کو قوت بھی آجائے گی اور قبض بھی نہیں ہوگی، قبض کا ہونا آپ کے لیے اچھا نہیں ہے۔

اس کے بعد اچانک نبض بند ہو گئی | **اچانک نبض کے بند ہونے کا واقعہ** ہر چند تلاش کی گئی مگر نبض کا تو

کہیں پتہ نہیں تھا۔ فوراً ٹیلیفون کر کے ڈاکٹر صاحب کو حال بتا کر آنے کی ہدایت کی۔ اس کے بعد پھر نبض دیکھی تو حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ اب نبض بالکل صحیح تھی اور منظم تھی اور انھیں کھول دی تھیں۔ کوئی پریشانی کی بات نظر نہیں آ رہی تھی۔ گھر والوں نے مشورہ دیا کہ ڈاکٹر صاحب کو اطلاع کر دی جائے کہ اب آنے کی ضرورت نہیں مگر مولوی عمر احمد صاحب نے کہا کہ ان کو فوراً آنے کے لیے کہا جا چکا ہے اور وہ چل پکے ہوئے ان کو آنے دیا جائے ہمارا مزید اطمینان ہو جائے گا۔ دس منٹ میں ڈاکٹر صاحب

پہنچ گئے۔ انہوں نے ہر چیز کو چیک کیا۔ نبض دیکھی، دل دیکھا، بلڈ پریشر کو دیکھا۔ حضرت نے ڈاکٹر سے باتیں کیں۔ اُنھ کو ٹکبوں کے سہارے سے بیٹھ گئے۔ قریب ہی حمام رکھا ہوا تھا اپنے ہاتھ سے حمام باندھا۔ اس وقت اتنے تندرست معلوم ہو رہے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے اُسے سے کہا کہ ذرا اپنی باجی سے کہو کہ وہ بھی جھانک کر دیکھ لیں کتنے اچھے اور تندرست معلوم ہو رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب آدھ گھنٹہ تک بیٹھے رہے اور ہم سب گھر والوں کو اطمینان دلا کر چلے گئے۔ چونکہ حضرت کی حالت کی طرف سے کافی اطمینان ہو چکا تھا۔ مولوی عمر احمد صاحب شام کو ایک جگہ کام چلے گئے اور کہہ گئے کہ حضرت کو آٹھ بجے تک کھانے سے فارغ کر دیا جائے تاکہ نوبتے تک دوائیں وغیرہ دی جاسکیں اور نوبتے کے بعد آرام اور نیند کر سکیں۔ سوا آٹھ بجے تک مولوی عمر احمد بھی گھر واپس آ گئے اور اُسے ہی دریافت کیا کہ حضرت نے کھانا کھالیا ہے؟ معلوم ہوا کہ نہیں انہوں نے باجی صاحب سے کہا کہ آپ نے اباجی کو کھانا کھلادیا ہوتا۔ باجی صاحب نے کہا کہ وہ ہمارے ہاتھ سے کھاتے کہاں ہیں وہ تو آپ ہی کے ہاتھ سے کھاتے ہیں۔ مولوی صاحب موصوف نے حریرا اُترا کر ٹرے میں رکھا اور عرض کیا کہ کھانا کھا لیجئے۔ فرمایا۔ لے آؤ۔ مولوی صاحب نے سہارا دے کر بٹھا دیا۔ ٹرے سامنے رکھ دی۔ چمچ سے اطمینان کے ساتھ حریرہ کھایا۔ مولوی صاحب نے باجی صاحب سے ہنس کر کہا کہ دیکھئے اباجان ماشاء اللہ خود اپنے ہاتھ سے کھا رہے ہیں۔ آپ سے اتنا بھی نہیں ہوتا کہ کھانا ان کے سامنے لا کر رکھ دیں تاکہ وہ اپنے ہاتھ سے کھانے سے فارغ ہو جائیں۔ مولوی صاحب کی اس بات پر حضرت نے اُن کی طرف دیکھا اور پھر مسکرائے۔ اس کے بعد عشاء کی غازی پڑھی، غازی سے فراغت کے بعد دوائیں دی گئیں۔ ساری دوائیں خود کھائیں۔ نوبتے نبض دیکھ کر ڈاکٹر صاحب کو رپورٹ دی۔ نبض

بالکل صحیح تھی۔ پھر دودھ پینے کے لیے عرض کیا لیکن آج رات دودھ پینے سے انکار فرمادیا۔ پلانے پر اصرار نہیں کیا گیا کیونکہ شام کو موسیٰ کے جوس کا گلاس پلایا جا چکا تھا سب گھر والے پورے اطمینان کے ساتھ رات کو دس بجے جبکہ مولانا بھی سو چکے تھے اپنے اپنے بستر میں چلے گئے اور سو گئے۔

تاریخ اور وقت وفات | ۸ دسمبر صبح کو پانچ بجے کے قریب مولانا نے باجی صاحب سے پیشاب کرانے کے کہا۔ چنانچہ

انہوں نے پیشاب کر لیا اس کے بعد پھر لیٹ گئے اور انگلیوں پر کچھ پڑھتے رہے۔ مولانا کی یہ عادت تھی کہ عقد انازل کے ساتھ انگلیوں پر کچھ پڑھتے رہتے تھے کیا ایک فرمایا کہ مجھے گرمی لگ رہی ہے۔ لحاف اتار دو۔ باجی صاحبہ کو لحاف اتارنے میں تامل ہوا لیکن حضرت نے اصرار فرمایا۔ آخر انہوں نے لحاف اتار دیا۔ اس کے بعد پھر کچھ پڑھتے رہے۔ پھر فرمایا کہ مجھے بٹھاؤ۔ چنانچہ باجی صاحبہ نے سہارا دے کر بٹھانا چاہا۔ ابھی بیٹھنے نہیں پائے تھے کہ دوسرے فرمایا میں جا رہا ہوں میں جا رہا ہوں اور روح قفسِ عمری سے پرواز کر گئی انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جسم کا سارا بوجھ باجی صاحبہ کے ہاتھ پر پڑا انہیں کچھ احساس ہوا۔ انہوں نے فوراً مولوی عمر احمد صاحب کو آواز دی کہ جلدی آؤ کہ دیکھو حضرت کو کیا ہوا؟

مولوی صاحب بھاگے آئے۔ نبض دیکھی تو نبض نہیں تھی۔ مرتضیٰ سلمہ کو آواز دی انہوں نے نبض دیکھی انہیں بھی نبض نہیں ملی۔ فوراً ٹیلیفون کے ذریعہ ڈاکٹر کو اطلاع دی اور انہیں فوراً آنے کی ہدایت کی۔ گھر کے سب لوگ حضرت کے گرد جمع ہو گئے۔ سب بار بار نبض دیکھ رہے تھے کیونکہ اس سے قبل ایک دن پہلے ایسا ہی دھوکہ ہو چکا تھا۔ لیکن اب نبض کا کہیں نشان نہ تھا۔ ڈاکٹر صاحب بھی

اُگئے اور اُدھ گھنٹہ تک دل کا معائنہ وغیرہ کم کے مصنوعی تنفس جاری کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ آخر انہوں نے بھی کہہ دیا کہ موت کا کوئی علاج نہیں۔ میں نے کل دو بجے دن دیکھ کر کہا تھا کہ ہر چیز ٹھیک تھی۔ مگر اب صبر کیجئے۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

بعد وفات جسم مبارک کا حرکت کرنا | مولانا عمر احمد صاحب اس واقعہ فاجعہ کی عزیزوں اور حضرت کے

متوسلین اور اجابت کو ٹیلیفون پر اطلاع کر رہے تھے۔ اُدھ گھنٹہ گزرا ہوا گا کہ حاجی صاحبہ تشریف لائیں اور ناراض ہونے لگیں کہ یہ تم کیا کر رہے ہو؟ حضرت زندہ ہیں ان کا جسم اب تک گرم ہے ان کی انگلیاں اب تک حرکت کر رہی ہیں جیسے وہ کچھ معمول کے مطابق پڑھ رہے ہوں۔ انگلیوں کی حرکت کی گھر کے دوسرے لوگوں نے بھی شہادت دی۔ مولوی عمر احمد صاحب نے خود بھی دیکھا بدن واقعی گرم تھا آخر پھر ڈاکٹر صاحب کو اطلاع دی گئی انہوں نے کہا بدن تو اس لیے گرم ہے کہ لحاف اوڑھا رکھا ہے اور انگلیوں کی حرکت سمجھ میں نہیں آتی۔ ہو سکتا ہے کہ انگلیوں کے پوروں میں ابھی تک کچھ جان ہو اب اس جواب سے مایوسی ہوئی۔

وفات کی اطلاع اور دفن کی جگہ متعین کرنا | مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کو ٹیلیفون کرنے کی کوشش

کی گئی سب سے پہلے یہ بات طے کرنے کی تھی کہ حضرت کو دفن کہاں کیا جائے۔ مولانا احتشام الحق صاحب کے یہاں گھنٹی بجتی رہی کسی نے ٹیلیفون نہیں اٹھایا۔ پھر مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کو ٹیلیفون کیا۔ مفتی صاحب سے بات ہو گئی۔ پھر محمد اقبال صاحب ایڈووکیٹ کو اطلاع دی جو حضرت کے معتقدین میں سے ہیں اور اُن سے کہا کہ آپ

فوراً اپنی گاڑی میں مولانا احتشام الحق صاحب کے ہاں جائیے اور انہیں اطلاع کر دیجئے۔ چند منٹ بعد مولانا احتشام الحق صاحب تقانوی کا فون آیا کہ میں فوراً آ رہا ہوں۔

**حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کی پیش کش** | حضرت مفتی صاحب قبلہ کا دوسرا فون آیا کہ انہوں نے پیش کش

فرمائی مدرسہ دارالعلوم لاندھی کے قبرستان میں جہاں علماء اور صلحاء مدفون ہیں حضرت کی تدفین کا وہاں انتظام کیا جائے۔ تھوڑی دیر میں مولانا احتشام الحق اور مولوی احتشام الحق صاحب آگئے۔ یہ مسئلہ ان کے سامنے پیش کیا گیا اور حضرت مفتی صاحب کی خواہش کا بھی ذکر کر دیا۔

**موجودہ جگہ کی دفن کے لیے وجہ تمیز** | انہوں نے مشورہ دیا کہ سب سے موزوں ترین جگہ پاپوش نگر ظلم آباد

کا قبرستان ہے۔ جہاں حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب جمپوروی اور حضرت حکیم الامت تقانوی کے بھتیجے مولانا شبیر علی تقانوی مرحوم مدفون ہیں اگر ان کے ساتھ ہی اس احاطہ میں انتظام ہو جائے تو سب سے بہتر ہے۔ ورنہ سوسائٹی کے قبرستان میں حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری رحمہ اللہ علیہ وغیرہ کے ساتھ دفن کیا جائے۔ کیونکہ حضرت مولانا مرحوم کو حضرت تقانوی قدس سرہ کے خلفاء میں حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب الہ آبادی اور حضرت جمپوروی کے ساتھ سب سے زیادہ قریبی تعلق اور انس تھا اور بچپن سے آخر وقت تک تمام رشتہ داروں میں سب سے زیادہ انسیت مولانا شبیر علی کے ساتھ تھی اس لیے ان دونوں حضرات کے قرب کو پسند کیا گیا۔ ویسے بھی یہ قبرستان جائے قیام سے قریب تھا اور تسہیل

قبرستان میں دفن کرنے میں سنت کی زیادہ موافقت تھی۔

**دفن کی جگہ کا انتخاب** | مولانا احتشام الحق صاحب نے کہا کہ میں دونوں ہی قبرستانوں میں خود جا کر دیکھتا ہوں کہ وہاں گنجائش

ہے یا نہیں اور پھر اس کی کوشش کرتا ہوں۔ چنانچہ دیکھا گیا کہ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی بھولپوری کے احاطہ میں گنجائش موجود تھی۔ چنانچہ مولانا موصوف نے حضرت شاہ صاحب کے در ثاء سے رابطہ قائم کیا اور انہوں نے انتہائی خوش دلی کے ساتھ اسے منظور کر لیا اور اجازت دے دی۔ چنانچہ تقریباً نو بجے مولانا احتشام الحق صاحب نے اطلاع دی کہ پاپوش نگر کے قبرستان میں انتظام ہو گیا ہے۔ اب غسل اور تکفین کا انتظام کیا جائے تاکہ تین بجے تدفین عمل میں آسکے۔ ریڈیو ٹیلی ویژن کو بھی اطلاع بھجوا کر تین بجے کوٹھن کا اعلان کر دیا گیا۔

کراچی میں جو اعزہ اور حضرت کے متوسلین موجود تھے ان کے ٹیلیفون معلوم تھے ان کو فوراً فون کر کے اطلاع دینی شروع کی۔ راولپنڈی میں دونوں پھوٹے صاحب زادوں اور ٹوبہ ٹیک سنگھ میں بڑی صاحبزادی اور منجھلے صاحبزادے مولوی قمر احمد سلمہ کو اور ٹنڈوالہار میں بڑی باجی اور اہل مدرسہ کو ٹیلیفون سے اطلاع دے دی گئی۔ کراچی میں جس نے بھی یہ خبر سنی حیرت زدہ رہ گیا۔ کیونکہ یہاں کسی کو اب تک نہ صرف حضرت مولانا رحمہ اللہ علیہ کی تشریف آوری کی اطلاع تھی اور نہ علالت کی جس نے سنا اچانک وفات کی خبر ہی سنی۔ اس لیے ہر شخص کو بے انتہا رنج ہوا۔

**غسل و کفن** | حضرت کے متوسلین میں بہت سے لوگ آپکے تھے۔ بھائی محمد اقبال صاحب ایڈووکیٹ، بھائی حاجی محمد امین صاحب کو کفن اور ضروری

اشیاء خریدنے کے لیے کہا گیا۔ مولانا نود احمد صاحب سربراہ انجمن دعوت الحق کراچی بھی اُچکے تھے۔ اُن کی نگرانی میں علماء و صلحا نے اپنے ہاتھوں سے کفن بنایا۔ گھر کے برآمدہ میں حضرت کے آخری غسل دینے کا انتظام کیا گیا تھا۔ ایسے ہی کچھ خوش قسمت علماء اور اصحاء نے حضرت کو غسل دیا۔ چنانچہ دن کے ایک بجے جنازہ تیار ہو کر کمرے میں لا کر رکھ دیا گیا۔

**آخری زیارت** لوگ باری باری آخری زیارت اور ایک جھلک دیکھنے کے لیے کمرے میں آ رہے تھے اور زیارت کر کے وہاں سے ہٹتے جاتے تھے۔

ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر دن کے ایک بجے سے خبروں کے ہر بلٹن میں حضرت کے وصال کا اعلان ہوتا رہا اور اس سے پہلے صبح کو سات بجے کے بعد ریڈیو پر مختصر اعلان کر دیا گیا تھا۔

لوگوں نے بتایا کہ دس بجے کے بعد ریڈیو پاکستان کراچی نے اپنا پروگرام روک کر پانچ منٹ کا ایک بلٹن بھی نشر کیا تھا جس میں حضرت مولانا مرحوم کے حالات زندگی کا تذکرہ تھا۔

**نماز جنازہ کا اجتماع** نماز ظہر کے بعد تقریباً اڑھائی بجے دن جنازہ گھر سے روانہ ہوا۔ بعض نے جنازہ کو بس میں لے

جانا چاہا مگر مجمع نے منع کر دیا۔ اور جنازے کو پیدل پاپوش ننگ لے جایا گیا۔ جنازہ میں دارالعلوم اور نیوٹاؤن کے مدرسہ عربیہ کے طلبہ اور علماء کے علاوہ مجمع کافی تھا۔ کراچی شہر ہی کے نہیں بلکہ پاکستان کے تین چوٹی کے علماء حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت مولانا احتشام الحق صاحب متانوی

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری، حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے  
دو خلفاء طریقت یعنی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم اور قبلہ ڈاکٹر عبدالحی  
صاحب بھی موجود تھے۔ ان میں سے ہر شخص اپنی جگہ علم و فضل اور زہد و تقویٰ کے  
کا ایک پہاڑ ہے۔

**نماز کی امامت** | چونکہ فقہاء نے امامت نماز کے لیے زیادہ علم والے کو  
ترجیح دی ہے اور اس مجمع علماء اور صلحا میں درجہ و  
تقویٰ کے ساتھ علم و فضل میں درجہ کمال ظاہر ہے کہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب  
رحمہ اللہ علیہ کو حاصل تھا اس لیے حضرت مولانا مرحوم کے بڑے صاحب زادہ مولانا  
عمر احمد صاحب عثمانی نے مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کے مشورے سے حضرت  
مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سے نماز پڑھانے کی درخواست کی۔ حضرت مفتی صاحب نے  
درخواست کو شرف قبولیت بخشا اور نماز کی امامت فرمائی۔ گو اس وقت امامت  
کے لیے اس انتخاب کا فیصلہ علم و فضل کی بنیاد پر ہی کیا گیا۔ مگر قدرتی طور پر یہ  
بہت ہی مناسب اور موزوں فیصلہ تھا۔ کیونکہ حضرت مولانا مرحوم رحمۃ اللہ علیہ کو  
حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری کے بعد حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ  
کے خلفاء میں جس قدر تعلق خاطر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ علیہ سے  
تھا وہ کسی دوسرے سے نہ تھا۔

دفن کی جگہ کا انتخاب، نماز جنازہ کی امامت کے لیے انتخاب، کفن سینے  
اور غسل دینے کا انتظام یوں معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت مولانا مرحوم کی طرف سے  
آپ سے آپ ہی ہوتا چلا گیا۔

قبر میں اُتارنا | اب قبر میں جسد مبارک کے اُتارنے کا مرحلہ آیا تو یہ انتخاب

بھی حضرت مولانا مرحوم کی عین مرضی کے موافق ہی تھا۔ چنانچہ مولانا عمر احمد صاحب اور مولوی مرتضیٰ سلمہ دونوں صاحب زادوں اور عزیزینہ مُشیر علی سلمہ، مولانا شبیر علی تھانوی کے بڑے صاحب زادے، مدرسہ دارالعلوم ٹنڈوالہار کے مفتی مولانا محمد وجیہ صاحب نے حضرت کو قبر میں اُتارا۔ ان سب لوگوں کے متعلق پہلے سے طے نہیں کیا گیا تھا مگر حضرت مولانا مرحوم کا روحانی تصرف معلوم ہوتا ہے کہ موقع پر خود بخود بالکل مناسب اور موزوں اشخاص اس کام کے لیے تجویز ہوتے چلے گئے۔

غرضیکہ اس علم و معرفت کے کہ تقدیر خدینہ کو زیر زمین اُتار کر اور علم و عمل کے اس گراں مایہ گنجینہ کو دفن کر کے ہمیشہ کے لیے خیر باد کہا اور تمام اعزہ اور متوسلین گمہ دہیں تھکائے اپنے کو سراپا تصویر حسرت و حرماں بنائے خاموشی کے ساتھ واپس آ گئے۔

اللہ! اللہ! وہ بھی کیا منظر ہو گا جب حضرت مولانا مرحوم اس خزانہ علم و معرفت کو سپرد خاک کر کے خالی ہاتھ واپسی ہوئی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا مرحوم کے حق خاتمہ کے طفیل ہم سب کو بھی حق خاتمہ کی لازوال دولت نصیب فرمائے۔ اور حضرت مولانا مرحوم کی محبت و عقیدت کی برکت سے جنت الفردوس میں محبت دائم عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

حدیث شریف میں ہے کہ :-

”موت انسان کا عمل منقطع کر دیتی ہے۔ صرف تین چیزیں رہ جاتی ہیں صدقہ جاریہ اور علم جس سے انتفاع ہو۔ اور اولاد صالح جو اُس کے حق میں دُعا کرے۔“

حضرت مولانا مرحوم کے علوم و معارف اور آپ کی کتابوں سے تو امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ عرصہ دراز تک انتفاع ہوتا رہے گا۔ باقی صلی اولاد صالح کے علاوہ حضرت مولانا مرحوم رحمۃ اللہ علیہ کے متوسلین اور محبین کی ایسی معنوی اولاد کثیر تعداد میں موجود ہے جو حضرت مولانا مرحوم قدس سرہ کی مغفرت اور ارفع درجات کے لیے ہمیشہ دست بدعا رہتا خود اپنے لیے باعث سعادت تصور کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب خدام کو اس دعا کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین۔

اللہم اغفر لہ وارفع درجۃ فی العالمین و اعقبنا منہ

عقبۃ حسنة وارفع لہ فی قبرہ لود المرصیۃ آمین یا رب العالمین!

اب یہ احقر جملہ ناظرین سے کہ نصحت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی امداد اور حضرت مولانا مرحوم کی برکت سے جس طرح بھی بن سکا ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں اس تذکرہ اور سوانح حیات کو پورا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ اس ناچیز کی اس حقیر خدمت کو مقبول و نافع فرمائے اور جو لغزشیں اور کوتاہیاں اس کے لکھنے میں اس ناکارہ ادارہ سے سرزد ہوئی ہوں ان کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے معاف فرمائے۔ آمین۔ یادب العالمین بحمۃ سید المرسلین و خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین و اخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔



## حضرت مولانا مرحوم ہمعصر علماء کرام اور مشائخ عظام کی نظر میں

حضرت مولانا مرحوم کو اپنے ہمعصر حضرات علمائے کرام اور مشائخ عظام کا بڑا اعتماد حاصل رہا ہے۔ اکابر علمائے کرام کی نظر میں آپ انتہائی رفیع اور بلند و بالا مقام پر فائز تھے۔

حضرت مولانا شیخ خلیل احمد سہارنپوری کے خصوصی تعلقات کے کئی واقعات تذکرۃ الخلیل میں مذکور ہیں اور بعض واقعات اس تذکرہ میں بھی گنرہ چکے ہیں۔ ایک واقعہ جس سے حضرت مولانا سہارنپوری کے اعتماد اور خصوصی تعلق کا اظہار ہوتا ہے ذیل میں درج کیا جاتا ہے:-

”حضرت مولانا سہارنپوری جس زمانہ میں ابوداؤد شریف کی شرح بذل المہجود کی تالیف میں مشغول تھے مولانا مرحوم جب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے تو حضرت بذل کے خاص مقامات دیکھنے کی ہدایت فرماتے اور یہ بھی فرماتے کہ ذرا اسکی عربیت پر بھی نظر کر لیں“ (تذکرۃ الخلیل)

حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے علامہ سید سلیمان ندوی کے اس خط کے جواب میں جو انہوں نے حضرت مولانا مرحوم کے رسالہ کشف الدجی کو ملاحظہ کر نیچے بعد حضرت کی خدمت میں لکھا تھا عبارت کے تعلق جو ارشاد فرمایا ہے اس سے میں کاتب عبارت کا زیادہ معتقد ہو گیا کہ ماہر کی شہادت ہے“ (تذکرہ سلمان مٹہ)

مطلب واضح ہے کہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کاتب عبارت ست مولانا

ظفر احمد مرحوم کے معتقد تو پہلے ہی تھے مگر ایک ماہر سید سلیمان ندوی کی شہادت کے بعد زیادہ معتقد ہو گئے۔ اللہ اکبر! کیا ٹھکانہ ہے مولانا مرحوم کے مرتبہ اور مقام کا کہ حضرت حکیم الامت کی نظر مبارک میں۔ اعلاء السنن کے حصہ رابع کے ملاحظہ فرمانے کے بعد حضرت حکیم الامت نے مولانا مرحوم کے حق میں دُعا اور مدح کے ساتھ اظہار مُسرت کے طور پر مولانا مرحوم کو ایک چادر بھی عنایت فرمائی تھی جس کا اظہار حضرت حکیم الامت نے اپنی تقریظ میں بھی ان الفاظ کے ساتھ فرمایا ہے :-

« علانی سروراً اضطررت الی اظہار لا قولاً بعدائی للمولوت ومدھی

للمولوت وفعلاً باعطاء دوائی له لادخال السرور علیه »

(اعلاء السنن حصہ ۴ ص ۲۹ طبع ہند)

مولانا مرحوم کے ڈھاکہ چلے جانے کی وجہ سے کچھ عرصہ تک احکام القرآن کی تالیف کا کام بند رہا۔ حضرت حکیم الامت تھانوی نے اس پر افسوس کا اظہار فرمایا تو مولانا مرحوم نے اس سلسلہ کو پھر شروع کر دیا چنانچہ ۲۰ ربیع الاول ۱۲۶۱ھ بروز جمعہ احکام القرآن عربی کی دوسری دفعہ تالیف کا کام جب حضرت مولانا مرحوم نے شروع کیا تو اس خوشی میں حضرت حکیم الامت تھانوی کے عربی خطبہ کے ذیل کے چند فقرے حضرت مولانا مرحوم کے تبحر علمی کے ساتھ موصوف کے مقتدار اور پیشوا ہونے پر بھی حضرت حکیم الامت تھانوی کی طرف سے بہت بڑی وزنی شہادت ہے۔ حضرت تھانوی فرماتے ہیں :-

الحمد لله الذی وفق بعد اشاداتی ابن اختی "اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُس نے میرا شاہ پر میرے بھائی کو

الذی هو باذن الله تعالى العلوم الذین ینبوع جو بحمد اللہ تعالیٰ علوم دین کا سرچشمہ ہیں اور طالبان خیر کے

ولودا الخیر متبوع المشہر مولوی ظفر احمد لعل پیشوا جو مولوی ظفر کے نام سے مشہور ہیں۔ اس

هذا المجموع ۱ - (انوار النظر ص ۲) کتاب کی تالیف پر توفیق دی "

حضرت حکیم الامت تھانوی کی بارگاہ میں مولانا مرحوم کا جو مقام عقادہ توان الفاظ  
مذکورہ سے ظاہر ہے ہی مگر اس کے علاوہ رسالہ القول المنصور پر حضرت حکیم الامت  
نے جو تقریظ تحریر فرمائی ہے اس میں تو مولانا مرحوم کی مدح اور توصیف میں ایسے  
کلمات ارقام فرمائے ہیں کہ اس سے بڑھ کر مستور نہیں۔ فرماتے ہیں ”مختصر ایدہ کہ میں  
خود ایسے طرز سے لکھنے پر قادر نہ تھا کہ بروئے حدیث ابن اخت القوم منہم وہ ہاتھ  
بھی ٹکنا میرے ہی ہاتھ ہیں مگر قارئین کے درجہ میں ان مولف کا نام مولوی ظفر احمد سلمہ  
ہے جن کا ذکر میں ایک شعر بدی اور ایک شعر دعائی پر ختم کرتا ہوں۔

دھماکہ ان مدح توحیف است باز ندانیاں      گویم اندر مجمع روحانیان

ساعتہ مسکن این باز باد !      تا ابد بر خلق این در باز باد

(النور جادی الاول ۱۳۴۰ھ)

علامہ زاہد الکوثری مصری کی اعلاء السنن پر جو مفصل تقریظ  
مجلۃ الاسلام بابت ماہ شعبان ۱۳۴۰ھ میں شائع ہوئی تھی اس کا اقتباس  
حسب ذیل ہے۔ حضرت علامہ کوثری کے نزدیک حضرت مولانا مرحوم کی علم حدیث  
میں وسعت نظری کا اندازہ اس اقتباس سے لگایا جاسکتا ہے۔ یہ بھی ملحوظ  
رہے کہ یہ دنیائے اسلام کے ایسے وسیع النظر اور متبحر عالم کا بے لاگ تبصرہ  
ہے جن کا حضرت مولانا مرحوم رحمہ اللہ علیہ سے کوئی رسمی تعلق ملاقات وغیرہ  
کا بھی نہیں رہا ہے۔ وہ شخصیت کے دیکھے بغیر صرف حضرت مولانا کی کتاب کو  
ہی اس قدر متاثر ہوئے ہیں :

اقتباس کی عبارت حسب ذیل ہے :-

وهذا العالم الجليل قد اشار الى تلميذه  
 وابن اخته المتخو ج في علوم الحديث  
 لديه المحدث الناقد الفقيه البارع  
 مولانا ظفر احمد التهانوي ذات  
 مائتة اثنى عشر في ادلة ابواب الفقه  
 بجميع احاديث الاحكام في الابواب  
 من معاد مصعبة المثال مع الكلام على  
 كل حديث في ذيل كل صفحة بما تقتضي  
 به منعة الحديث من تقوية وتوحيين  
 واخذ ورد على اختلاف المذاهب  
 فاشتغل هذا العالم الغيور بهذه المهمة  
 الشاقة نحو عشرين سنة اشتغالا لا مزيد  
 عليه حتى اتم مهمة بغاية من الاجادة  
 بتوفيق الله سبحانه في عشرين جزء  
 الطيفا بقطع اثار السنن وسمى كتابه  
 هذا اعلاء السنن وجعل له في جزو فاص  
 مقدمة به يعل في اصول الحديث  
 نافعة للغاية في بابيه والحق ان يقال  
 اني دهشت من هذا الجمع وهذا  
 الاستقصاء ومن هذا الاستيفاد البالغ

” اور اس (حکیم الامت تھانوی) عالم جلیل نے  
 اپنے شاگرد رشید اور مجاہد کو جنہوں نے علوم حدیث  
 آپ ہی سے حاصل کئے اور محدث و ناقد اہل  
 فقیہ بارع ہیں یعنی مولانا ظفر احمد تھانوی ذات  
 مائتہ کو ارشاد فرمایا کہ مذہب حنفیہ دلائل کی تکمیل  
 تمام ابواب فقیہ میں اس طرح کریں کہ جس قدر  
 کتب حدیث اس وقت میسر آئیں۔ سب سے  
 حنفیہ کے استدلال کو ابواب فقیہ کی ترتیب پر  
 جمع کر دیں اور ہر حدیث پر فن حدیث کے اصول  
 کے موافق جرح و تعدیل کے کام کریں چنانچہ یہ عالم  
 غیور اس عظیم الشان مہم کی خدمت میں تقریباً بیس  
 سال اس طرح مشغول رہے کہ اس سے زیادہ  
 اشتغال آج کل ممکن نہیں۔ یہاں تک کہ اس مہم کو  
 انتہائی خوبیوں کیساتھ پایہ تکمیل تک پہنچا دیا جو  
 آثار السنن کی تعلیق پر بیس جلدوں میں آئی ہے۔  
 اور اس کتاب کا نام اعلاء السنن رکھا اور ایک مستقل  
 جلد میں اس کتاب کا مقدمہ لکھا ہے جو اصول حدیث کی  
 ایک عجیب نادر کتاب اور اس باب میں بہت ہی نافع  
 ہے اور سچی بات کہنی پڑتی ہے کہ میں ان کے اس  
 جمع اور استیعاب نیز ہر حدیث پر متنا و سندا

فی الکلام علی کل حدیث بما اتفقوا به الصلۃ  
 محتثا وسندا من غیر ان یبدو  
 علیہ آثار التکلف فی تائید مذہبہ  
 بل الانصاف فائدہ عند الکلام علی  
 آراء اهل المذہب فامتیلت به  
 غایۃ الاعتباط ویکذا تحکون  
 حمۃ الرجال وصبر المابطل دعال  
 اللہ بقائہ فی خیر وعافیۃ  
 وفقہ لتالیف امثاله من  
 المؤلفات النافعه

محمد ثناء کلام سے جو فن حدیث کا تعاملاً تھائرت  
 میں پڑ گیا کیونکہ اس میں جو کلام کیا گیا ہے کسی جگہ  
 اس میں اپنے مذہب کی تائید میں تکلف کے آثار  
 ظاہر نہیں ہوئے بلکہ اہل مذہب کی اُدار پر رحم کرتے  
 ہوئے ہر جگہ انصاف کو اہم بنایا گیا ہے مجھے اس خاص  
 طرز تعین سے انتہائی رشک پیدا ہوا مردوں  
 کی ہمت اور بہادری کی جھانکشی ایسی ہی ہونی  
 چاہیے اللہ تعالیٰ ان کی عمر بخیر وعافیت  
 دے اور ان کے اور ایسی ہی نافع کتابوں کی تالیف کی  
 ان کو توفیق بخشے

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ

اوپر گزرنے والے صاحب کاندھلویؒ  
 مولانا مرحوم رحمۃ اللہ علیہ  
 حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی عیادت کے لیے دہلی گئے تھے مگر وہاں جا کر حضرت  
 مولانا دہلویؒ کی خواہش پر حضرت مولانا مرحوم کو ایک ماہ قیام کرنا پڑا۔ حضرت دہلویؒ  
 کا یہ آخری مرض وفات تھا۔ حضرت مولانا مرحوم نے اسی زمانہ قیام میں حضرت دہلویؒ  
 کے ملفوظات بھی قلمبند فرمائے تھے جو مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کے رقم کردہ ملفوظات  
 کے ساتھ طبع ہو گئے ہیں۔ مولانا مرحوم کی اس آخری ملاقات کا تذکرہ مولانا کی قلم ہی  
 سے سنئے۔ ارقام فرماتے ہیں۔

”آخری دفعہ جیب وسطہ جون میں حاضر ہوا تو دیکھتے ہی فرمایا

یہ لبیم رسیدہ جانم تو بیا کہ زندہ مانم پس ازان کہ من نہ مانم پھر کارخانہ

مُجھ پر اتنا اثر ہوا کہ ابدیدہ ہو گیا۔ پھر فرمایا کہ وعدہ بھی یاد ہے؟ (میں نے یہ وعدہ کیا تھا کہ کچھ دن تبلیغ میں دوں گا) عرض کیا یاد ہے، مگر اس وقت تو دہلی میں گرمی بہت ہے رمضان میں تعطیل ہوں گی۔ بعد رمضان کے وقت دوں گا۔ فرمایا تم تو رمضان کی باتیں کرتے ہو یہاں شعبان کی بھی اُمید نہیں۔ میں نے عرض کیا بہت اچھا اب میں رہ گیا ہوں۔ آپ دل بُرا نہ کریں۔ میں ابھی تبلیغ میں وقت دوں گا۔ یہ سن کر چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ میرے گلے میں باہیں ڈال دیں اور پیشانی کو بوسہ دیا اور دیر تک اپنے سینہ سے لگائے رکھا اور بہت دعائیں دیں۔“

(ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس ص ۳)

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے مولانا مرحوم کے پاس پیغام بھیجا کہ میں اپنے متعلقین میں سے آٹھ آدمیوں کو قابلِ خلافت سمجھتا ہوں آپ اور مولانا عبدالقادر رائے پوری اور مولانا محمد ذکریا شیخ الحدیث ان کو خلافت دیدیں اور ان میں سے ایک کو میری جگہ رہنے کے لیے منتخب کر دیں۔ تینوں مذکورہ حضرات نے بالاتفاق حضرت مولانا محمد یوسف صاحب مرحوم کو جانشینی کے لیے منتخب کر دیا اور سب کو حضرت دہلوی کی طرف سے خلافت دے دی۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے مذکورہ تینوں بزرگوں کو تبلیغی جماعت کا سرپرست بنایا اور مولانا مرحوم سے فرمایا کہ اس جماعت میں شغل تبلیغ کی وجہ سے ذکر اللہ کی کمی آگئی ہے آپ ان کو ذکر کی تلقین کر دیں اور ان سے کہہ دیں کہ ایک مدت تک مائے پور کی خانقاہ میں ذکر کی تکمیل کریں کیونکہ خانقاہ رائے پور میں سکون زیادہ ہے۔ مولانا نے کہا کہ پھر شاہ عبدالقادر صاحب کو بھی فرما دیا جائے کہ وہ ان سب کو ذکر کی تلقین کر دیں۔ مولانا دہلوی نے فرمایا کہ مولانا پر نقشہ بندیت

غالب ہے اور آپ پر چشتیت غالب ہے اور چشتیت اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے حضرت مولانا دہلوی کے ارشاد کے موافق مولانا مرحوم نے ان حضرات کو ذکر اللہ کی تعلیم دے کر خالقاہ رائے پور جانے کی ہدایت کر دی “

(انوار النظر ص ۲۹ جلد ۲)

حضرت مولانا مرحوم نے حضرت مولانا دہلوی کے ارشاد مذکور کی وجہ میں اس طرح تحریر فرمایا ہے :-

” نقشبندیہ کے یہاں تصور شیخ پر بہت زور دیا جاتا ہے جو چشتیہ کے مذاق توحید پر گراں ہے “

(انوار النظر ص ۲۹ ج ۲)

تصور شیخ کی جو اصل حقیقت ہے اور مشائخ طریقت کے نزدیک اس کا جو صحیح درجہ ہے اس کو حضرت مولانا مرحوم نے اپنے مکتوب بنام مودودی صاحب میں بڑی خوبی کے ساتھ واضح اور بیان فرما دیا ہے۔ جن کا ذکر اوپر باب تصوف میں اچکا ہے۔ مولانا محمد الیاس صاحب مولانا مرحوم کے اپنے پاس قیام کو بڑا باعث تسکین تصور کرتے تھے۔ چنانچہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی جو خود بھی حضرت مولانا دہلوی کے آخری ایام میں موصوف کی صحبت میں مقیم تھے اپنی کتاب ”دینی دعوت“ میں آخری ہیبت کے زیر عنوان لکھتے ہیں۔ ”ان دنوں مولانا ظفر احمد صاحب کا بھی قیام تھا اور وہی گویا کہ علاج کے نگران و مشیر تھے علم مجالس اور اجتماعات میں عموماً دینی خطاب کرتے اور جلسوں میں وعظ و تقریر فرماتے۔ مولانا ان کے قیام سے بڑی تسکین اطمینان محسوس کرتے تھے“ (دینی دعوت ص ۱۵۴)

پھر ص ۱۵۶ پر تبدیلی علاج کے سلسلہ میں لکھتے ہیں: یونانی علاج تبدیل ہوا

تو مولانا ظفر احمد صاحب کے مشورہ سے بایو کیمک علاج شروع ہوا۔

آگے لکھتے ہیں ”مولانا اہل دہلی اور تجارت سے تعلق رکھتے رہتے تھے کہ وہ مولانا ظفر احمد صاحب کی موجودگی سے فائدہ اٹھائیں، جیسے کہ میں اور مولانا سے تقریریں کرائیں۔ ان حضرات کے اہتمام سے شہر میں کئی جلسے ہوئے۔ آخری چار شنبہ کے جامع مسجد والے جلسہ کے علاوہ، حوض والی مسجد، کالی مسجد (ترکمان دروازہ) بنے کی سرائے والی مسجد، قصاب پورہ اور جامعہ ملیہ میں جلسے ہوئے جن میں حضرت مولانا ظفر احمد صاحب اور دوسرے مقررین نے تقریریں کیں“ (ص ۶۷)

**مولانا الیاس صاحب کا مدحیہ کا ارشاد** | حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی وفات کے بعد

جب حضرت مولانا مرحومؒ حضرت مولانا الیاس صاحب کا مدحیہ کی عیادت کے لیے دہلی گئے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے تو حضرت مولانا نے مولانا مرحوم کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ مجھے یہ سن کر بڑی خوشی ہوئی کہ حضرت حکیم الامت نے انتقال سے پہلے آپ کو مبارکباد کے ساتھ بڑی بشارت دی ہے۔ ہماری نظر میں آپ بشارت سے پہلے بھی بڑے درجہ میں تھے مگر یہ بشارت بتلاتی ہے کہ حضرت آپ سے راضی گئے ہیں اور یہ بڑی دولت ہے۔ آپ نے حدیث میں پڑھا ہوگا کہ حضرت عمرؓ نے اپنے انتقال کے وقت خلافت کا معاملہ جن چھ حضرات کے سپرد فرمایا ان کی فضیلت میں یہی فرمایا تھا ”تو حق رسول اللہ وهو عنہم“ دامن“ کہ یہ چھ حضرات وہ ہیں جن پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہو کر تشریف لے گئے ہیں۔“

یہ بشارت نامہ واقعی ایک دولت خداداد تھی جو حضرت مولانا کو اپنے شیخ سے حاصل ہوئی تھی۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت شیخ متھانوی کے قلب مبارک کو حضرت مولانا کے ساتھ کس قدر تعلق تھا اور پھر اخیر وقت تک یہ تعلق خاطر برابر قائم رہا۔ نیز مولانا کا ندھلوی کی نظر میں حضرت مولانا مرحوم کا کیا مقام تھا اور حضرت مولانا موصوف کے حضرت مرحوم کے ساتھ کیسے خصوصی مراسم اور تعلقات تھے اس کا اندازہ بھی اسی سے ہو سکتا ہے۔

مولانا سید احمد رضا صاحب بھنڈری نے اپنی بے نظیر شرح بحاری انوار الباری (اردو) کے مقدمہ کے شروع میں ص ۱ پر فتح الباری، عمدۃ القاری وغیرہ بلند پایہ شروح حدیث سے اپنے استقادات کا تذکرہ کیا ہے اور جن کتابوں کو سامنے رکھ کر ایک مجموعہ افادات اردو زبان میں مرتب کرنے کا خیال ظاہر کیا ہے۔ مولانا ممدوح نے ایسی کتابوں کے ساتھ حضرت مولانا مرحوم کی کتاب اعلاء السنن کا بھی شمار کیا ہے۔

نیز مولانا موصوف نے ہر دور کے محدثین کا ضروری اور مختصر تعارف کرانے کے لیے تذکرہ محدثین بھی لکھا ہے۔ اس کے حصہ دوم ص ۲۷۷ میں حضرت مولانا مرحوم کا تذکرہ بھی بڑی وقعت و عظمت سے کیا ہے اور حضرت مولانا مرحوم رحمہ اللہ علیہ کا تعارف ذیل کے الفاظ سے کیا ہے :-

» الشیخ الجلیل المحدث النبیل العلّامہ ظفر احمد التھانوی

حنفی دام ظلہ العالی « مشہور و معروف علّامہ

(انوار الباری ص ۲۷۷)

محدث ہیں «

شیخ الاسلام علّامہ شبیر احمد عثمانی

» مولانا ظفر احمد عثمانی حضور علیہ السلام کی نبابت کا حق ادا کر رہے ہیں «

## علامہ سید سلمان ندوی

مولانا سید سلمان ندویؒ مولانا مرحوم کے علم و فضل کے بڑے معترف تھے۔ مولانا ندویؒ جب حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے حلقہ اراکین میں شامل ہو گئے تو حضرت مولانا ظفر احمد صاحبؒ سے ان کے بڑے وسیع تعلقات ہو گئے تھے اور اسی تقریب سے مولانا مرحوم بزم معارف کے ایک اہم رکن ہو گئے تھے۔ مولانا کے مختلف موضوعات پر متعدد عالمانہ مضامین برابر معارف میں شائع ہوتے رہے۔

(رسالہ دارالعلوم دیوبند)

حضرت مولانا مرحوم کے رسالہ ”کشف الدجی“ پر تقریظ لکھتے ہوئے علامہ سید سلمان ندویؒ تحریر فرماتے ہیں۔

”فقد انعمت النظر فيما عظميراع الفاضل الجليل المولوى — ظفر احمد

تحاليفته قد اصاب المرحى — داحاط بالمعنى دا جاد فيما افاد وسدد فيما صداع —“

نیز مولانا مرحوم کے مضمون حقیقت معرفت کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”ایک مضمون ہمارے دوست مولانا ظفر احمد صاحب تھانویؒ ”اعلا السنن“ کا ہے۔

موصوف ادب عربی میں کامل اور دینیات میں ماہر ہیں۔ ”اعلا السنن“ کی ۱۹ جلدیں ان کی فضیلت پر شاہد عدل ہیں۔ چونکہ مجوزہ اجلاس معارف اسلامیہ کے نام سے پیش ہو رہا تھا اور موصوف علوم ظاہر کے ساتھ علوم باطن سے بھی مالا مال ہیں اس لیے اس موضوع پر موصوف کا خیال لفظ معرفت اور اسلام کی حقیقت باطنی کی طرف ملتفت ہوا۔

(معارف)

اس کے علاوہ مولانا مرحوم کے نام علامہ سید سلمان ندویؒ کے بہت سے منتخب معارف کے مختلف شماروں میں شائع شدہ ہیں جن سے آپس کے تعلقات پر

روشنی پڑتی ہے۔

مولانا سید مختار اللہ المدعو میرٹ شاہ

”مذموم اللہ المولیٰ الحکیم الامیر الشیخ الفاضل الواصل مولانا  
ظفر احمد فاضل سراج و قاضی الحاج الذمہ لما شہد بہ المتفتی  
ما اخترعہ من الدعوی و اقام علیہ الطاقۃ اکبری و اثبت فیما  
کشفہ من الدجی عن دجۃ الربوا“ الخ۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

”حضرت مولانا ظفر احمد صاحب اس وقت اُن چند بزرگ ہستیوں میں سے تھے جو  
برصغیر پاک و ہند میں انگلیوں پر گنی جاتی ہیں جو مدتوں اکابر علماء و مشائخ کی نظر میں رہے  
اُن کی صحبتوں سے مستفید ہو کر آفتاب و ماہتاب بن کر چلے۔ آج دُنیا میں ان کی مثالیں کہاں  
اور کس طرح پیدا ہوں۔ وہ عہد حاضر کے ائمہ فن علماء اولیاء و اقیانوس صفت میں ایک  
بلند اور ممتاز مقام رکھتے تھے۔ میرے اساتذہ کے طبقہ کے بزرگ تھے۔ اگرچہ اُن سے  
کچھ پڑھنے کی نوبت نہ آئی مگر ان کا مقام اپنے اساتذہ جیسا ہی سمجھتا تھا“

حکیم الاسلام مولانا قادی محمد طیب صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند

”حضرت مولانا عثمانی مرحوم برصغیر کے ممتاز علماء و فضلاء میں سے تھے۔ وہ ہم سب  
کے بزرگ اور مہربان تھے۔ اب ایسے عریق علم و فہم کے حامل محدث و مدبر اور علوم دینیہ،  
کے جامع ترین عالم کہاں پیدا ہوں گے۔ ان کی موت تمام عالم اسلام کی موت ہے۔ وہ  
اتباع سنت اور عظمت سلف کا خاص شغف رکھتے تھے۔ علوم شرعیہ اور مذہب  
باطلہ میں بہت سی کتب کے بہترین مصنف تھے۔ علمی دُنیا میں آپ کا ایک خاص درجہ  
اور مقام تھا۔ ادبیت اور عربی و فارسی کی ادبی قوت بی مثال تھی۔ عربی زبان میں بے مکان

اور بے تکلف بولتے تھے۔ عربی کے عظیم شاعر تھے۔ علوم فقہ و حدیث میں امامت کا مرتبہ حاصل تھا۔“  
(مکتوب گرامی)

### حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی

”حضرت سے مولانا مرحوم کے مرتبہ و مقام کے بارے میں ایک تحریر مولانا جناب انیس احمد صدیقی کی ذیل میں درج کر رہے ہیں۔ اس تحریر سے حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی مرحوم کے تاثرات حضرت مولانا مرحوم کے بارے میں واضح ہو رہے ہیں۔ وہ تحریر حسب ذیل ہے:-

”حضرت نقیبہ الامت مولانا عثمانی کا علمی مقام ان کے بلند پایہ شاگرد کی نظر میں: ایک مرتبہ میں نے حضرت استاذی مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی مرحوم و مغفور سے دریافت کیا کہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی مرحوم کا علمی مقام معاصرین میں کیا ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ میں ان کا شاگرد ہوں اور میری طرح سے ان کے بہت سے شاگرد ہیں۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ آپ کے علم اور فہم پر بہت زیادہ اعتماد فرماتے تھے۔ میں نے کہا کہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی اور حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی میں کیا نسبت ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی کا علم و فہم یقیناً زیادہ ہے۔ البتہ حضرت مدنی مرحوم پوچھ کہ حضرت مولانا محمود الحسن مرحوم و مغفور کے ساتھ قید و بند کی تکالیف میں شریک رہے اور تحریک آزادی کی جدوجہد میں آپ کے ساتھ رہے اس لیے آپ کی شہرت زیادہ ہو گئی اس کے لیے اور بعض خصوصیات بھی حضرت مولانا مدنی مرحوم میں تھیں۔“

ایک اور واقعہ اس سلسلہ میں تحریر کرتا ہوں کہ ”حضرت مولانا قاری

محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، دیوبند سے لاہور تشریف لائے تھے اور  
 شذوالہ دیار دارالعلوم میں تشریف لے گئے۔ ایک عالم نو عمر نے محسوس کیا کہ حضرت  
 قاری صاحب کی طرف مولانا عثمانی نے توجہ تو فرمائی۔ لیکن جس قدر خاص توجہ اور  
 جس درجہ اُن کا احترام کرنا چاہیے تھا وہ مولانا عثمانی نے نہیں کیا۔

وہ تو عمر عالم حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی کے متعلقین میں سے  
 ہیں۔ انہوں نے اپنی رائے کا اظہار مولانا محمد ادریس صاحب کے سامنے کیا کہ قاری  
 صاحب جس قدر احترام و اکرام کے مستحق ہیں حضرت عثمانی نے اس قدر احترام و اکرام  
 نہیں فرمایا۔ مولانا نے فرمایا کہ کیا معاملہ پیش آیا۔ انہوں نے بتایا کہ متوجہ بھی ہوئے  
 اکرام بھی کیا لیکن جس قدر اکرام و تعظیم کے مستحق تھے اس قدر نہیں فرمایا۔ حضرت  
 مولانا کاندھلوی نے فرمایا کہ تمہیں معلوم نہیں ہے کہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی  
 کے سامنے قاری محمد طیب صاحب اور میں ایک بھاگہ دکی حیثیت سے پیش ہوتے  
 ہیں اور وہ ہمارے مکرم و معظّم استاذ ہیں۔ اگر وہ ہم سے خوش ہو کر بول ہی لیں  
 اور معمولی سی توجہ بھی فرمائیں تو ہمارے لیے یہ بہت بڑے اعزاز و فخر کی بات  
 ہے۔ تم حضرت قاری طیب کے ساتھ جس قدر تکمیل و تعظیم کا معاملہ کر و کم ہے۔ تم نے  
 اپنے اوپر حضرت عثمانی کو بھی قیاس کر لیا۔

مولانا بدر عالم صیر ٹپھی

”مولانا عثمانی رحمہ اللہ علیہ ایک جلیل القدر محدث اور اس دور کے

عظیم فقیہ ہیں۔“

مولانا خیر محمد صاحب جالندھری

”مولانا عثمانی علم کا خزانہ ہیں۔“

## شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ذکریا صاحب کاندھلوی

”مولانا عثمانی علوم دینیہ اور قانون شرعیہ کے متبحر عالم تھے وہ شریعت کے فرائج کو خوب سمجھتے تھے اور عقل سے تولتے تھے۔ کوئی بات ذمہ داری اور تحقیق سے خالی نہیں ہوتی تھی۔ وہ تمام عالم اسلام کے لیے چراغ ہدایت تھے۔ آہ عالم اسلام ایک خدا رسیدہ بزرگ سے خالی ہو گیا“ (مکتوب گمراہی)

مولانا موصوف اس اشکال کے جواب میں کہ حضرت حکیم الامت موجودہ طرز تبلیغ سے ناراض تھے تحریر فرماتے ہیں :-

”تعجب ہے اس مجہول روایت کی اطلاع حضرت کے اجل خلفاء کو نہ ہوئی بالخصوص مولانا ظفر احمد صاحب کو جو ہر وقت کے متقانہ بھون کے حاضر باش، خانقاہ کے مفتی اعظم اور حضرت قدس سرہ کے مسودات و ارشادات کے لکھنے والے ہیں“ (تبلیغی جماعت پر اعتدافات کے جوابات)

## مولانا محمد یوسف بنوری <sup>رحمۃ اللہ علیہ</sup>

”مولانا عثمانی رحمہ اللہ علیہ کی ذات سے متقانہ بھون اور سہارنپور کی پوری تاریخ وابستہ تھی۔ آپ عالم تھے اور ذہن عالم، فقیہ تھے اور محدث رجال حدیث کے متحقق تھے۔“ (ماضیہ بیئنا ذی الحجہ ۱۳۹۳ھ)

## مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

”مولانا عثمانی کی وفات سے عالم اسلام کے اہل علم کو نہ بردست نقصان پہنچا ہے۔“

## حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی <sup>رحمۃ اللہ علیہ</sup>

”بزرگوار پاک دہند میں حضرت مولانا عثمانی رحمہ اللہ علیہ اسلاف کی یادگار اور استاد الکل

کی حیثیت رکھتے تھے۔ پاکستان اپنے مذہبی بانی و سرپرست سے محروم ہو گیا ہے اور ان کی وفات سے علمی و دینی حلقے یتیم ہو گئے ہیں۔“

(دکڑ نامہ ”جنگ“ کراچی)

### مولانا شمس الحق افغانی مدظلہ

”اللہ تعالیٰ نے حضرت عثمانی کو حسن ظاہر اور حسن باطن سے نوازا تھا۔ وہ علم و عمل کے سمندر اور مانت و وقار کے پہاڑ اور اسلاف کی یادگار تھے۔“

مولانا کوثر نیازی سابق وزیر مذہبی امور

”مولانا عثمانی تحریک پاکستان کے عظیم رہنما تھے۔“

مولانا عبدالحق صاحب مہتمم دارالعلوم اکوڑا ٹنک

”حضرت مولانا عثمانی قدس سرہ کی زندگی اس قحط الہ جمال میں ایک مثالی زندگی تھی۔ اس دور کے بعد شاید ہی ایسے بے لوث اور سراپا اخلاص و عمل بزرگ مل سکیں۔ حق تعالیٰ نے انہیں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت جلیلہ سے نوازا تھا۔ پھر حضرت حکیم الامت قدس سرہ جیسے مرشد و ہادی شیخ کابل کی رہنمائی اور سرپرستی میں علمی خدمات انجام دینے کا موقع عطا فرمایا اور اپنی ذہانت و تبحر علمی کی بدولت احادیث مبارکہ سے مذہب حنفی کی تائید و تقویت کا عظیم الشان کارنامہ اعلا السنن“ جیسی تصنیف کی شکل میں انجام دیا جس پر حنفی دنیا بالخصوص اور تمام علمی دنیا بالعموم ہمیشہ فخر کرتی رہے گی۔“

مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری امیر انجمن اشاعت توحید و وحدت

”شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی قدس سرہ اپنے دور کے جید ترین عالم، محدث و محقق اور عالم اسلام کے عظیم مفکر تھے۔ ان کی ہستی اس قدر میں

میزانہ نور مئی۔ ان کے وجود مسعود سے علم و دانش زہد و تقویٰ اور یقین و معرفت کی بنیادیں استوار تھیں۔ ان کے دم قدم سے علوم نبوت کا وقار قائم تھا وہ علم و وقار کا مجسمہ اور خدا ترسی و لہبیت کا بہترین نمونہ تھے۔ اُن کی موت عقل و دانش، تدبیر و انتظام اور مکارم اخلاق کی موت ہے۔ اُن کے وجود سے علماء کا وقار قائم تھا۔ وہ حقیقتاً بقیۃ السلف تھے “

(مکتوب شریعی)

مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی <sup>رحمۃ اللہ علیہ</sup> جامعہ اشرفیہ لاہور

” ایسے زبردست عالم دین اور شیخ کامل جن کی رگ رگ میں دین بھرا ہوا تھا اس زمانے میں اُن کی مثال مشکل ہی سے ملے گی۔ دوسری بے شمار تصانیف کے علاوہ اُن کی دو کتابیں ان کے علوم و معارف کے تعارف کے لیے زندہ دلیلیں ہیں۔ ایک ”احکام القرآن“ اول کی دو منتر لیں اور ”اعلاء السنن“ اٹھارہ جلدوں میں یہ تو ایسا زبردست شاہکار ہے کہ گزشتہ ہزار سال سے ایسی کتاب کی ضرورت تھی مگر اب تک وجود میں نہ آ سکی تھی “

مولانا محمد متین خطیب صاحب

” حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ علیہ صرف ہند و پاکستان اسی کے لیے سرمایہ حیات نہ تھے بلکہ پورے عالم اسلام کے لیے چراغ ہدایت تھے۔ آپ کا علمی فیضان بہت وسیع تھا اور آپ کی شخصیت بین الاقوامی شہرت کی مالک ہے۔ ایسی عظیم اور مقدس ہستیاں کہیں صدیوں کے بعد پیدا ہوتی ہیں “

مولانا اطہر علی صاحب سلہٹی

” مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی اس وقت کے علماء اسلام کے امام ہیں “

مولانا عبد اللہ در خواستی مظلہ

”حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی ایک عظیم محدث فقیہ اور عالم اسلام کے ممتاز راہنما تھے۔ مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے جو غلار پیدا ہوا ہے وہ کبھی پُر نہیں ہو گا۔“

ڈاکٹر عبد الحئی صاحب عارفی خلیفہ حضرت حکیم الامت

”حضرت مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس دور میں فقہ و حدیث کے امام تھے۔ ان کی پوری زندگی خدمت اسلام میں گزری۔ اُن کے وجود سے خانقاہ کی عظمت باقی تھی۔ ارشاد و تلقین کی شمعیں روشن تھیں۔ اور اصلاح و تربیت کی مہمیں آباد اور پُر رونق تھیں۔ وہ ایک مایہ ناز محقق، مدبر، مفسر اور مفکر تھے۔ اور اپنے شیخ (ماموں) کا نمونہ تھے۔“  
(مکتوب گرامی)

مفتی رشید احمد لدھیانوی

”ایسی عظیم ہستی کے بارے میں کیا کہوں۔ وہ ایک عظیم المرتبت شخصیت کے مالک تھے۔ اس وقت سب سے بڑے محدث اور فقیہ تھے۔ اُن کا غم ہمیشہ رہے گا۔“

مفتی عبید اللہ صاحب داد العلوم عبیدہ ڈیرہ غازی خان

”وہ عالم اسلام کے عظیم مذہبی اور روحانی پیشوا تھے۔ ان کی خدمات تاریخ میں سنہری حروف سے لکھی جائیں گی۔“

حضرت مولانا فقیر محمد صاحب خلیفہ حضرت تھانوی

”مولانا عثمانی بہت بڑے مذہبی رہنما تھے۔ ایسی ہستیاں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ اسلاف کا عین نمونہ تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اُن کے نقش قدم

پر چلا میں ”

مولانا قاضی شمس الدین صاحب جامعہ صدیقیہ گوجرانوالہ ۔

” مولانا ظفر احمد صاحب رحمہ اللہ علیہ کی جدائی ہم سب کے لیے ناقابلِ برداشت ہے۔ وہ ہمارے سرپرست اور بزرگ تھے۔ انہوں نے زندگی کے تمام لمحات کتاب اللہ اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اشاعت و احیاء میں بسر کئے۔ وہ ایک متبحر عالم اور اس دور کے بے مثل فقیہ تھے “

جناب مولانا عزیز الرحمن صاحب ایبٹ آبادی

” مخدوم العلماء حضرت مولانا عثمانی قدس سرہ کے علمی روحانی اور باطنی مقام کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ کہنا بے ضرورت ہو گا کہ آپ نے حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے زیر سایہ تعلیم و تربیت پائی۔ اور علمی و عرفانی مقام حاصل کیا اور پھر اپنے ان پیشواؤں کے نقش قدم پر چل کر دین اسلام اور شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ خدمت کی جو رہتی دُنیا تک یاد رہے گی “

مولانا جنیب اللہ صاحب جالندھری ناظم جامعہ دشییدیہ ساہیوال

” حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی قدس سرہ بڑی عظیم شخصیت کے مالک تھے ہم تو ان کے شاگرد اور خوشہ چین ہیں۔ وہ مفسرِ قرآن کریم تھے۔ وہ عظیم محدث تھے، فقیہ تھے۔ حضرت حکیم الامت مجدد الملت کے نہ صرف عزیز تھے بلکہ خلیفہ ارشد بھی تھے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ کے حکم سے انہوں نے ”اعلام السنن“ جیسی حدیث کی کتاب لکھی۔ وہ پاکستان کے بانیوں اور معماروں میں شمار کئے جاتے تھے “

مولانا محمد شریعت صاحب نوان شہر ملتان خلیفہ حضرت تہانوی

” حضرت عثمانی مرحوم کی زندگی کا ایک ایک شعبہ رشد و ہدایت کی شمع تھا۔ آپ ہنایت متواضع منکسر المزاج، عابد و زاہد اور ایک عارف کامل تھے۔ بڑے بڑے علماء و اکابر کسی مشکل مسئلہ میں آپ کی طرف سے ”ہاں“ یا ”نہیں“ کے حتمی فیصلے کو حجت اور کافی سمجھتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت قدس سرہ کے مرتبہ علم و عمل کا پہچانا معمولی حیثیت کے عالم کا بھی کام نہ تھا۔“

مولانا عبید اللہ انور مدظلہ

” انہوں نے اپنی زندگی قرآن و حدیث کی خدمت میں صرف کر دی۔“

مولانا محمد بشیر جالندھری

” مولانا عثمانی خیر القرون کی یاد گار تھے۔“

مولانا سمیع الحق مدیر ”الحق“ پشاور

” مولانا عثمانی اپنے اسلاف کی روایات کے امین تھے۔“

مولانا صفی محمود صاحب مدظلہ

” مولانا عثمانی ایک عظیم عالم دین تھے۔“

مولانا محمد مالک کاندھلوی شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

” مولانا عثمانی ”جمع اوصاف و خصائل کے مالک تھے۔“

مولانا محمد تقی عثمانی مدیر ”ابلاغ“ کراچی

” آپ کی (حضرت عثمانی رحمۃ اللہ علیہ) تالیف ”اعلا السنین“ اس صدی

کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔“

## مولانا بہاء الحق قاسمی

”حضرت عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ایک عظیم دینی اور قومی نقصان ہے“

## مولانا نذر محمد شاہ بخاری

”ان کی موت سے جو چراغ کُل ہوئے وہ ہمیشہ روشنی کو ترسین گئے“

## مولانا عبد الرحمن بیخود

”آپ کی ذات گرامی قدیم اکابر امت کا کامل نمونہ تھی“

## مولانا سید ابو معاویہ ابن سید عطاء اللہ شاہ بخاری

”اوائل دسمبر ۱۹۷۴ء میں ایک شام اچانک یہ خبر سنی کہ ملک کے مایہ ناز عالم، فقیہ و محدث، ادیب و مصنف اور مشکلم بزرگ حضرت مولانا العلامة الشیخ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔“

حضرت برصغیر ہند و پاکستان کی ایک معروف اور مسلمہ علمی شخصیت ہیں۔ خصوصاً حدیث و فقہ میں آپ کا مقام بہت بلند ہے۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کیساتھ بہت قربی رشتہ مندی کا تعلق اور علمی و روحانی رابطہ رکھتے ہیں۔ تحریر انتہائی جامع متین اور سلیس و عام فہم ہوتی ہے۔“

## مولانا اکرام قادری

”قحط البرجال کے اس دور میں ایسے جید علماء اپنے بعد کبھی نہ پُرا ہونے والا کھلا پھوڑ جاتے ہیں“

مولانا گلزار احمد مظاہری

”مولانا عثمانی رحمہ اللہ علیہ کی وفات عالم اسلام کے لیے ایک سانحہ ہے۔“

مولانا صفقتی عبید اللہ صاحب

”آپ کی خدمات تاریخ میں سنہری حروف سے لکھی جائیں گی۔“

مولانا حبیب اللہ فاضل دشبیدی

”آپ ایک عظیم محدث نقیبہ اور قابل استاذ تھے۔“

مولانا عبدالرشید ارشد ایڈیٹر ”الرشید“ لاہور

”حضرت مولانا عثمانیؒ ان علما دین کی قسم میں سے ایک تھے جن کے علم و عمل اور تقویٰ و طہارت سے اسلامی تاریخ کے اوراق روشن و تابندہ ہیں۔“

مولانا عثمانیؒ زعماء ملت اور مدیرانِ جرائد کی نظر میں

حضرت قائد اعظم محمد علی جناح

”آپ ہی کی کوششوں سے ہمیں کامیابی حاصل ہوئی ہے۔“

شہید ملت لیاقت علی خاں

”آپ کی تحریر و تقریر نے باطل کے اثرات ختم کر دیئے۔“

جلالہ الملک سلطان عبدالعزیز بن سعود مرحوم

”آپ تو ہمارے دیرینہ دوست ہیں۔“

خواجہ ناظم الدین مرحوم

”آپ کی جادو بیانی نے مجھے بیحد متاثر کیا ہے۔“

نورالامین سابق نائب صدر پاکستان

” آپ ایک حق گو عالم دین ہیں “

بابائے صحافت مولانا ظفر علی خاں

” میرے اس قول کی تائید کریں گے علماء

پوچھ لو جا کے ظفر احمد عثمانی سے

(دنگلستان ص ۱۳۶)

چوہدری محمد علی سابق وزیر اعظم پاکستان

” مجھے آپ کی وفات سے دلی صدمہ ہوا ہے “

مولانا ظفر احمد انصاری ایم این اے

” ان کی موت سے علمی و مذہبی حلقوں میں حقیقی خلاء پیدا ہو گیا ہے “

رانا ظفر اللہ خاں

” ان کی موت ایک عظیم قومی نقصان ہے “

پروفیسر غفور احمد ایم این اے

” آپ پاک و ہند کے ممتاز علماء میں سے تھے “

مولانا جان محمد عباسی

” ان کی وفات ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہے “

نواب زادہ نصر اللہ خاں

” مولانا عثمانی عالم اسلام کے عظیم رہنما تھے “

سردار شیر باز خاں مزاری ایم این اے

” آپ پاکستان کے معاروں میں شمار ہوتے تھے “

آغا شورش کاشمیری مرحوم

» مولانا ان ہستیوں میں سے تھے جو کسی بھی قوم کے لیے سرمایہ افتخار  
ہوا کرتی ہیں۔ «

جناب مجید نظامی ایڈیٹر ”نوائے وقت“ لاہور

» وہ حق بات کہنے سے کبھی نہ چوکتے تھے۔ «

جناب مجیب الرحمن شامی

» سلیٹ سے لے کر پشاور تک اس مردِ حق کی آواز گونجی۔ «

صیر خلیل الرحمن ایڈیٹر روزنامہ ”جنگ“ کراچی۔

» اُہ! دین کا کیسا عالم اور ملت کا کیسا خادم تھا جو ہم سے چھین گیا۔ «

جناب سجاد صیر

» آپ پر عرب و عجم کو ہمیشہ ناز رہے گا۔ «

مفتی عبدالرحمن خان

» آپ کی خدمات جلیلہ ناقابلِ فراموش ہیں۔ «

پروفیسر انوار الحسن شیر کوٹی

» آپ نے تحریکِ پاکستان میں بڑا کام کیا ہے۔ «

پروفیسر احمد سعید

» مولانا کا شمار قوم کے محسنوں میں ہوتا ہے۔ «

مولانا قاضی شمس الدین

» آپ ولی کامل، محدث، محقق اور محقق تھے۔ «

# قومی جرائد کا احسن ندی خراج عقیدت

ماہنامہ ”بینات“ نیوٹاؤن کراچی میں مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہ  
بصائر و عبس کے عنوان سے تحریر فرماتے ہیں :-

» کل من علیہما فان ویبقی وجہ دہلج ذوالجلال ولا کلام - کل ابن  
انشی وان طالت سمدۃ یوما علی آلۃ حید باد محمول -

اے آج مسند علم و تحقیق مسند تصنیف و تالیف مسند تعلیم و تدریس  
مسند بیعت و ارشاد بیک وقت خالی ہو گئیں -

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ

۲۳ ذیقعدہ ۱۳۹۲ھ (۸ دسمبر ۱۹۷۴ء) اتوار کی صبح حضرت مولانا ظفر احمد  
عثمانی نے داعی اجل کو لبیک کہا اور واصل بحق ہوئے۔ اس مردِ حق نے زندگی  
کی نوے منزلیں طے کر کے سفرِ آخرت کے لیے قدم اٹھایا۔ ختم ہونیوالی زندگی ختم ہو  
گئی اور نہ ختم ہونیوالی زندگی کے لیے عالم برزخ میں قدم رکھا۔

مولانا عثمانی رحمہ اللہ علیہ کی ذات سے تھانہ بمون اور سہارن پور کی پوری  
تاریخ وابستہ تھی اور عالم تھے وہ ذکی عالم فقیہ تھے اور محدث رجال حدیث  
کے محقق تھے۔ اصول حدیث کے نہ صرف ماہر بلکہ اس علم کے مہات کو کتب حدیث  
رجال سے تلاش و جستجو کے ذریعہ جمع کرنے والے تھے۔ اکابر امت اور جہادہ  
عصر کی توجہات کامرکز رہے۔ مراکز علم میں علوم حاصل کئے اور مرکز صدق و صفائیں

تربیت پائی۔ حکیم الامت حضرت تقی خان قدس سرہ کی محبت و شفقت کے زیر سایہ تمام علمی و تصنیفی کارنامے انجام دیئے۔ علمی جواہرات کو ملفوظات و تقریرات کی صورت میں قلمبند کرتے کرتے خود صاحب جواہرات بن گئے۔ نسبی نسبت نے علمی و عرفانی نسبت تک پہنچا دیا۔ تحریر و تقریر میں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ علیہ کے جلوے نظر آنے لگے۔ عربی کے ادیب اور شاعر تھے۔ عربی نظم و نثر پر یکساں قدرت تھی۔ علمی کمالات کے ساتھ مزاج میں حد درجہ سادگی تھی۔

بہر حال کہنا یہ ہے کہ اس شہید علم کی یہ ایک کتاب ہی ان کی اُینہ کمالات ہے۔ اگر کوئی تصنیف نہ بھی ہوتی تو صرف یہ ایک کتاب ہی کافی و شافی تھی۔ حالانکہ ان کے قیم خوب رقم سے کتنے ہی جواہرات مرصع خزانہ علم میں اُٹے ہیں۔ ان کی قابل رشک زندگی کا پہلو یہ ہے کہ آخر لمحہ حیات تک تدریسِ حدیث اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔

اعلاء السنن کا پہلا حصہ جو احیاء السنن کے نام سے چھپا تھا وہ نامقبول ہوا تھا اور اس میں کچھ ایسی چیزیں اگنی بھٹیں جس سے کتاب کا حسن ماند پڑ گیا تھا۔ اس کو دوبارہ ادھیڑ کر "خدا صفا دے ماکدہ" کے پیش نظر جدید تصنیف بنائی۔ حق تعالیٰ کی ہزار ہزار ہا رحمتیں ہوں اس شہید علم پر جس نے آخری لمحہ زندگی کو خدمت علم میں صرف کیا۔

مظاہر العلوم سہارنپور سے فراغتِ علوم کی سند حاصل کی اور وہیں عرصہ تک تدریسِ علوم کی خدمت انجام دیتے رہے۔ پھر ڈھاکہ وغیرہ میں رہے۔ کچھ عرصہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں رہے اور آخری زندگی کے تقریباً بیس سال تک دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہہ یار میں گزارے۔ افسوس کہ یہ سال علمی سانحوں سے

لہریز ہے۔ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی وفات ایک علمی حادثہ تھا۔ اور اس کے زخم ابھی مندمل نہ ہونے پائے تھے کہ حضرت عثمانی کے عظیم سامخ نے ہمارے قلوب کو مجروح کر دیا۔ صدر اس بات کا ہے کہ ان اکابر کے شخصیت ہو جانے سے اُن کی مسند علم و فضل ہمیشہ کے لیے خالی ہو جاتی ہے اور کوئی اس کو پُر کرنے والا مستقبل میں بھی نظر نہیں آتا ہے۔ عرصہ دراز سے دردناک سلسلہ یوں ہی جاری ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حق تعالیٰ حضرت مرحوم کو رحمتِ رضوان کے درجاتِ عالیہ سے سرفراز فرمائیں۔ اور ان کی علمی خدمات کو قبول فرمائیں اور ان کے لیے اجر و ثواب کا عظیم سرمایہ بنائے اور ان کے ذلالت سے درگزر فرمائیں۔ آمین۔

(ازینیات کراچی، بابت ماہ ذوالحجہ ۱۳۹۴ھ)

جناب مولانا سیح الحق صاحب دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ ننکساہ پشاور  
رقم طراز ہیں :-

علامہ محمد ادریس کاندھلوی کے بعد علامہ ظفر احمد عثمانی کی جدائی  
” ابھی تھوڑے ہی دن ہوئے کہ علامہ یگانہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی ملت اسلامیہ  
کو داغِ مفارقت دے گئے جو اپنے بحرِ علمی اور وسعتِ مطالعہ، سادگی، قناعت  
اور زہد و تقویٰ کے لحاظ سے اسلاف دیوبند کا ایک جیتا جاگت نمونہ تھے۔ چلتا  
پھر تا علم اور زندہ کتب خانہ، علم اور کتابوں میں معمور و مخمور۔ بات سے بات  
نکلتی اور عام فہم باتوں کا سرا بھی علم کے پیچیدہ عقدوں اور کلام و فلسفہ کے غوامض  
سے جا ملتا اور پھر چٹکیوں میں ہر مسئلہ سلکھا بھی دیا جاتا۔ علم اور مطالعہ کی دنیا میں  
ان پر جذب و وارفتگی کی ایسی کیفیت طاری رہتی جس کی مثالیں ہمارے عروجِ علمی

کے ماضی میں مل سکتی ہیں اور جو جہل و سطحیت کے اس طوفانی دور میں عنقا ہوتی جا رہی ہیں۔ علامہ کاندھلوی کی جدائی کے ماتم سے ابھی علمی اور دینی ایوان فارغ نہیں ہوئے تھے کہ علم و سیاست میں مولانا کاندھلوی کے مکتب فکر ہی کے ایک اور ممتاز بزرگ اور رہنما حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی قدس سرہ العزیزہ کا بھی وصال ہو گیا۔ سیاسی نظریات اور طرز عمل میں اختلاف ہو سکتا ہے لیکن جو علم، دین اور عمل ہمارے اسلام کا طرہ امتیاز ہے اس سے کسی متعصب مخالف کا بھی انکار کرنا علم کی ناقدر شناسی ہے۔ علامہ عثمانی مرحوم بھی مطالعہ، تصنیف، درس و تدریس، وعظ و تبلیغ، جذبہ علم و عمل میں اپنے اسلام کی روایات کے امین تھے اور مہنایت ہی واجب الاحترام شخصیت، برصغیر میں علم حدیث اور فقہ حنفی کی خدمت کرنے والے اکابر میں ان کا نام سرفہرست رہے گا۔ وہ گئیں ملکی خدمات اور قیام پاکستان کے لیے ان کی جدوجہد تو جس جرنیل نے عمر بھر پاکستان کی خاطر پرانے تو کیا انہوں سے بھی جھگڑا مول رکھا اور جس جرنیل نے فتح کے بعد ملک کے اُدھے حصے مشرقی پاکستان پر پاکستان کا جھنڈا لہرایا اس کی خدمات اور کارناموں کو تاریخ کیوں فراموش کرے گی۔ اور تاریخ تو اس بارے میں بڑی وسیع النظر ہے وہ نہ صرف عمل اور سعی بلکہ اُس کے نتائج، محرکات اور ہر قسم کے عوامل کو بھی اپنے سینے میں محفوظ رکھ کر اگلی نسلوں تک یہ سب کچھ منتقل کر دیتی ہے۔ مگر افسوس تو پاکستان کے سیاہ و سپید کے مالکوں پر ہے کہ اپنے ایسے جرنیلوں کی وفات پر بھی نہ تو کوئی جھنڈا سرنگوں ہوتا ہے نہ راگ و رنگ میں ہی کچھ وقف آتا ہے نہ قومی سطح پر کوئی خراج تحسین اور ستائش ہوتی ہے۔ پاکستان کے لیے جتنے دینے والے بزرگوں پر پاکستان بننے کے فوراً بعد سے لے کر اب تک کیا جیتی۔ وہ تو ایک مستقل الماک باب ہے۔ بہر حال ہم علامہ عثمانی قدس سرہ العزیز

کی علمی اور دینی عظمتوں کو سلام کہتے ہوئے اس حادثہ علم میں علمی دنیا کے شریک اور مرحوم کے درجات عالیہ کے متمنی ہیں۔ واللہ یقول الحق وهو یهدی السبیل۔  
سیح الحق

(از ملاحظہ "الحق" بابت ما لا ذوالحجہ ۱۳۹۵ھ)

مولانا محمد تقی صاحب مدیر ماہنامہ "البلاغ" کراچی

"اور بڑھی تاریکی" کے عنوان سے حضرت مولانا مرحوم کی علمی اور سیاسی خدمات کا تفصیلی تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ علم تفسیر، علم حدیث اور علم فقہ میں حضرت مولانا رحمہ اللہ علیہ کے صرف تین نمایاں ترین کارناموں کا مختصر تعارف تھا۔ اس کے علاوہ بھی حضرت موصوف رحمہ اللہ علیہ نے مختلف دینی موضوعات پر عربی اور اردو میں دسیوں کتابیں یا مقالات لکھے ہیں لیکن اگر صرف مذکورہ بالا تینوں کاموں ہی کو دیکھا جائے تو بلاشبہ وہ ایسے کام ہیں جو آج کے دور میں بڑی بڑی اکیڈمیاں سالہا سال کی محنت اور لاکھوں روپے کے خرچ سے بھی انجام نہیں دے پاتیں۔ حضرت مولانا رحمہ اللہ علیہ نے یہ سارا کام تنہا انجام دیئے۔"

مولانا کی اپنی خدمات کا اثر تھا کہ جب پاکستان بنا اور اس سرزمین پر پہلی بار پاکستان کا قومی پرچم لہرانے کا وقت آیا تو قائد اعظم کی نگاہ انتخاب دو حضرات پر پڑی۔ ایک شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی قدس سرہ جنہوں نے مغربی پاکستان میں یہ جھنڈا لہرایا اور دوسرے حضرت مولانا طفسر احمد عثمانی جن کے ہاتھوں سے مشرقی پاکستان میں یہ پرچم بلند ہوا۔

عبادت و تقویٰ میں حضرت مولانا نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری

اور حضرت عظیم الامت حضرت مٹھانوی قدس سرہ جیسے حضرات کی صحبت اٹھائی تھی ان کی عملی زندگی میں اس صحبت کا اثر نمایاں تھا۔ ہم جیسے طفلانِ مکتب نے انہیں صنعت و کبریا کی حالت ہی میں دیکھا لیکن اس عمر میں بھی ان کی ہمت و عزیمت اور ان کا جذبہ و حوصلہ ہم جوانوں کے لیے قابلِ رشک تھا۔ آخر وقت تک دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈوالہ یار میں صحیح بخاری کا درس دیتے رہے اور پچاسی سال کی عمر میں صنعت و امراض کے ساتھ بھی نہ صرف پانچوں وقت کی نمازیں مسجد میں باجماعت ادا کرتے بلکہ ظہر و عصر کی نمازوں میں امامت بھی خود فرماتے تھے۔

احقر کو مشرقی پاکستان کے ایک دور میں آپ کی رفاقت میسر ہوئی صنعت و علالت کے باوجود عبادات کا اہتمام اور وعظ و تذکیر کا جذبہ ہر دم جوان معلوم ہوتا تھا۔ آخری بار دارالعلوم تشریف لائے تو دارالعلوم کے اساتذہ نے ان سے اجازتِ حدیث لی۔ اس وقت کمزوری کا یہ عالم تھا کہ موٹر میں بیٹھنے کے لیے بھی دو آدمیوں کے سہارے کی ضرورت تھی لیکن اسی مجلس میں احکام القرآن کی تکمیل کے لیے تصنیفی کام کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا اور کہا کہ جب مجھے مرض اور کمزوری کا زیادہ احساس ہونے لگتا ہے تو میں صحیح بخاری کا درس شروع کر دیتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے صحت و قوت عطا فرما دیتے ہیں۔

حضرت مولانا کے ساتھ موجودہ صدی کی ایک تاریخِ رخصت ہو گئی۔ وہ ان محدثینِ ہستیوں میں سے تھے جن کا عرف و وجود ہی نہ جانے کتنے فتنوں کے لیے اڈ بنا رہتا ہے۔ ان کی وفات پورے عالم اسلام کا سانحہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور انہیں جو ارحمت میں جگہ عطا فرمائے اور

ہمیں اُن کے فیوض سے مستفید ہونے اور اُن کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

(البلاغ ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ)

دارالعلوم دیوبند کے حروفِ آغاز میں مرقوم ہے :

”جید الاستعداد پُرانے علماء ایک ایک کر کے اُٹھتے جا رہے ہیں اور جو جگہ خالی ہوتی ہے وہ کبھی پُر نہیں ہو پاتی۔ اس دورِ انحطاط میں یہ بڑا حادثہ ہے۔ ابھی اس ماہ دسمبر میں یہ اندوہناک خبر آئی کہ پاکستان میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی وفات ہو گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔“

اللہ تعالیٰ بال بالِ مغفرت فرمائے۔ مولانا مرحوم ایک ذی استعداد اور صاحب تصنیف و تالیف بزرگ تھے۔ آپ کی تربیت حکیم الامت حضرت مولانا مٹھانوی قدس سرہ نے فرمائی تھی۔ اور جب تک حضرت مٹھانویؒ زندہ رہے مولانا مرحوم آپ کی ہی خدمت میں حاضر رہے۔ مذہبِ احناف کے متعلق ایک حدیث کا مجموعہ تیار کرنے کا جب پروگرام بنا تو اس کام پر حضرت مٹھانویؒ نے مولانا مرحوم کو لگایا اور آپ نے اس خدمت کو شوق و خوبی کے ساتھ چودہ پندرہ جلدوں میں مکمل کیا جو اعلاء السنن کے نام سے اہل علم میں مشہور ہے۔ جن لوگوں نے اعلاء السنن کا مطالعہ کیا ہے وہ گواہی دیں گے کہ مولانا مرحوم نے اس مجموعے کی تیاری میں کتنی محنت کی ہے۔ اور کتنے عجیب و غریب حدیث کا ذخیرہ جمع فرما دیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی حضرت مولانا مرحوم رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سے علمی مقالات لکھے ہیں اور بہت سی کتابوں کا ترجمہ کیا ہے۔“

(دارالعلوم ص ۲ بابت نمبر ۱۹۷۵ء)

”کوائف دارالعلوم دیوبند“ کے زیر عنوان ایک ذیلی عنوان ”مولانا ظفر احمد عثمانی“ کا  
 سانچہ ارتحال ” قائم کر کے لکھا ہے :

” ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۹۴ھ (۸ دسمبر ۱۹۷۴ء) کو پاکستان ریڈیو سے حضرت مولانا  
 ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ علیہ کے سانچہ ارتحال کی خبر معلوم ہو کر دارالعلوم دیوبند کے علمی و  
 دینی حلقوں میں سبھی لوگوں کو افسوس اور قلق ہوا کہ برصغیر میں علم و عرفان کی ایک شمع  
 فردزاں گل ہو گئی۔ حضرت مولانا عثمانی رحمہ اللہ علیہ جماعت دیوبند میں غالباً عمر کے لحاظ  
 سے سب سے بڑے تھے اور بزرگوں کی یادگار تھے۔ ان کا سانچہ ارتحال علمی اور  
 دینی حلقوں کا ایسا زبردست نقصان ہے جس کی تلافی کی بظاہر کوئی بھی صورت  
 نظر نہیں آتی۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ علیہ اگرچہ متالوی مشہور تھے مگر ان کا اصل  
 وطن دیوبند ہے محلہ دیوان کے رہنے والے تھے۔ دیوان لطف اللہ کی اولاد میں  
 سے تھے جو شاہجہان کے عہد میں دیوان کے منصب جلیل پر فائز تھے۔ دارالعلوم  
 کے قریب دیوان دروازہ اب تک ان کی یادگار موجود ہے۔ مولانا عثمانی حکیم الامت  
 حضرت مولانا اثر علی متالوی قدس سرہ کے بھانجے تھے۔ چونکہ بچپن سے نخیال تھانہ  
 محون میں قیام رہا اس لیے دیوبندی کے بجائے متالوی مشہور ہو گئے تھے۔

مولانا غیل احمد انہوٹڑی نے حدیث کی تکمیل کر کے ۱۳۲۹ھ میں مدرسہ  
 مظاہر العلوم میں مدرس مقرر ہو گئے۔ ۱۳۳۹ھ میں جب حج سے واپس آئے تو حضرت  
 متالوی قدس سرہ نے انہیں تھانہ محون میں قیام کے لیے ارشاد فرمایا اور تفسیر  
 بیان القرآن کی تلخیص کا کام ان کے سپرد کیا۔ بیان القرآن کا یہ خلاصہ تلخیص البیان کے  
 نام سے قرآن شریف کے حاشیہ پر چھپ چکا ہے۔ احکام القرآن کے ابتدائی دو حصے

بھی اپنی کے لکھے ہوئے ہیں۔ علمی دینی اور سیاسی حیثیت سے علماء کی جماعت میں انہیں نمایاں مقام حاصل تھا۔ حضرت تقانوی قدس سرہ کو ان کے علم و فضل پر بڑا اعتماد تھا۔“  
(دارالعلوم مٹا فردری ۱۹۷۵ء)

دارالعلوم جامعہ رشیدیہ ساہی وال کا علمی و دینی مجلہ کے تاثرات

” حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ علیہ “

” حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی کے انتقال کا زخم ابھی تازہ تھا کہ حضرت

مولانا ظفر احمد عثمانیؒ بھی ان کے ساتھ چلے اور پوری علمی دنیا اُن کے غم میں سو گوار

ہو گئی۔ حضرت مولانا عثمانی ان عالمانِ دینِ قیم میں سے ایک تھے جن کے علم و عمل اور

تقویٰ و طہارت سے اسلامی تاریخ کے اوراق روشن اور تابندہ ہیں اور جن کے

تفقہ اور تدریس کی بدولت ہزار ہا علماء کرام برصغیر پاک و ہند میں درس و تدریس

میں مشغول و مصروف ہیں۔ خانوادہ قاسمی جن محقق علماء پر فخر کر سکتا ہے ان میں ایک

نام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کا ہے۔ آپ نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی

تقانوی رحمہ اللہ علیہ کے ایام و حکم پر حدیث کی ایک کتاب ”اعلاد السنن“ ترتیب

دی جس میں ذخیرہ احادیث سے ان احادیث کا انتخاب ہے جو فقہ حنفی کی بنیاد ہیں۔

یہ کتاب کئی ضخیم مجلدات پر مشتمل ہے۔ آپ حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ

کے ارشد تلامذہ اور حکیم الامت کے قریبی عزیزوں میں سے تھے۔ ان دونوں بزرگوں

کی صحبت و فیضان سے آپ میں عمیق رسوخ فی العلم والعمل پیدا ہوا۔ قیامِ پاکستان سے

پہلے مدرسہ عالیہ کلکتہ میں اور اب کئی برس سے اشرف العلوم سنڈوالٹہ یار ضلع حیدر آباد

میں شیخ الحدیث تھے۔ پچاسی برس کے لگ بھگ عمر عتی جو ساری کی ساری درس و تدریس

اور اشاعتِ علم دین میں گزاری۔

آزادی سے پہلے آپ ان علماء و کرام کے سرخیل تھے جن کی جدوجہد اور مساعی  
 جمیلہ سے تحریک پاکستان دینی حلقوں میں متعارف ہوئی اور جنہوں نے خالصتاً اس  
 نیت سے تحریک پاکستان میں حصہ لیا کہ پاکستان میں بھی منہاج النبوت خلافت  
 راشدہ کے انداز کی اسلامی حکومت قائم ہوگی۔ قیام پاکستان سے قبل سرحد  
 اور سلہٹ (اُسام کا ضلع) میں استصواب ہوا تھا۔ سرحد کے استصواب میں  
 علامہ شبیر احمد عثمانی اور سلہٹ میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی تھے۔ ان دونوں  
 حضرات کو علی الترتیب کراچی اور ڈھاکہ میں پاکستان کے ہلالی پرچم کی نقاب کشائی  
 کے لیے منتخب کیا گیا۔

لیکن افسوس! کہ اکابر کی جدوجہد اور اجتہاد جو قیام پاکستان کے ثمرہ  
 پر منتج ہوئی اس میں سال بہ سال اسلام سے دوری اور بے زاری بڑھتی گئی اور انہی  
 حضرات کو ایک بہت بڑے فتوے پر دستخط کرنے پڑے جو سوشلزم کے بڑھتے  
 ہوئے سیلاب کو روکنے کے لیے دیا گیا تھا۔ لیکن اسی قوم نے ان بزدلوں کے  
 فتوے کو ماننے سے انکار کر دیا کہ جن کے فتوے اجتہاد سے پاکستان  
 کے قیام میں مدد ملی تھی۔

یہ ایک طویل بحث ہے جس کی جزئیات و تفصیلات بہت تلخ ہیں۔ مختصراً یہ کہ  
 ہم اتنا کہنا ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ علماء کی اکثریت نے اس  
 تہدہی اور یک جہتی سے وہ پاکستان پر کام نہ کیا جس کے کرنے کی ضرورت تھی۔  
 طالع آزمائے لوگ برسرِ اقتدار آتے رہے اور حالات یہاں تک پہنچ گئے جس کا ایک  
 نتیجہ سقوطِ ڈھاکہ کی شکل میں ملت دیکھ چکی ہے۔ ان حضرات کا ایک بڑا گروہ کہ  
 جنہوں نے تحریک آزادی اور قیام پاکستان کے لیے کوشش کی تھی اپنی زندگی میں

اپنے خواب کی تعبیر ”اسلامی حکومت“ کی حسرت لیے اس دُنیا سے رخصت ہو گئے۔ مولانا عثمانی کے جنہوں نے ڈھاکہ میں بعد متا پرچم پاکستان لہرایا تھا اپنی زندگی میں ہی یہ دیکھا کہ وہ علاقہ پاکستان سے کاٹ دیا گیا۔

حضرت مولانا کی وفات سے ہم اس عظیم نشانی سے محروم ہو گئے کہ جنکی قیادت سے تحریک پاکستان پروان چڑھی تھی اور جو اس قحط الرجال کے دور میں کتاب و سنت اور فقہ حنفی کے باب میں سند اور حجت تھے۔ حضرت کا انتقال دینی درسگاہوں اور مسند ہدایت و ارشاد کا ناقابل تلافی نقصان ہے۔ تعلیم و تربیت کے یہ مراکز خالی ہوتے جا رہے ہیں اور ان کو پر کر نیا کوئی نظر نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ حضرت مولانا کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور علم و عمل کے جو نقوش ہمارے لیے چھوڑ گئے ہیں ان پر ہمیں چلنے، اُجاگر کرنے اور زندہ رکھنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (الرشیدؒ ص ۳۷)

مولانا غلام غوث ہزاروی اپنے ہفت روزہ اخبار ”الجمیعت“ راولپنڈی میں ”اللہ والوں کی کمی“ کے زیر عنوان رقمطراز ہیں :-

”ہمارے زمانہ میں خاص کر اس سال میں اللہ والوں کی بہت بڑی کمی ہوئی۔ ابھی ٹھوڑا ہی عرصہ ہوا حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی فوت ہو گئے۔ مولانا مرصوف کی وفات سے طبقہ علمائے بڑی کمی ہوئی اور اب تک اُن کی جگہ پر نہیں ہو سکی اور شاید پر نہ ہو سکے۔ اسی طرح حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی کی وفات کو ساری دنیا نے محسوس کیا۔ اپنے پرانے سب اُن کے علم کے قائل تھے ان کو طریقت میں بڑی دستگاہ حاصل تھی اور سچی بات یہ ہے کہ حضرت مدنیؒ، حضرت علامہ انور شاہؒ، حضرت تھانویؒ اور حضرت مفتی کفایت اللہ کے بعد اگر کسی کے افتاء یا بیان کردہ مسئلہ پر سو فیصدی یقین کیا جاسکتا تھا تو وہ حضرت مولانا مرحوم ہی تھے۔“

(الجمیعتہ ص ۴، اپریل ۱۹۷۵ء)

## ہفت روزہ ”اداکار“ لاہور

محبت الرحمن شامی ہفت روزہ ”اداکار“ لاہور میں ”ایک جرنیل کی موت“ کے عنوان سے رقمطراز ہیں :-

”مولانا ظفر احمد عثمانی بھی رخصت ہوئے۔ اس مرد بزرگ نے بھی آنکھیں بند کر لیں کہ شاید اب نئے پاکستان کے طور احوال دیکھنے کی ہمت نہ رہی تھی۔ یہ بوڑھا آدمی، جو آج کراچی میں ہمیشہ کے لیے سو رہا ہے۔ برصغیر کے مسلمانوں کو اُس نے سونے نہ دیا۔ انہیں خواب غفلت سے بیدار کیا۔ جھجھوڑ جھجھوڑ کر جگایا۔ سلہٹ سے لے کر پشاور تک اس کی آواز گونجی کہ ”مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ۔ سلہٹ کا ریفرنڈم جیتنا اسی مروجہ سیاست کا کارنامہ تھا۔ قائد اعظم اور مسلم لیگ کا پیغام اس خوبی سے لوگوں تک پہنچایا کہ مولانا حسین احمد مدنی کا دام قومیت تار تار ہو گیا۔ سلہٹ، جو مدنی صاحب کا گڑھ تھا اور ان کا خاص علاقہ سمجھا جاتا تھا اسے قائد اعظم کے اس سپاہی نے فتح کر لیا، تسخیر کر لیا۔“

پاکستان بنا تو ڈھاکہ میں پاکستانی پیچم لہرانے کی سعادت اسی (اب) مرد مرحوم و مغفور کو حاصل ہوئی اور پھر مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ معتد نائب اسلامی دستور کی جدوجہد میں شریک ہوا۔ علماء کے ۶۲ نکات کی ترتیب میں حصہ لیا اور جب حالات کی دیرانی بڑھی، قوی مضحل ہوئے تو مدد سرمد اللہ یار میں حدیث کے چراغ جلانے۔ بے شمار کتابیں لکھیں اور بے شمار شاگرد پیدا کئے۔ نوجوان بنائے، سنوارے جن کے سینے ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روشن ہیں۔

پاکستان ٹوٹ گیا۔ یہ کتنی بڑی سزا تھی جو پاکستان توڑنے والوں نے

مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کو دی۔ اس جوان مرگی نے انہیں ادربوڑھا کر دیا۔ پاکستان کا ذکر آتا تو روتے اور ناز و قطار دیتے۔ یہ ردنا عمر بھر کا تھا اور اسی نے اس بزرگ سے چینے کی آرزو چھین لی۔

اس بوڑھے کو دیکھئے اور ان کو دیکھئے جو پاکستان توڑ کر بھی، پاکستان کے ٹوٹنے کے بعد بھی اسی طرح دندناتے اور جام چھلکاتے پھر رہے ہیں۔ وہی انداز وہی چلن جیسے کچھ ہوا ہی نہیں اور ہوا ہے تو بہت اچھا ہوا ہے۔ کاش ! اس بوڑھے کا جذبہ عام ہو جائے کہ جو پاکستان کی تعمیر کی بات کرتا ہے اور ان کی جوانی غارت ہو جائے جن کی منزل تخریب ٹھہری ہے۔

اسی پرچے کے سرورق پر تلخی تصویر کے نیچے ذیل کے یہ چند جملے قابلِ توجہ ہیں :-

”ڈھاکہ میں میرے وطن، میرے پاکستان کے سرنگوں پر چم دیکھ !

تجھے لہرانے والے کی زندگی کا پرچم بھی سرنگوں ہو گیا۔

اک چاندنی تھی ساتھ گئی ماہتاب کے

ہفت روزہ ”اداکار“ لاہور کے اسی شمارے میں جناب سجاد میر کا ایک

مناہیت معلوماتی مضمون مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی و سیاسی خدمات کے بارے میں شائع ہوا ہے جس کے چند اقتباسات نقل کئے جاتے ہیں :-

”اللہ کے نام کے ساتھ آزاد فضاؤں میں پاکستان کا ہلالی پرچم پہلی بار پھر پھڑانے لگا۔ یہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کی بات ہے اور داستان ہے مسجدوں اور

میناروں کے شہر ڈھاکہ کی۔ اس پر وقار و تقریب میں نوزائیدہ مملکت کے تمام اہم منصب دار اور ہماری تحریک آزادی کے سربراہ اور وہ رہنما موجود تھے اور جس محترم

شخصیت کو پرچم کشائی کا یہ تاریخی شرف حاصل ہوا ہے وہ مولانا ظفر احمد عثمانی علیہ رحمۃ  
 تھے۔ قائد اعظم کی قیادت میں جب ہماری آزادی کی جدوجہد کامیاب ہوئی تو مغربی  
 پاکستان میں شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور مشرقی پاکستان میں حضرت  
 مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ اعزاز ملا کہ وہ اس نئی اسلامی مملکت کی  
 پرچم کشائیں کریں۔ ڈھاکہ کی فضاؤں میں لہرانے والے ہاتھ بھی گزشتہ دنوں  
 منوں مٹی نیچے دفن ہو گئے۔ مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کراچی میں انتقال  
 کر گئے۔

اللہ وانا الیہ راجعون

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ اعزاز تحریک پاکستان میں ان کی  
 ناقابل فراموش خدمات کے صلے میں ملا۔ بلکہ سچی بات تو یوں ہے کہ یہ تحریک  
 پاکستان کی خوش قسمتی تھی کہ اسے مولانا عثمانی علیہ الرحمۃ جیسے جید عالم کی علمی سرپرستی  
 حاصل رہی۔ مولانا کوئی درباری قسم کے مولوی نہ تھے، بلکہ ان کا شمار تاریخ اسلام  
 کے ان علماء دین میں کیا جاتا ہے جن پر عرب و عجم کو ہمیشہ ناز رہے گا۔

مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی مرتبے کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا  
 ہے کہ ان کے شاگردوں میں ایسے علماء شامل ہیں کہ جن کا نام آتے ہی گہرین  
 احترام سے جھک جاتی ہیں۔ شیخ الحدیث مولانا محمد ذکیا، مولانا محمد ادریس کاندھلوی  
 مولانا عبدالرحمن کیمبلپوریؒ کے علاوہ حضرت مولانا بدر عالم مہاجر کی رحمۃ اللہ بھی  
 ان کے شاگردوں میں سے ہیں۔ ان میں ایک ایک نام اپنی جگہ محترم ہے۔ حضرت  
 مولانا بدر عالم ہی کو لیجئے جن کے علمی کارناموں کی توخیر ہماری پوری تاریخ میں  
 نظیر نہیں ملتی۔ مگر اس کے ساتھ فیضان کا یہ عالم ہے کہ پندرہ بیس سال پہلے  
 آپ ہجرت کردہ کے مدینہ منورہ چلے گئے تھے وہاں سے پوری انسر لقی دُنیا میں

انہوں نے ایسی اصلاحی تحریک چلائی کہ آج ان کے فیض یافتہ پورے بڑا عظیم ہیں پھیلے ہوئے ہیں۔ افریقہ کا ذکر چھڑا ہے تو یہ بات بھی دل چسپی سے خالی نہ ہوگی کہ یوگنڈا کے چیف قاضی مولوی عبدالرزاق جو عیدی امین کے معتمد ترین تائمین میں سے ہیں سہا لہا سال سے مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سے ٹنڈوالہیار کے دارالعلوم میں علمی فیض حاصل کرتے رہے۔

بلاشبہ عند حاضر میں مولانا ان معدودے چند علما و کرام میں سے تھے جو محض عالم ہی نہیں صاحب کرامت عامل بھی تھے۔ جن مافوق الفطرت باتوں کا ذکر ہم کتابوں میں پڑھتے ہیں اس عہد میں ان کا ظہور اب عام نہیں رہا۔ مولانا عثمانی کی ذات سے ایسی کئی باتیں وابستہ ہیں جن کا تذکرہ ہم یہاں اس لیے نہیں کر رہے ہیں کہ ان کی شخصیت کے گرد کوئی مافوق الفطرت ہیولا بنا مقصود نہیں ہے۔ خیر تو تذکرہ ہو رہا تھا مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی خدمات کا۔ سات سال مظاہر العلوم سہارنپور میں درس و تدریس دینے کے بعد آپ مقام بھون چلے آئے جہاں اُنہدہ سالانہ تک حدیث و فقہ اور منطق کا درس دیتے رہے۔ اسی دوران آپ نے اپنی معرکہ الارار کتاب ”اعلاء السنن“ تصنیف کی۔ علم حدیث پر عربی زبان میں یہ پیش بہا کتاب ۱۸ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے دو مقدمے ہیں۔ پہلا مقدمہ ”اہناء السکن“ شام کے مجید عالم شیخ عبدالفتاح ابوعدہ نے اپنی کتاب ”قواعد فی کلام الحدیث“ کے ابتدائیے کے طور پر شائع کیا ہے۔ عرب و عجم میں اس موضوع پر اسے طرف آخر جانا جاتا ہے۔ مقام بھون کے ہی قیام کے دوران حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خواہش کے مطابق ”الحکام القرآن کی تصنیف شروع کی۔ مولانا تھانویؒ کی خواہش تھی کہ عربی زبان میں فقہ

حنفی کی وضاحت کے نقطہ نظر سے کوئی تفسیر موجود نہیں۔ یہ عظیم کام مولانا عثمانیؒ کے علاوہ مفتی محمد شفیعؒ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب کے سپرد ہوا۔ سورہ نساء تک پہلی دو جلدیں مولانا عثمانی کی تصنیف ہیں۔

تھانہ بھون میں قیام کے دوران مولانا تھانویؒ اپنے بھانجے کی علمی صلاحیتوں سے اس قدر مطمئن و متاثر تھے کہ افتاء کا کام آپ کے سپرد کر دیا جب تک تھانہ بھون میں آپ کا قیام رہا کٹھن اور پیچیدہ مسائل پر افتاء کے سلسلہ میں فقط آپ پر اعتماد کیا جاتا تھا۔ چنانچہ ان فتاویٰ کا مجموعہ امداد الاحکام کے نام سے شائع ہوا ہے جسے ”امداد الفتاویٰ“ کا تسمیہ سمجھنا چاہیے۔

اوپر ذرا تفصیل کے ساتھ ان کی علمی خدمات کا تذکرہ کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اندازہ کیا جاسکے ہم کس مرتبے کی شخصیت کا تذکرہ کر رہے ہیں۔ آپ کا فیض افریقہ سے لے کر مشرق بعید تک پھیلا ہوا ہے۔ بالخصوص مشرقی پاکستان کے توچتے چتے پر آپ کے جلسے، موئے چراغ روشنی پھیلا رہے ہیں۔ ڈھاکہ یونیورسٹی نے آپ کو دینی علوم کے سرپرست کی حیثیت سے اپنے ہاں دعوت دی تو حضرت تھانویؒ کی اجازت سے آپ وہاں تشریف لے گئے اور کئی سال تک اس یونیورسٹی میں علم کے موتی رولتے رہے۔ اس کے بعد مدرسہ عالیہ ڈھاکہ میں بھی آٹھ سال تک صدر مدرس رہے۔ یہیں پر جامعہ قرآنہ لال باغ کی بنیاد رکھی۔

یوں آج مشرقی پاکستان کا کوئی چھوٹا بڑا شہر یا قصبہ نہ ہوگا جہاں پر

آپ کے شاگرد علم دین کو پھیلانے کی خدمت انجام نہ دے رہے ہوں۔ یوں تو آپ نے عمر کا ایک طویل حصہ اس سرزمین پر علم کی جوت جگہانے میں صرف کیا اور گزشتہ ۲۰ سال سے حیدرآباد سے ۱۳ میل دور دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالیار میں مولانا احتشام الحق تھانوی کے اصرار پر شیخ الحدیث کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے تھے۔ تاہم اس عرصہ میں بھی وہ رمضان کا مہینہ مشرقی پاکستان میں گزارتے جہاں بخاری شریف کا درس دیا کرتے۔

مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ یوں تو ایک علمی شخصیت تھے مگر تاریخ اسلام کے علمائے حق کی طرح انہوں نے آزمائش کی گھڑی میں ملت اسلامیہ کی بھی رہنمائی کی۔ مولانا مرحوم کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ حضرت اشرف علی تھانویؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے معتد ترین رفیق سب سے۔ حضرت اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ سوچا کہ دیوبند کے اکابرین کانگریس کے ساتھ دے کر ایک ایسی اجتہادی غلطی کے مرتکب ہو رہے ہیں جو مسلمانان ہند کے لیے نقصان دہ ہوگی تو انہوں نے ملت کی صحیح رہنمائی کے لیے فیصلہ کر لیا۔ پہلی بار یہ مسئلہ جھانسی کے انتخابات میں پیش آیا جہاں لیگ نے کانگریس سے علیحدہ ہو کر انتخابات میں حصہ لیا تھا۔ جھانسی کے مسلمانوں نے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے استفسار کیا کہ وہ اس معاملہ میں کیا کریں؟ حضرت تھانویؒ کے سامنے اس وقت بڑی نازک صورت حال تھی۔ وہ مسلم لیگ کو مسلمانوں کی جماعت سمجھتے تھے مگر ابھی اس مسئلہ پر واضح نہ تھے کہ آیا یہ جماعت صحیح اسلام لائے گی یا دین کو مسخ کرے گی۔

اس موقع پر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جن اصحاب سے مشورہ کیا

ان میں مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل تھے۔ یہ ایک فیصلہ کن گھڑی تھی۔ مولانا عثمانی نے مشورہ دیا کہ آپ چونکہ کانگریس کے مخالف ہیں اس لیے یہی جواب دے دیجئے کہ کانگریس کو ووٹ نہ دیا جائے۔ چنانچہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مشورہ مان لیا اور یوں مسلم لیگ کی کامیابی کی راہ ہموار ہو گئی۔

مسلم لیگ سے علی تعاون کی ابتداء ۱۹۳۸ء میں پٹنہ کے سالانہ اجلاس سے ہوئی۔ نواب اسماعیل کی سرکردگی میں مسلم لیگ نے ایک مجلس علی قائم کی تھی جس کا کام علماء سے رابطہ قائم کرنا تھا۔ انہی کی وساطت سے اس اجلاس میں مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خصوصی نمائندے بن کر شریک ہوئے۔ اجلاس سے پہلے قائد اعظم سے ملاقات ہوئی۔ سیاست اور مذہب کی علیحدگی اور یکجائی کے مسئلہ پر بات چیت ہوئی۔ قائد اعظم اس گفتگو سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اگلے روز کے اجلاس میں شاید پہلی مرتبہ یہ بات آپ نے کھلم کھلا طور پر کہی کہ مذہب و سیاست ساتھ ساتھ چلنے چاہئیں۔

اس کے بعد تھانوی مسلک کے علماء و لیبرل اور مسلم لیگ کے درمیان اتحاد کی راہیں ہموار ہو گئیں۔ یہ تعاون بعد میں اس قدر بڑھا کہ حضرت تھانوی نے یہ تجویز پیش کی کہ جمعیت علماء ہند کانگریس کا ساتھ دے رہی ہے۔ اس لیے مسلم لیگ کی حمایت میں علماء کو ایک مرکز پر جمع کیا جائے۔ چنانچہ ۱۹۴۵ء میں کلکتہ میں جمعیت علماء اسلام کی بنیاد ڈالی گئی۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اس کے صدر اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نائب صدر منتخب ہوئے۔

قیام پاکستان کے لیے جمعیت علماء اسلام کی خدمات سرحد و سلہٹ کے

ریفرنڈم کے سلسلہ میں خاص اہمیت کی حامل ہیں۔ قرارداد پاکستان منظور ہونے کے بعد ارجون کو مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے قائد اعظم سے ملاقات کی۔ قائد اعظم ان دونوں علاقوں میں ریفرنڈم کے سلسلے میں بڑے فکر مند تھے۔ یہ ایک تاریخی ملاقات تھی جس میں مولانا شبیر احمد عثمانی نے قائد اعظم سے کہا کہ وہ ایک تحریر لکھ دیں کہ پاکستان کا دستور قرآن و سنت کے موافق ہو گا۔ اسی کے جواب میں قائد اعظم نے اپنے وہ اہم اور یادگار جملے کہے تھے :-

”جب پاکستان میں مسلمانوں کی اکثریت ہوگی تو آئین اسلامی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے ؟ رہا ایسی کسی تحریر دینے کا سوال تو اس سے ہندو الٹ فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے کہ پاکستان میں ہندوؤں کو مسلمان کیا جائے گا۔ پاکستان بن جائے جمہوری طریقے سے اسمبلی میں اکثریت اور اقلیت کے نمائندے آجائیں تو یہ بات واضح کر دی جائے گی کہ پاکستان کا آئین اسلامی ہو گا مگر ہر فرقے کو مذہبی آزادی ہوگی۔ دستور پاکستان کے غیر اسلامی ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ آپ میری طرف سے قوم سے کہیں کہ میں نے کبھی قوم کو دھوکہ نہیں دیا۔ جو میں کہہ رہا ہوں ہو کر رہے گا۔“

چنانچہ اس ملاقات کے بعد سلہٹ کی ذمہ داری مولانا ظفر احمد عثمانی کو سونپ

دی گئی۔ سلہٹ ریفرنڈم میں کئی دل چسپ واقعات پیش آئے۔ لیاقت علی خاں سلہٹ کے دوسرے پر تھے۔ یہاں مولانا حسین احمد مدنی کے مریدین کی خاصی تعداد

مقی زعفر گاؤں کے مقام پر کانگریسیوں نے جلسہ تلیٹ کھ دیا۔

مولانا عثمانی کو تار دے کر بلوایا گیا۔ اگلے روز مولانا کی صدارت میں اسی جگہ جلسہ ہوا جس میں خان لیاقت علی خاں اور سہروردی جیسے زعماء شریک تھے۔ مولانا عثمانی نے مولانا سہول کے سامنے پورے سلہٹ کا دورہ کیا۔ انتخابات سے دو دن پہلے کا اجتماع تو ایک یادگار حیثیت رکھتا ہے۔ حضرت شاہ جلال رحمۃ اللہ علیہ اس علاقے کے ایک بہت بڑے بزرگ ہیں۔ ان کا عرس ہو رہا تھا۔ لاکھوں افراد فرار کی مسجد کے گرد خیمہ زن تھے۔ مسجد میں جلسہ رکھا گیا۔ لاؤڈ اسپیکر کا دُخ خیموں کی طرف تھا۔ عشاء کی نماز کے بعد مولانا نے حضرت شاہ جلال کے مزار پر فاتحہ پڑھی۔ اور دُعائیں کی۔ سب کے لب پر ایک دُعا تھی مولانا پاکستان بنے، رات کو جلسہ ہوا علمائے حق کی یہ آواز پورے سلہٹ میں پھیل گئی اور سلہٹ پاکستان کا حقہ بن گیا۔

پاکستان بن گیا۔ مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اسلامی دستور کی جدوجہد میں بھی شامل رہے۔ مولانا ان ۳۱ علماء میں شامل ہیں جنہوں نے ۲۲ نکات کا تاریخی مسودہ تیار کیا تھا۔ مشرقی پاکستان میں آپ کا لگایا ہوا سیاسی طور پر بعد میں نظام اسلام کا نام اختیار کر گیا۔ مولوی فرید احمد اسی جماعت کے سپاہی تھے۔ تاہم مولانا نے اپنا زیادہ وقت ٹیڈ والیہ میں درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں گزارا۔ اور دوبارہ اس وقت علی طور پر میدان سیاست میں آئے جب مکر کے انتخابات سے پہلے ملک نظر پانی کشمکش سے دوچار تھا۔ مولانا عثمانی نے اس موقع پر بھی پیرانہ سالی کے باوجود اپنا فرض ادا کیا۔ زندگی کے آخری لمحے تک انہوں نے علمی سرگرمیاں جاری رکھی ہیں آخر ایک صبح اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

## روزنامہ ”جنگ“ کراچی

”موت العالم موت العالم“ کے عنوان کے تحت رقمطراز ہے:-

مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی رحلت کی خبر پورے ملک میں بڑے رنج و غم اور افسوس کے ساتھ سنی گئی۔ خصوصاً علماء و فقہاء کے حلقوں اور دینی درس گاہوں میں صفتِ ماتم بچھ گئی۔ اس جانکاہ صدمے کا اثر صرف پاکستان ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ اس پورے برصغیر اور ممالک اسلامیہ کے حلقوں میں بڑی شدت کے ساتھ محسوس کیا جانے لگا۔ آہ! دین کا کیا عالم اور ملت کا کیا خادم تھا جو ہم سے چھین گیا۔ مولانا کا شمار بھی ان گننے چنے کا بزرگ علماء میں ہوتا تھا جو نہ صرف اپنے علم و فضل کی وجہ سے پورے برصغیر میں ایک ممتاز مقام رکھتے تھے بلکہ قیام پاکستان کی جدوجہد میں بھی انہوں نے بڑی گرانقدر خدمات انجام دی تھیں۔ مرحوم نے تحریک پاکستان کے دوران علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے مل کر جمعیت علماء اسلام کی داغ بیل ڈالی تھی جس کا مقصد جمعیت علمائے ہند کے پروپیگنڈے کا مقابلہ کرنا اور پاکستان کے حق میں لڑنے کا کوہموار کرنا تھا۔

مولانا نے سلہٹ اور شمالی مغربی سرحدی صوبے کا دورہ کر کے مسلمانوں کو پاکستان کے حق میں رائے دینے کے لیے آمادہ کیا تھا۔ ان سیاسی اور ملی خدمات کے علاوہ مولانا کا دوسرا عظیم کام وہ جو انہوں نے تصنیف و تالیف اور درس و تدریس کے میدان میں انجام دیا۔ اردو اور عربی میں متعدد کتب تصنیف کیں۔ جن میں سے بعض کو شہرت اور استاد کا اعلیٰ مقام حاصل ہوا۔ شیخ الحدیث کی حیثیت سے مرحوم کی خدمات برصغیر کی متعدد درس گاہوں اور کئی برسوں پر پھیلی ہوئی ہیں۔ دارالعلوم الاسویہ ٹنڈوالہیار کے وہ گذشتہ پندرہ برس سے سربراہ تھے مولانا

نے اپنی سادی زندگی دین اور ملت کی خدمت میں گزار دی تھی۔ وہ صرف ایک عالم ہی نہیں تھے بلکہ علم و فضل کا ایک ایسا سرچشمہ تھے جس سے سیراب ہو کر سینکڑوں طالبانِ علم علماء کے گرد وہیں شامل ہوتے رہے تھے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو مولانا کی جذباتی علم کا ایک بہت بڑا نقصان ہے۔ اب ان کی خدمات کی صحیح قدر اسی طرح ہو سکتی ہے کہ علم کی توشیح وہ روشن کر گئے ہیں طلباء اور علماء اُس کی روشنی اور تابانی میں برابر اضافہ کرتے رہیں اور اُسے کبھی نہ بجھنے دیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو آخرت میں اعلیٰ درجہ عطا فرمائے۔ کر دٹ کر دٹ جنت نصیب کرے اور ان کے پیسندگان اور وابستگان کو صبر جمیل عطا کرے۔“

روزنامہ ”حریت“ کراچی

”آہ! مولانا عثمانی“ کے عنوان سے اپنے اداروں کالموں میں لکھا ہے :-  
 ”ملک و ملت کا ایک اور ستون ہمارے درمیان سے اُٹھ گیا۔ مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ہر لحاظ سے ایک تاریخ ساز شخصیت تھے۔ ان کے علمی تبحر اور دینی خدمات کا سارا عالم اسلام معترف ہے کیونکہ ان کی تعینات دینی علوم میں بلند رتبہ رکھتی ہیں اور اس لحاظ سے ان کا نام دینی دُنیا تک روشن رہے گا۔ اس کے ساتھ ہی مولانا مرحوم پاکستان کی تاریخ میں ان گنی چنی شخصیتوں میں شمار ہونگے جنہوں نے اس ملک کے قیام کی تحریک کو اسلام کے تعاون سے ہم آہنگ کیا۔ اور علمائے حق کی کثیر تعداد کو اس کا درواں میں شامل کیا۔“

مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد مولانا ظفر احمد عثمانی ہی کی انقلاب آفرین شخصیت تھی جس نے نہ صرف جمیعتہ علماء ہند کی سیاسی غلطیوں کی نشاندہی کی بلکہ ان کے خلاف منظم جدوجہد کر کے پاکستان کی تحریک میں زور پیدا کیا۔ پھر عین قیام

پاکستان کے وقت مرحوم کی ذاتی مساعی نے سلہٹ اور سرحد کے مسلمانوں میں بیداری پیدا کی اور انہوں نے رفیرنڈم میں پاکستان کے حق میں ووٹ دیا۔ قیام پاکستان کے بعد مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تمام صلاحیتیں دینی تعلیم کے فروغ کے لئے وقت کر دیں تاکہ پاکستان کی نظریاتی تعمیر کے لیے قوم کو دینی رہنمائی حاصل ہوتی رہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا کی اس نیکی کو جاری رکھے اور انہیں اپنے بخوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔

» دروز نامہ مشرق « کراچی، لاہور

”آہ مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ“ کے زیر عنوان اپنے ادارتی کاموں میں رقمطراز ہے :-

» مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تہ صغیر پاک و ہند کے ان ممتاز علماء میں سے تھے جنہوں نے تحریک پاکستان میں نمایاں کردار ادا کیا اور جن کو قائد اعظم کا بھی خاص اعتماد حاصل تھا۔ انہوں نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ اسلام اور تہ صغیر کے مسلمانوں کی خدمت میں بسر کیا۔ انہوں نے تفسیر حدیث اور فقہ پر گہرا قدر تصانیف بھی پیش کیں اور قیام پاکستان کی جدوجہد میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے دوش بدوش بہت اہم کردار ادا کیا۔ قیام پاکستان کے بعد بھی وہ قومی خدمات کے محاذ پر ایک مستعد سپاہی کی طرح کام کرتے رہے۔ ان کی ذات بہت سی خوبیوں کا مجموعہ تھی۔ ان کی رحلت ملت کے لیے بلاشبہ ایک قومی سانحہ ہے اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی ابدی جدائی سے قومی زندگی میں جو خلا پیدا ہوا ہے اسے مشکل سے پُر کیا جاسکیگا۔“

## روزنامہ ”وفاق“ لاہور

صفحہ اول پر شہ سُرخس کے تحت لکھا ہے :-

» تحریک پاکستان کے سرکردہ رہنما، بڑے صغیر پاک و ہند کے بزرگ عالم دین اور دارالعلوم سنڈوالہیار کے شیخ الحدیث حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ آج صبح کراچی میں رحلت فرما گئے۔ اناللہ وانا علیہ راجعون

مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے دستِ راست اور بابائے قوم اور حضرت قائد اعظم کے معتمد علماء میں سے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد مشرقی پاکستان میں آزادی کا سبز ہلالی پرچم سرکاری طور پر آپ ہی کے دستِ مبارک سے لہرایا گیا تھا۔ مولانا کی رحلت کی خبر پورے ملک میں انتہائی رنج و الم کے ساتھ سُنی گئی۔

مولانا ظفر احمد عثمانی حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے قریبی عزیزوں میں سے تھے۔ مولانا ایک جید عالم، فقیہ اور محدث تھے اور ان کا شمار حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے معمر خلفاء میں ہوتا تھا۔ مولانا مرحوم قیام پاکستان سے قبل ڈھاکہ یونیورسٹی میں اسلامیات کے سربراہ تھے۔ انہوں نے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ قیام پاکستان کی جدوجہد میں بابائے قوم حضرت قائد اعظم کی آواز پر لبیک کہا۔ اور انہیں بارہا معارفِ قوم حضرت قائد اعظم سے ملاقات کا موقع ملا۔ جب پاکستان کا قیام عمل میں آیا تو مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے مشرقی پاکستان میں سرکاری طور پر آزاد پاکستان کا سبز ہلالی پرچم لہرا دیا۔

اخبار کے صفحہ اول پر سیاہ حاشیے میں ”مولانا کی کئی مرحوم کا ایک تعزیتی

تعلیمات کے لیے وقف کر دی تھی اور دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈوالہار کی حیثیت اور اس کی قدر و اہمیت مولانا ہی کی فات کے ساتھ وابستہ تھی جس کے آپ بیس سال تک سربراہ رہے ہیں۔

روزنامہ ”مادننگ نیوز“ کراچی (انگریزی)

رقم طراز ہے کہ :-

”مولانا عثمانی“ نے تحریک پاکستان میں نمایاں حصہ لیا اور آپ قائد اعظم کے معتمد ساتھیوں میں سے تھے۔ مولانا دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈوالہار میں بطور شیخ الحدیث گذشتہ پندرہ بیس سال سے علمی خدمات انجام دے رہے تھے۔

از نوائے وقت لاہور

اَہ ! ظفر احمد عثمانی

سرزد جسم وہ کیا ہو گئے ہم سے  
 اور باب بصیرت جو خفا ہو گئے ہم سے  
 مآزہ تھا ابھی دارِ بخ بدایونی مرحوم  
 عثمانی ثانی بھی جدا ہو گئے ہم سے



## تقریبی خطوط پیغامات اور قرار دادیں

حضرت مولانا مرحوم کے وصال کے بعد یوں تو جگہ جگہ سے بے شمار تقریبی خطوط اور پیغامات موصول ہوئے جن کا نقل کہ نا طوالت عبارت کا باعث ہوگا۔ البتہ چند خطوط اور چند تقریبی قرار دادیں اپنی اہمیت کے پیش نظر نقل کی جاتی ہیں۔

مکتوب گرامی حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مدظلہم

بنام

از مکہ مکرمہ

مولانا عمر احمد عثمانی

” عزیز گرامی قدر و منزلت و رشتہ الاستاذ المحرم نور اللہ مرتدہ

بعد سلام مسنون! عادتہ جائگاہ کا اجمالی حال تو مفتی ذین العابدین کی زبان سے کئی دن ہوئے سنا تھا کہ وہ مکہ آئے۔ اس دن کراچی تھے اور جازہ میں شریک اور رات عزیزم شمیم مکی نے ایک پاکی اخبار دیا جس میں تفصیل تھی۔ ابتداً خبر سننے کے بعد جو چوٹ دل پر لگی وہ تو قابل بیان نہیں۔ لیکن جانے والے کے ساتھ پسماندگان بخیر دعاء مغفرت اور ایصال ثواب کے اور کیا کر سکتے ہیں۔ اس کا اہتمام خود مجھی ہے اور احباب سے بھی تاکید کہتا رہتا ہوں کہ اس کے سوا اور کیا کر سکتا ہوں۔ لیکن خبر سننے کے بعد سے مولانا مرحوم کے سارے احوال انہوں کے سامنے اور دل میں گھوم رہے ہیں۔ سب سے اول جبکہ مولانا مظاہر

کے مدرس تھے اور یہ ناکارہ اسی سال سہانپور پہنچا تو والد صاحب مرحوم رحمۃ اللہ علیہ نے میرا اور مولوی ادیس کاندھلوی مرحوم کا بخیر کا سبق مولانا مرحوم کے حوالے کیا تھا۔ تین دن بعد میری اور مولوی ادیس مرحوم کی ایک جھوٹی شکایت مولانا کے پاس پہنچی۔ جس پر ہم دونوں کی مولانا نے پٹائی کی۔

دوسرے دن مولانا کو بھی شکایت کا جھوٹا ہونا معلوم ہو گیا تو مولانا مرحوم نے مجھ سے معاف فرمانے کو کہا۔ مجھ پر پٹائی کا کیا اثر ہوتا کہ میں اس کا بہت عادی تھا میں نے مولانا کی خدمت میں شیرینی پیش کی تھی کہ کہیں سے اُنی تھی مجھے مولانا کا فقرہ بہت خوب یاد رہے گا کہ ایسی پٹائی بہت ہی مبارک ہے جس پر مٹائی کھانے کو ملے۔ اس کے بعد سے تو مولانا کی شفقتیں اخیر تک بڑھتی رہی تھیں۔ چونکہ مولانا مرحوم میرے والد صاحب کے شریک دسترخوان بھی تھے اس لیے اور بھی تعلقات میں اضافہ ہوتا رہا۔

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کا معمول تو یہ تھا کہ کھانا ہمیشہ وعظ کے بعد نوش فرمایا کرتے تھے اور مولانا مرحوم کا دستور یہ تھا کہ اپنے کچھ کھانہ لیتے وعظ نہ فرماتے۔ جب مدرسہ جلسے میں تشریف لے جاتے تو جلدی سے اکابر کے ساتھ ساتھ چلتے چلتے دروازے پر تشریف لاتے اور فرماتے جو کچھ دکھاؤ جلدی بیچ دو میں وعظ نہیں کر سکتا۔

جب خواجہ صاحب مجذوب رحمۃ اللہ علیہ عتقاد بھون جاتے ہوئے ایک شب کو سہان پور مزدور ٹھہرا کرتے تھے اور استاذی مرحوم کا مسکن قاری درجہ کے ادپر کا حصہ تھا تو گہریوں میں عشاء کے بعد سے لے کر صبح کی نماز تک میں مولانا مرحوم اور چاچا جان نور اللہ مرقدہ (حضرت مولانا محمد الیاس صاحب) خواجہ صاحب

کا کلام سنتے سنتے صبح کر دیتے تھے۔

سہارنپور کے ابتدائی دور میں تہادی والدہ اور حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کی زوجہ ثانیہ جو بھائی سعید مرحوم کے انتقال کے بعد بیوہ ہو گئیں تھیں ایک مکان میں بلکہ ایک ہی کوٹھے میں قیام تھا۔ اس وقت کے مناظر بھی بہت یاد آئے۔ عمر پیارے! کیا کیا لکھوں؟ آنکھیں اشکبار ہیں اور دل محزون۔ بات لکھنے کی تو نہیں ہے مگر

جس زمانے میں یہ ناکارہ بذل (بذل المحمود شرح ابی داؤد مولفہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب) پھپھوانے کے واسطے ہر ہفتہ تھا نہ بھون جایا کرتا تھا تو مولانا شبیر علی صاحب مرحوم اور یہ ناکارہ دونوں ہی مولانا کی شان میں بڑے گستاخ تھے۔ ہر وقت ہنسی مذاق رہتا تھا۔ ایک دفعہ ظہر کی نماز پڑھ کر حضرت مولانا مرحوم تشریف لائے اور فرمایا جلدی قلم دوات لاؤ۔ میں نے مولوی شبیر علی مرحوم سے کہا۔ جلدی دو کوئی نیا کشف ہوا ہے۔ مولانا نے غصہ میں فرمایا کہ ہر بات کا مذاق نہیں اڑایا کرتے۔ میں نے مولوی شبیر علی سے تھا خدا کیا کہ جلدی کا غز قلم لا دو۔ تو مولانا نے اس سیاہ کار کو اجازت بیعت لکھی۔ میں نے پڑھ کر عرض کیا کہ حضرت! میں تو اجازت بیعت کو بہت اُدنی چیز سمجھوں تھا جو مجھ جیسے سیاہ کار کو بھی ہو سکتی ہے تو میری نگاہ میں اپنی تو کوئی وقعت نہیں بڑھی بلکہ اجازت کی وقعت گر گئی۔ مولانا نے فرمایا کہ یہ چیزیں مذاق کی نہیں ہوتیں۔ چپ رہو۔ چند روز بعد میرے حضرت نور اللہ مرقدہ (حضرت مولانا خلیل احمد صاحب) کا دالانامہ اس سیاہ کار کے پاس پہنچا۔ اس میں بھی کچھ حضرت نور اللہ مرقدہ کی شفقت کی بنا پر اُمید افزا الفاظ تھے۔ مولانا مرحوم نے اس خط کو کھولا اور

پڑھا۔ مولانا وہ خط دیکھ کر میرے پاس تشریف لائے جبکہ میں پُروف دیکھ رہا تھا۔  
 اور فرمایا کہ میری تحریر کو تو تو نے گرا دیا۔ حضرت کے خط کو کیا کرے گا؟ میں حضرت  
 مولانا مرحوم کے سر ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف کرے) آپ کو میرا خط کھولنے کا  
 کیا حق تھا؟ وہاں فقہی بحث چل پڑی۔ بات پر بات یاد آ رہی ہے اور میں بہت  
 ہجوم میں گھرا ہوا ہوں۔ اور بخار کی وجہ سے بہت مغمی تھا۔ مگر اس بے چینی نے یہ  
 سطور لکھوا ہی دیں۔ تمہیں تسلی دوں یا اپنے کو؟

میری طرف سے مولانا کے جلد اعزہ اور پسماندگان کی خدمت میں تم ہی تعزیت  
 کا مضمون عرض کر دینا کہ جو آ رہا ہے۔ جانے کے واسطے آ رہا ہے۔ جانے والے  
 کے ساتھ اگر کوئی نیکی ہو سکتی ہے یا صلہ رچی تو صرف اسی سے ہو سکتی ہے کہ جانی و  
 مالی اپنی استطاعت کے موافق ایصالِ ثواب کرتا ہے۔ اس سے اپنے کو صبر و سکون  
 اور جانے والے کو خدمت و سرور حاصل ہوتا ہے۔ رنج و قلق طبعی چیز ہے۔ مگر  
 اس سے نہ تو اپنے کو کوئی فائدہ اور نہ جانے والے کو۔ میرا دستور ہمیشہ یہ رہا ہے  
 کہ اپنے خصوصی اعزہ یا اکابر میں سے جب کسی کا وصال ہوا تو اطلاع کے ساتھ یہ  
 بھی لکھا کرتا تھا کہ میری تعزیت آپ کے آنے سے نہیں ہونے کی۔ یہاں اُنے میں  
 جتنے پیسے خرچ ہوں اور جتنا وقت خرچ ہو متفرق اوقات میں اتنا وقت تلاوت  
 کر کے اور آمد و رفت کا کہ ایہ صدقہ کر کے مجھے ایک کارڈ سے اطلاع دیدیں۔  
 تو مجھے تمہارے آنے کی نسبت اس اطلاع سے زیادہ مسرت ہوگی اور جانے  
 والے کے لیے زیادہ کار آمد ہوگی۔“

حضرت شیخ الحدیث صاحب فیوضہم، بقلم حبیب اللہ

۱۶ دسمبر ۱۹۶۴ء مکتہ المکرم

مکتوب گرامی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم

مفتی محمد شفیع

فون دفتر ۲۸۱۱۷

رہائش ۲۸۲۲۵

خادم دارالعلوم کراچی نمبر ۱۲

عزیزم محترم مولوی عبدالشکور صاحب سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

عنایت نامہ خلا: حالت بہ ظرفین کی یکساں ہے۔ مولانا مرحوم دو ہفتے کہ اچی میں بیمار رہے۔ مگر افسوس ہے کہ ہمیں کسی طرف سے اُس کی خبر نہ ملی۔ وفات کے بعد اُن کے صاحب زادے عمر احمد نے ٹیلیفون پر خبر دی۔ اچانک اس حادثے کی خبر سے جو کچھ اثر اس ضعیف و ناتواں پر ہونا تھا وہ ہوا۔ کمر ٹوٹ گئی۔ اپنے بزرگوں کی یہ آخری یادگار بھی رخصت ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ لا تحرمنا خیرا بعدک و اعفر لہ مغفرۃ ظاہرۃ و باطنۃ لا تعاد و دنیا۔

اُپ نے جب مجھے یہاں آنے کی اجازت دے دی اور احقر نے آخر میں آنے کے لیے لکھ دیا اور اس کا بڑا سبب یہی تھا کہ اُپ کے قصد سفر میں مولانا مرحوم کی زیارت بھی شامل تھی۔ اب مجھ گناہ گار کی ملاقات میں کیا رکھا ہے جس کے لیے کوئی سفر کرے بس اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ افضح اجلی فی طاعتک و اختم فی الخیر عمل و اجعل ثوابہ الجنة۔

میں اُپ کے اور اُپ کے متعلقین کے لیے دعا کرتا ہوں۔

والسلام

بندہ محمد شفیع ۲۸-۱۱-۹۴

مکتوب مجمع مجلس احرار اسلام پاکستان لاہور، مسلمان

۱۵ محرم الحرام ۱۴۱۵ھ - ۲۸ جنوری ۱۹۹۵ء

برادر دینی جناب مولانا قمر احمد عثمانی زید لطفک

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ !

(۱) ادائے دسمبر، دین ایک شام اچانک یہ خبر سنی کہ آپ کے قابلِ صدِ فخر و رشک والدِ زید اور ملک کے مایہ ناز عالم، فقیہ و محدث ادیب و مُصنّف اور متکلم بزرگ حضرت مولانا علامہ الشیخ ظفر احمد عثمانی انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا مرحوم و مغفور کے متعلق فوری طور پر دل پر وارد ہونے والے خیالات و تاثرات تو میں نے غالباً اسی رات اپنے دفتر کے کارکنوں کو لکھوا دیئے جو اخبارات کے لیے بھیج دیئے گئے جو حسبِ مزاج و عادت بعض نے شائع کئے اور کئی پی گئے۔ البتہ آپ کے نام مکتوبِ تعزیت صرف اس لیے مؤخر ہو گیا کہ میں بذریعہ بس چیمپا وطنی اور کمالیہ کے لیے راستے سے لائل پور کے لیے آمادہٴ سفر تھا۔ لیکن افسوس کہ کالیہ سے گزرتے کا وقت ایسا ملا کہ جس میں میرا اترنا اور کسی متنفس سے رابطہ پیدا کرنا بھی ممکن نہ رہا۔ چنانچہ عید الاضحیٰ کے بعد بھی ایسا ہی دوسرا اتفاق پیش آیا اور میں باوجود آپ سے ملنے کی دیرینہ اور شدید خواہش کے بھی کالیہ تو آیا لیکن لائلپور کے نظام الادوات کے پیشِ نظر پھر ملاقی نہ ہو سکا۔ جس کا مجھے سخت صدمہ ہوا اور یوں براہِ راست تعزیتِ مسنونہ کے لیے آپ سے رابطہ قائم کرنے میں محروم رہا لیکن دل و دماغ پر اس کا بڑا بوجھ تھا کہ اتنے میں ۳ محرم ۹۵ھ مطابق ۱۶ جنوری ۱۹۹۵ء پنج شنبہ کو ظہر کے وقت حاصل پور ضلع بہاولپور میں پہنچتے ہی تانگے سے اترنے لگا تو پاؤں ہموار زمین پر نہ پڑ سکا اور لڑھک گیا جس سے پاؤں میں موج اُٹگی۔ ساتھیوں نے مجھے اٹھایا اسکا حالت

میں بیٹھ کر ظہر ادا کی۔ پھر عصر تک قریباً دو گھنٹے درس قرآن کریم دیا۔ وہ خود سے ملاقات کی۔ رات وہیں گزاری۔ دوسرے دن اسی حالت میں افتاں و خیراں اور کشاں کشاں تانگے، لاری کے وسائل سے معلق ہوتا گھر پہنچا اور تامل روز صاحبِ فراش ہوں اور بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہوں اور آج پہلا دن ہے کہ جوڑ صحیح بیٹھنے کی آزمائش کے لیے بے سہارا بھی خود اٹھ کر کمرے سے صحن تک آہستہ آہستہ چل کر گیا۔ ابھی مکمل آرام میں اندازہ ہے کہ کم از کم ایک ماہ لگے گا۔ واللہ المیسر بکل عسید۔

(۲) تین روز پیشتر اسی حالت میں میرے بھانجے سید محمد کفیل بخاری سلمہ نے مقامی روزنامہ ”امروز“ میں شائع شدہ یہ افوسناک خبر سنا لی جسے بعد ازاں میں نے پرچہ خود لے کر پڑھا کہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع مدظلہ کے بڑے فرزند مولانا محمد ذکی کفئی انتقال کر گئے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ خبر سے طبعاً اور دہن و مذہب مسکدے مشرب اور علم و روحانیت کے روابط مختلفہ کے تحت بڑا صدمہ ہوا۔ مرحوم سے سال میں ایک دو بار لاہور جانے پر ان کی دکان پر ملاقات ہو جایا کرتی تھی۔ خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے۔ حضرت مفتی صاحب کے لیے اس عمر میں یہ صدمہ بہت سخت دھکا ہے لیکن مشیت و حکمت الہیہ سب پر غالب ہے۔ اللہ تعالیٰ محمد ذکی مرحوم کو جوارِ رحمت میں انعام اور متی صاحب نیز جملہ متعلقین کو صبر جمیل و اجر جزیل مرحمت فرمائیں۔ آمین۔

اس خبر سے حضرت مولانا عثمانی نور اللہ مرقدہ کے حادثہ وفات پر آپ کو چند سطور لکھنے کا تقاضا لکھرا اور شدہ سے نتیجتاً ابھی چند منٹ پہلے مفتی صاحب کے نام منقل تعزیت نامہ لکھا ہے اور اب آپ کے نام یہ سطور لکھ کر اظہارِ غم کر رہا ہوں۔

حضرت مولانا مرحوم کی زیارت تو محض دو چار بار ہوئی لیکن اباجی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت اور ان کے اپنے ظرف و ذوقِ علم و روحانیت کے باعث ان کی شفقت یوں حاصل ہوتی

جیسے میں برسوں اُن کی خدمت میں رہا ہوں۔ مجلس خدام صحابہ رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں ”برۃ عثمان“ اور تذکرہ یاران رسول علیہم السلام کی اشاعت کی اجازت اور اس ضمن میں علمی رہنمائی میں جس طرح اُنہوں نے صحیح، بزرگ، گانہ شفقت، سرپرستانہ دسعت، ظرف و قدر افزائی کا مظاہرہ کیا وہ ساری عمر یاد رہے گا۔ پھر اس مختصر تحریر نے احقاقِ حق و فائزِ سنّیہ اور ردِ رافضیّہ و بسائیّت و جماعتِ اسلامی و اعوانہم کے سلسلہ میں جو بھرپور اثر چھوڑا اس سے ادلّ تو ہزاروں ورنہ سینکڑوں کا ایمان تو لازماً ہی محفوظ کر دیا اور یہ چیز حضرت مرحوم کا مستقل صدقہ جاریہ ہے۔ دُعا ہے اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کی جملہ علمی فقہی حدیثی، تاریخی اور قومی خدمات کا بہتر سے بہتر اجر و بدل مرحمت فرمائیں۔ انہیں علیہم میں مقام نصیب فرمائیں اور ان کے علمی و روحانی فیوض سے ہمیں تازندگی استفادہ کی توفیقِ ارزانی فرمائیں اور آپ سمیت جملہ متعلقین کو صبر و تحمل اور اسوۂ اکابر پر چلنے کی ہمت و قوت عطا فرمائیں۔ آمین

میری اور جملہ اہل خانہ کی طرف سے اپنے پورے خاندان کو کلماتِ تعزیت صبر و تسلی کہہ دیجئے۔ عزیز عبد الرحمان غالباً آپ کے سب سے چھوٹے علانی مجاہدی اب کہاں اور کس کے پاس ہیں؟ اور حضرت مرحوم کے مسودات و کتب کا کیا ہوا؟ کچھ تفصیل کہ احکام القرآن کے علاوہ مسودات کسی کسی موضوع پر ہیں اور انکی اشاعت کی کیا صورت ہوگی؟ ممکن ہو تو ضرور لکھیں۔ شدید تعلقنا ہے۔ اُمید ہے کہ محروم نہ کریں گے۔

(۳) اُمید ہے آپ مع متعلقین فی الجملہ بہ عافیت ہوں گے۔ گھر میں سلام، بچوں کو دُعا کہہ دیں۔ یہاں مجموعۂ خیریت ہے۔ میرا بڑا لڑکا سید ابوسفیان محمد معاویہ بخاری بیسواں اور چھوٹا سید ابوعثمان محمد مغیرہ بخاری پندرہواں پارہ حفظ کر رہا ہے اُن کے

لیے بہ طور خاص حفظ قرآن کریم، حصول علم دین اور استقامت علی الخیر کو عا کرتے رہا کریں۔ امید ہے فراموش نہ کریں گے۔ اور کیا لکھوں بھائی ہم تو اب اس صدی کے بقیہ ہزرگوں کی اسیاد موت پڑھنے اور شرکت فی الجنائزہ کا ثواب حاصل کرنے کے لیے زندہ رہ گئے ہیں اور نہ جانے ہماری موت اور جنازہ کا کیا حال ہوگا۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمادیں۔ موت قبر آسان ہو اور دین و مسلک صحیح پر زندگی اور موت و حشر و نشر نصیب ہو جائے آمین۔

والسلام مخلص و غیر اندیش

فقیر ابن امیر شریعت السید ابو محادیہ ابوزرعی قادری، بخاری  
امیر و خادم مجلس احرار اسلام پاکستان

مکتوب حافظ محمد اکبر شاہ بخاری جام پور

”اے عالم اسلام کا آفتاب علم و عمل غروب ہو گیا“

عہ یہ کون اٹھا محفل ہستی سے عزیز و

خورشید جہاں تاب بھی خوننا بہ فشاں ہے

محترم المقام جناب مولانا ترمذی صاحب مدظلہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مخدوم العلماء والصلحاء شیخ الحدیث والمحققین سراج السالکین فقیہ الامت

سیدی و مرشدی حضرت علامہ مولانا ظفر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہ کی رحلت کی  
روح فرسا خبر دل پر بجلی بن کر گری۔ قلب کا سکون لٹ گیا۔

اے دنیا اندھیر ہو گئی کیوں نہ ہو عالم اسلام کا آفتاب علم و عمل جو

جو عز و ب ہو گیا۔

ۛ تاریک ہو گئی ہے شبستان اولیاء  
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خاموش ہے

مولانا صاحب! حضرت عثمانؓ کی وفات کا جتنا صدمہ ہوا ہے وہ بیان سے باہر ہے۔ ایسی برگزیدہ اور مقہم وقت ہستی کی مفارقت یقیناً آپ حضرات کے لیے اور ہم سب خدام کے لیے انتہائی قلق کا باعث ہے۔ اُن کا سایہ عاطفت سب ہی کے لیے باعثِ مدخیر و برکت تھا۔ اب اُن کی مخلصانہ دعائے خیر سے محرومی واقعی سخت محرومی ہے۔ حضرتؓ کی وفات دنیائے علم و اخلاق کا ایک عظیم حادثہ ہے اور ایسے اکابر و اسلاف کی رحلتِ علاقائے قیامت میں سے ہے۔ حضرت فقیہ الامت قبلہ عثمانؓ رحمۃ اللہ علیہ علوم اسلامیہ و دینیہ اور نقلی و عقلی فنونِ علم کے جامع ترین عالم تھے۔ وہ عالم و عارف تھے۔ محقق و مدبر، مفسر و مفکر تھے۔ غرض علمی دنیا کے آفتاب و ماہتاب تھے۔

ۛ وہ عالم باعمل تھا، عالی دماغ تھا

انجن دیوبند میں اک روشن چراغ تھا

ۛ آپ جیسی جامع کمالاتِ شخصیتیں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ آپ اسلاف کا عین نمونہ تھے۔ بندہ کو کئی دفعہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ کی کون کون سی عاداتِ مبارکہ کا ذکر کیا جائے۔ آپ تو جمیع اوصاف و فضائل کے مالک تھے جن کا اس تاریک دور میں ملنا مشکل ہے۔ ایسی جامع شخصیت اور مجمع فضائل کی ہستی کی وفات سے پورے عالم اسلام کے دینی اور علمی حلقوں میں جو زبردست خلا پیدا ہو گیا ہے افسوس کہ اُس کے پُرہونے

کی توقع نہیں ہے۔

ع پیدا کہاں جہاں میں اب ایسا شیخ باکمال

فیض جس کا عام تھا، اب ملتی نہیں مثال

افسوس کہ ایسے نازک دور میں جبکہ اُمت کو علم و دین کے ایسے اکابر کی سرپرستی کی بے حد ضرورت تھی۔ اس نعمت عظیم کا چھن جانا بڑا خسارہ، ایک بڑی مصیبت اور ایک عظیم حادثہ ہے۔ ایسے حضرات کی موت صرف گھروالوں ہی کے لیے مصیبت نہیں ہوتی بلکہ پورے ملک و قوم کے لیے اور اہل زمین کے لیے مصیبت ہوتی ہے۔

ع ضرورت جتنی جتنی بڑھ رہی ہے صبح روشن کی

اندھیرا اور گہرا اور گہرا ہوتا جاتا ہے

ہمارے یہاں مرکزی جامع مسجد عثمانیہ جام پور میں حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے ایصالِ ثواب کے لیے قرآن خوانی کرائی گئی ہے۔ بندہ اور اہل خانہ نے الگ الگ کئی قرآن ختم کہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی رفرح مقدس کو ثواب بخشا ہے۔ اس کے علاوہ بندہ کی اپیل پر شہر کی تمام جامع مسجدوں میں ایصالِ ثواب کے لیے اہتمام کیا گیا ہے اور خصوصی دُعائیں مانگی گئی ہیں۔ اللہ عزوجل آپ، ہم اور جملہ لواعقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

دُعا ہے کہ اس پیکرِ صدق و صفاء سرِ پائے وقار و ملکوت، مجسمہ زہد و تقویٰ، مخزنِ علم و عمل، جامع کلمات بزرگ کی رُوح پاکیزہ ابو رحمت کے فیضِ قدسی سے ہمیشہ سرشار اور شاداب رہے اور ان کی قبر مبارک اُفتابِ کرم کی صوفشانی سے ہمیشہ بقعہ نور بنی رہے اور ان کا نورانی چہرہ سرِ پانور ہو اور

اُن کو کمر وٹ کمر وٹ اپنی مخصوص رحمتوں سے اللہ تعالیٰ نوازے اور ہمیں اُن کے  
نقش قدم پر چلائے۔ آمین۔

آسمان تیری لحد پر شعبنم افشانی کرے  
عظم ہو گیا دیوبند کی قیمت کائنات

بندہ ناچیز  
حافظ محمد اکبر شاہ بخاری

ناظم مرکزی جمعیت علماء اسلام جام پور

تعزیتی قرار داد انجمن شہریان جام پور

اجلاس مرکزی جامع مسجد عثمانیہ جام پور منعقدہ ۲۸ ذیقعدہ ۱۳۹۳ھ

زیر صدارت جناب بابو محمد یوسف صاحب قریشی۔

”انجمن شہریان جام پور کا یہ اجلاس یقین کرتا ہے کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کی وجہ سے جو صدمہ عظیم اُن کے اہل خانہ کو پہنچا ہے۔ اہل شہر جام پور اُن کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ یہ صدمہ اُن کے خاندان پسماندگان اور جماعت مرکزی جمعیت علمائے اسلام پاکستان ہی کا نہیں بلکہ مرحوم کا وصال پوری ملت اسلامیہ پاکستان کا صدمہ عظیم ہے۔ انجمن شہریان جام پور اُن کے اہل خانہ کو ہر قسم کے تعاون کا یقین دلاتی ہے اور درخواست کرتی ہے کہ وہ جب کبھی انجمن کو یاد کریں گے تو انجمن کے ہر رکن کو اپنے مرحوم قائد کے خادم کی حیثیت سے ہمیشہ حاضر پائیں گے۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں مقاماتِ عالیہ عطا فرمائے اور آپ سب کو صبر جمیل عطا فرمائے اور جناب مولانا عمر احمد صاحب اور

مولانا قمر احمد عثمانی صاحب کو ان کا صحیح جانشین بنائے اور ہم سب کو حضرت مرحوم  
کے نقش قدم پر چلائے۔ آمین

شرکائے غم اراکین انجمن

بابو محمد یوسف صاحب ، محمد حسین دہاوی ، حافظ محمد اکبر شاہ  
مولانا سید نذر محمد شاہ بخاری ، حبیب الرحمن صاحب ،  
عبدالرحمن شاہ ، سراج الدین ، سید محمد رمضان شاہ -  
منشا ، بخاری - شبیر احمد عثمانی - محمد قاسم صاحب -  
حافظ محمد علی صاحب - محمد شریعت - محمد امین - محمد صدیق -  
مولانا عبدالحی صاحب ، مولوی غلام قادر صاحب اور  
ڈاکٹر گل محمد صاحب انصاری

محمد اکبر عجمی

ناظم جامعہ عثمانیہ جام پور

ڈیرہ غازی خان میں مولانا ظفر احمد عثمانی کی یاد میں جلسہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں مرکزی جمعیت علماء  
اسلام ضلع ڈیرہ غازی خان کے زیر اہتمام جامع مسجد عبیدیہ میں زیر صدارت حضرت  
مولانا مفتی قاضی عبید اللہ صاحب امیر مرکزی جمعیت علماء اسلام ڈیرہ غازی خان  
ایک جلسہ عام منعقد کیا گیا جس میں مختلف علماء و رہمائے ملت نے مرحوم کو زبردست خراج  
عقیدت پیش کیا اور حضرت عثمانی کی قومی، ملی، دینی اور سیاسی خدمات کو سراہا۔ ان  
کی موت کو عالم اسلام کا عظیم نقصان قرار دیا۔

صدر جلسہ مولانا مفتی عبید اللہ صاحب نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ حضرت

مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ایسے وقت میں وادہ فانی سے رخصت ہوئے جب کہ ان کی شدید ضرورت تھی۔ ابھی حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی قدس سرہ کا زخم تازہ تھا کہ ایک اور زبردست دھچکا لگا اور ہمارے عظیم دہنما اور سرپرست ہم سے جدا ہو گئے۔ ان کی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ موہوم تو اپنا فرض ادا کر گئے اب ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنا چاہیئے۔

مولانا سید نذر محمد شاہ بخاری نے تقریر کہتے ہوئے کہا کہ مولانا عثمانیؒ ان علماء اکابر میں سے تھے جنہوں نے ساری زندگی قوم کو جگانے کی خدمات انجام دیں۔ وہ موجودہ دور کے علماء کے امام تھے۔

مولانا عبداللہ ضیف امیر جماعت اسلامی ضلع ڈیرہ غازی خاں نے اپنی تقریر میں کہا کہ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اس مقدس قافلے سے تعلق رکھتے تھے جس نے آزادی ملک کے لیے ایک اہم کردار انجام دیا۔ وہ حکیم الامت مولانا تھانویؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے دست راست تھے۔

حافظ محمد اکبر شاہ بخاریؒ نے مولانا عثمانیؒ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ مولانا عثمانیؒ بڑے بے باک اور حق گو تھے۔ انہوں نے اپنی تمام زندگی قرآن و حدیث کی خدمت اور ملک و ملت کی خدمت کرتے ہوئے گزار دی۔ اللہ تعالیٰ ان کے نقش قدم پر چلائے۔

آخر میں تعزیتی قرار داد منظور کی گئی جس میں مرحوم کے پسماندگان، متوسلین خصوصاً مولانا مرحوم کے صاحبزادگان مولانا عمر احمد عثمانیؒ اور مولانا قمر احمد عثمانیؒ سے گہری ہمدردی کا اظہار کیا گیا۔

(بحوالہ ہفت روزہ ”غزب“ ڈیرہ غازی خاں)

# تاریخی مراثی و قطعات

بروفات حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

عربی قصیدہ

از مولانا مفتی حبیل احمد صاحب تہاوی جامعہ اشرفیہ لاہور

<p>اللہ وذلک من عظیم الشان          اللہ ہی آپ کی خوبوں کا عرض ہیں اے عظیم الشان بزرگا          خبر کَریم بادِ عِ متودِّع          بڑے عالم لیکن سب سے بڑے ہوئے بہت متقی          معظم اہل العنما اجمع والہدی          تمام اہل علم و ہدایت میں عظیم ترین شخصیت          صدق الذی سہی ظفر احمد لہ          پر کہا جس نے اُن کا نام ظفر احمد رکھ دیا          حکیم امتنا ابن اخت قراۃ          ہمارے حکیم الامت کے نبی مجاہد تھے ہیں          لخلیل احمد ثَمَّ کان لخالہ          حضرت مولانا خلیل احمد اور پھر ان کے ماموں کا</p>	<p>فی الدفع عن حق السائل نحان          حق مسائل جیسے ملافت میں مشقت اٹھانے والے          واعی الحدیث وحافظ القرآن          حدیثوں کو محفوظ اور قرآن کو حفظ کر نوالے          مقدم اہل الفیض والعرفان          فیض علم و عرفان والوں کے پیش رو          ظفر لہ بالحمد والہ بحسان          اللہ کی حمد اور عمدہ عبادت پر ان کی ظفر و کامیابی ہے          اشرف علی مجدد الایمان          مولانا اشرف علی مجدد اسلام و ایمان کے          فی الروح فیض النور واللمعان          ان کی دُور میں نور اور چمک کا فیض ہے</p>
---	--

علم لدنی سری فی قلبہ

علم لدنی ان کی رگ رگ میں سمیٹ کر گیا تھا

فصحاہ الاملاء للسنن الصحاہ

ان کی کتب علاء السنن جو مذہب حنفی کی دلیوں میں

من الف عام لیس یلف مثلہ

ایک ہزار سال سے اس کا کوئی مثل نہیں ملتا

والجہد بالآیات فی اثباتہ

اور مذہب حنفی کو آیتوں سے ثابت کرنے کی

ہذان لہر اقط ما جناحہما

یہ دونوں کیمیں ایسی ہیں میں نے کبھی انکے مشابہ کتابیں دیکھی

ودسائل فی الرد والابطال والہ

اور بہت سے رسائل ہیں رد باطل میں اصلاح اُنت میں

امداد الاحکام الفناوی کلہا

امداد الاحکام "فناوی سب کے سب حق عظیم الشان تحقیقات کے ہیں۔

ولہ مقالات بکلیہ مجلہ

اور ان کے بہت سے مضامین ہیں ہر دینی رسالہ

اشعار کا عر بیۃ عجمیۃ

آپ کے اشعار عربی کے اور اُردو فارسی کے

شیخ لادواح الخلائق مصلح

خلوئی کی روشنیوں کے پیر اور اصلاح کر نیا لے جتے

بہم اتفاق بہ علی الاقراء

اسی بنا پر سب مباحثوں سے سبقت لے گئے

۷ ادلة للمذہب النعمان

جمع مدنیوں کو سب پر غالب کر رہی ہے۔

والاحتیاج الیہ منذ زمان

حالانکہ اس کی حاجت بہت زمانوں سے تھی

قد سمي الاحکام للقراء

گوشتش کا نام احکام القراء ہے

شئ اتمی قام بہ اودان

کوئی بھی شخص کوئی مدد کا لایا ہو یا قریب کا کچھ لایا ہو

اصلاح والتادیخ والعرفان

تادیخ میں تعویذ کی تحقیق ہیں۔

حق بتحقیق بدیع الشان

حق عظیم الشان تحقیقات کے ہیں۔

دینیۃ شاعت من البلاد

میں جو شہروں سے شائع ہوا ہے۔

خلو وحلی قلائد العقیان

شیریں ہیں اور سونے کے ہاروں کے زیوریں

منہج من الافکار والنیران

دنیا میں کوئی اور اخلاقی دوزخ سے نجات دلاؤں گے

فَاذْرُوا جَمَالَ يَاتِ مَنْ شَيْخَانِ  
 اِی دوت گامیا ہو گئے جو بہت پیروں کو بھی متیرہیں  
 وَصَلُوا وَاحِدًا لِّلنَّاسِ فِي الْحَرَمَانِ  
 ہو گئے اور دوسرے کو محرومی میں سرگرداں رہے۔  
 وَكَمْ عَجَىٰ إِلَى الْأَعْدَامِ وَالْمَاذِمَانِ  
 گمراہی پختہ بھی سالوں اور زمانوں تک  
 وَالْوَاعِظُ وَالْآفَاتُ عَجَىٰ بَيَانِ  
 وعظ بھی فتادی بھی حق بیان کے ساتھ  
 لَمَّا يَاتِ عَصْرٌ وَاحِدًا بِالنَّاسِ فِي  
 ایسا کہ زمانہ کسی ایک کا ٹانہ نہیں لاسکا  
 بِلَدَانِهَا وَبِلَادِ بَاكِسْتَانِ  
 شہروں اور پاکستان کے شہروں میں بھی  
 حَتَّى الْوَفَاةِ اِدَارَةُ الْفَيْضَانِ  
 میں تا وفات فیض جاری رہا۔  
 فِي ذِكْرِهِ بِالْفَيْضِ طَبِ وَلسَانِ  
 ساتھ آپ کے ذکر میں اس کی زبان تر نہ ہو  
 اِنْ لَا تَلُوا كِفَارَهُمْ وَدَسْتَانِ  
 تحقیر کے لیے کہ ہندوستان کے کافروں  
 سے دوستی مت کرو۔

بے سیرا شغال واذ کا دفعہ  
 بہت آسان مشغلوں اور ذکروں کے ذریعہ سے اس لیے یہ  
 بَلْ فِي حِكَايَةِ اَقْلٍ قَلِيلَةٍ  
 بلکہ بہت ہی کم خط و کتابت میں ہی وہ لوگ داخل  
 لَمَعَتْ سَهَادَتُهُمْ مِنْ تَدْرِيسِهِ  
 چمک اٹھا سہارنپور ان کی تدریس سے اور  
 بِالْحَافِظِ الْاَشْرَفِ دَرَسِهِ  
 حافظہ اشرفیہ میں آپ کا درس بھی رہا اور  
 وَبِهَاتَا لَمَعَتْ نَوَادِرُ كَلَمَاتِهِ  
 اور وہیں نادر تالیفات بھی ہوئیں سب کی سب  
 بِالْهِنْدِ وَالنَّجَالِ وَالْمِصْرِ صَادِقِ  
 ہندوستان، بنگال اور برما اور ان کے  
 وَبَتْنِدِ وَاللَّهِ يَارْفِي مَا بَعْدَهَا  
 اور سب کے بعد اللہ یار ضلع حیدر آباد  
 لَمَّا يَمُوتُ مِنْهَا وَاحِدٌ اِلَالَهُ  
 ان سب میں سے کوئی ایک ایسا نہیں کہ فقیر کے  
 وَمِنْهُمْ عَمَّ بِالْحَقِّ دَعْوَهُ مَعَالِفِ  
 اور حق آواز سے کافی پھار لینے والے تھے مخالفت کی

همنا شئون و خادعون موالیا  
 یہ خیانت کرنے والے ہیں دوست کو دھوکہ دینے والے ہیں  
 وعلیکم بالجهنم وحدانا لکم  
 اور تم پر واجب ہے کہ شش انگ انگ اپنے واسطے کرو  
 فمعوثة الغریز لمومن  
 کیونکہ غریبہ والے خدا کے مدد تو مومن کے لیے ہے  
 و الکفر من اعدائہ والہمنا  
 اور کفر تو اس کے دشمنوں میں سے ہے اور ہمارے معبود  
 لم یبعث اقوام الی اعلامہ  
 بہت قوموں نے اس دُنئی کی چوٹ پر کان نہ لگائی  
 واذ انشاء کانگرس متخادعا  
 اور اچانک کانگرس اٹھ کھڑی ہوئی شیطان کے  
 اذ لم یجد ایتانہم تبعنا لنا  
 جب کافروں کا سامان کے پاس ہو کر آنا جائز نہ تھا  
 نادى باعلی صوتہ یا مسلمین  
 آپ نے بلند آواز سے للکارا اے مسلمانو!

وکبیرہم ہواکبر الشیطان  
 اور ان کا سب سے بڑا تو بڑا ہی شیطان ہے۔  
 ثقتہ بریکم و بالتکلیف  
 اپنے پروردگار پر بھروسہ اور توکل کر کے  
 وعلیہ تنزل رحمۃ الرحمان  
 اور اسی پر رحمان و رحیم کی رحمت نازل ہوتی ہے  
 لا یرقی بالکفر و الکفران  
 کفر اور ناشکری سے لامنی نہیں ہوا کرتے۔  
 فلبوا بعد خیانتہ الخوان  
 آخر خیانت والوں کی خیانت کا عذر داری میں مبتلا کئے  
 للمسلمین بنزغۃ الشیطان  
 اور غلے سے مسلمانوں کو دھوکہ میں ڈالتا ہوتی  
 کیف اتباع الکفر عن ایمان  
 تو کیسے ہو سکتا تھا کفر کا اتباع ایمان کے بعد  
 اُیتوالی لیث و پاکستان  
 اُدُسلم لیگ اور پاکستان کی طرف  
 ان یجعلوا الاذئاب للحمیوان  
 جانوروں کی دم بنادیئے جائیں۔  
 شر البدیۃ کاذب الانسان  
 کلی خلقت سے بدتر ہے کافر انسان

و جہنمی کافر ابداً  
 اور ہمیشہ کاذب و فری ہے ہر کافر کفر کی وجہ سے  
 من این یعلم ان یسلط کافر  
 کہا ہے درست ہو سکتا ہے کہ اپنے اختیار سے کافر  
 قد شمر الافیال فی نشیدہ  
 اپنے دامن پڑھائے نئی کوشش شروع کر دی پانچا کی  
 جہد و جہد الیس یا لولحظۃ  
 کوشش پر کوشش حسین ایک لمحہ کوتاہی نہ فرمائی  
 فتنا بہذا الامر اعظم قائد  
 پھر کھڑے ہو گئے اس کام کے لیے قائد اعظم  
 دوع لقائدہا بکل عویعة  
 قائد اعظم کے لیے ہر مشکل میں پشت پناہ رہے  
 ظفر و شبیر بشرق و مغرب  
 مولانا ظفر احمد اور مولانا شبیر احمد نے شرق و مغرب میں  
 فی داکہ والجا اتحاد و بلہٹ ہند  
 ڈھاکہ چائنگام اور سلطنت میں ہندوستان کی  
 لمحہ یبغیا بدلاً بہ بو ظائف  
 دونوں بزرگوں نے پاکستان بنانے کی کوئی بدل طلب کیا  
 ہذا خلوص ثم ایشاد بہا  
 یہ تمام خلوص اور پاکستان کے لیے ایشاد !

والمؤمنون الکل اهل جنان  
 اور ایمان والے سب کے سب جنوں والے ہیں  
 بالاختیار علی ادلی الایمان  
 کو ایمان والوں پر مسلط کر دیا جائے  
 ادکان مملکتہ لمباکستان  
 حکومت کے ارکان مضبوط کرنے میں (ایکشن بنائیں)  
 لیل و نولہ عندہ سیان  
 رات اور دن دونوں آپ کے لیے برابر تھے  
 ظفر و شبیر لہ عضدان  
 کہ مولانا ظفر احمد اور شبیر احمد ان کے دو بازو تھے  
 السہانوی الشیخ کل اوان  
 حضرت تھانوی قدس سرہ ہر ہر وقت پر  
 قد اعلیٰ اعلامہ پاکستان  
 امتی دونوں نے پاکستان کے جھنڈے بلند کئے  
 ظفر و فتم دغم مضدستان  
 تذلیل کے ساتھ مولانا ظفر احمد کو فتح و ظفر حاصل ہوئی  
 ووزارتہ والادرم ولاء اعلان  
 نہ ولیفہ نہ وزارت نہ جاگیر نہ پراپیگنڈہ و اعلان  
 بالبتھا لسمات بالکفران  
 کاش ! پاکستان ناشکری نہ ظاہر کرے۔

لَمْ يَطْلُبْهُ إِلَّا أَجُورَ اللَّهِ مَنَّا  
 موائے اپنے رب کے ثوابوں کے اندر کچھ طلب نہیں کیا  
 اعطاهما اجراً جزیلاً دُنباً  
 ہمارا پروردگار دونوں بزرگوں کو اجرِ عظیم عطا فرمائے  
 معافی و بخشش کے احسان کے ساتھ  
 مَتَدَاوَمَا بِالرُّوحِ وَالرَّيْحَانِ  
 بڑا عطا فرمائے جو ہمیشہ دہے رحمت و بارش کیساتھ  
 عِنْدَ الْمَسَاعِي الْيَوْمِ مِنْ خَسَدَانِ  
 توبہ کوششوں میں خسارہ سے نجات کی  
 کامیابی معلوم نہیں ہوتی ۔

بَالِيَتِ دَبِّي يَوْمَ تَنَامُ بَعْدَ  
 کاش ہمارے پروردگار ان کے بعد بھی د  
 ظَفراً وَاجْتَا حَا صَنِ النِّقْصَانِ  
 دو کوئی مولانا ظفر ہمیں کامیابی اور نقصان  
 سے نجات عطا نہ مائیں ۔

كُونْ بِهَذَا الْفَرَانِ مِنْهُ تَفَضُّلٌ  
 اس صدمی میں ان کا وجود ایک احسان تھا  
 عَيْدٌ "حَيَاةُ الْعِلْمِ وَالْعِرْفَانِ"  
 اور علم و معرفت کی زندگی ایک عید تھی

هُوَ حَبِيبٌ لِلْفَضْلِ وَالْفَيْضَانِ  
 ۹۶۰ ۹۶۸

۱۹۶۴ء  
 وہ توفیقیت اور سعیت کی وجہ سے اللہ کے پسندیدہ ہیں

فِي جَنَّةٍ بِاللَّطْفِ وَالرِّضْوَانِ  
 ۱۰۹۳ ۱۰۹۲ ۵۸ ۹۰

۱۳۹۴ھ

جنت میں ہیں مہربانی اور رضا الہی میں ہیں ۔

## القطعة التاريخية

ظفر احمد الشیخ شیخ المهدی نبی الملک والرشد لم ينتظر  
مولانا ظفر احمد شیخ ہدایت نے پاکستان ملک تو  
فہیمات ہیہات ساعی البین فللا رخ قل " بالمساعی ظفر "

۷۱۳ ۱۱۸۰۰

۱۳۹۴ھ

وہ دور ہو گئے وہ پاکستان کی بنا کی کوشش کرنے والے تم تو تاریخ کیلئے کہہ دو کہ کوششوں میں تو کامیاب ہو گئے

ظفر احمد الجید فی کل علم مولانا ظفر احمد جوہر علم میں بڑے ماہر تھے  
لقد سافر الیوم عن غیر مثل آج بغیر کسی مثل کے چھوڑے سفر کئے۔  
وكان اجتہادہ فی الفہوم اور معارف و مطالب میں اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے  
فللا رخ قالوا " غزین العلوم " قدین کے لئے لوگوں  
۱۲۱۴ ۱۶۴  
۱۳۹۴ھ

نے کہدیا بت ہی علوم والے تھے

کرد مولانا ظفر احمد وفات سال رحلت چون زہانت خواستم  
فیض ہا کہ بود ازل بوجد نماند گفت او " ہائے ظفر احمد نماند  
۱۲۵ ۵۲ ۱۱۸۰ ۱۶  
۱۳۹۴ھ

ظفر احمد شیخ علم و معارف کجا فیض ظاہر کجا فیض باطن  
چرا رفتی و بیچ با ما ننگفتی بتاریخ گفتم " رخ از ما نہفتی  
۵۲۵ ۴۹ ۸۰  
۱۳۹۴ھ

( د البلاغ دیب الاول ۱۳۹۵ھ )

## قطعہ تاریخ

(اُردو)

زلزلہ سا عالم علمی میں کیوں برپا ہے آج  
 فاضلان دھر کیوں تیران و شمسد ہو گئے  
 ایک تاریکی سی کسی چھاگئی آفاق پر !  
 آہ ! مولانا ظفر احمد رئیس کاررواں  
 عالم باقی و دائم کی طرف ہو کر رواں  
 اب کہاں وہ فیض علمی اور کہاں اصلاح حال  
 مرکزی جمعیت اسلام کے صدر جلیل  
 خانقاہ اثرنی کے مفتی عزت مآب  
 ہندوستان اور بنگال میں درس حدیث  
 خط کتابت زمین سے آسمان تک کا عروج  
 سینکڑوں ادارہ گرد ملک اور اوباش قوم !  
 دور رہا ہے ٹنڈوالہیار کا دارالعلوم  
 علم کے گہرے سمندر جس کی موجیں ہر طرف  
 ایک اعلا السنن اٹھارہ جلدوں کی کتاب  
 پھر ثبوت آیات کا دو منتریں قرآن کی  
 ان کتابوں کی ضرورت سب کو یہی صدیق تھی  
 پھر بہت ہیں رسائل اردو عربی دین

لہزہ بر اندام کیوں ہوتی ہے ساری کائنات  
 اٹھ کے کیوں آنکھوں سے دریا آج اڑ گیا ہے بات  
 کس دلی اللہ نے ماری ہے اس دنیا پر لات  
 علم کے کوہ بلند اور زہد کے شبلی صفات  
 چھوڑ بیٹھے ہیں ہمیشہ کو جہان بے ثبات  
 اب کہاں و جامع شریع و طریقت نیک ذات  
 روح اسلامی سیاست مرکز اسلامیات  
 صاحب تصنیف و تالیف عجائب نادرات  
 تربیت روحی میں چاندی فیض کے دجلہ فرات  
 انقلاب روح کے غامن تھے جنکے نامہ جات  
 بن گئے برکت سے جن کی صالحین و صالحات  
 آہ وہ شیخ الحدیث و مفتی و شیخ بنجات  
 گوہر افشاں کشت پرور باعث سبز بنات  
 مذہب احسان کی جملہ احادیث و نکات  
 دفتر ”احکام قرآن“ رد جملہ واهیات  
 کرنہ پایا کوئی لیکن اب تک ان پر التفات  
 نظم عربی کی بلاغت رشک موزاد و ہرات

شرفِ پاکستان کے پرچم کشائے اولین  
 زہد و بے لوثی کا یہ عالم کہ شہر سے الگ  
 صبر کی تلقین اب کس کس ہو کس کس کو ہو  
 شمس عالم ظاہر و باطن چلے گیا غروب  
 ہادی عالم ظفر احمد کا لاؤ تو مثیل -

صاحبِ فتح و ظفر سلہٹ میں دیکھ سکوات  
 مہری عہدوں و ظیفوں کی نہ جاگیروں کی بات  
 ہر مسلمان کے جگر پر زخم کا دی ہے وفات  
 روز روشن بخت کا اب بن گیا تاریک ات  
 مفتخر سید سے ہو کیسے شرف کا القات

۵۸۰  
 ۱۲۹۲ھ

۵۸۰  
 ۱۹۷۴ء

۵۸۰  
 ۱۹۷۴ء

اے! کیا دن تھے کہ جب تھا موجزن دریا مئے فیض  
 آمد دنیا فضل عید تھا دور حیات  
 فیض ظاہر فیض باطن جب ہے دونوں سے قعود  
 "شہر ذیقعدہ" مہینہ بن گیا سال وفات

۱۔ یعنی اس پر لفظ میل لاؤ، مثیل ہادی عالم ظفر احمد، کہی تو دوسری تاریخ عیسوی  
 بن جائے۔ ایسے ہی سید مفتخر بہ "شرف کا القات کہ"، مشرف مفتخر سیدی کہو  
 تو عیسوی تاریخ ہو جائے۔

۲۔ بمعنی احسان یہ سال ولادت دنیا میں آنے کا سال ہے۔ ۱۳۱۰ھ اور عید (۴ سال)  
 زندگی ہے۔

۳۔ بیٹھ دہنا، کام بند کر دینا جو وفات سے بند ہوا۔  
 ۴۔ وفات کا مہینہ اس لیے سال وفات بن گیا۔

از مولانا انیس احمد صدیقی "قمر الحکمت" افتخار بلندنگ جو پُرچی لاہور

## تاریخ وفات

حق سے واصل ہوا، شیخ رُخصت ہوا  
عاقبت خیر ہو، سال رحلت ہوا

۱۳۹۲ھ

از مولانا محمد احمد صاحب تھانوی مہتمم مدرسہ اشرفیہ سکر

"علامہ مولوی ظفر احمدؒ از اولیاء بود" (۱۹۶۴ء)  
"سَلَامٌ عَلَیْکُمْ طِبْتُمْ اَدْخَلْتُمْ" (۱۳۹۴ھ) (از البلاغ)

## دیگر

آہ بیداد اجل نے کر دیئے بے سرو پا  
عقل و بصیر، مجھ و فقر، درس و نظر  
۹۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۲۰۰ ۹۰۰

۱۳۹۲ھ

از جناب ماسٹر عبدالرحمن صاحب ابرہہ سہی وال سرگودھا

مولانا ظفر احمد عثمانی مرحومؒ

افسوس ہے کہ حائِی سُنّت چلا گیا	اسلام کا وہ شیخ طریقت چلا گیا
غمناک کل فضا ہے زمانہ ادا اس ہے	اک آفتاب راہ ہدایت چلا گیا
اشرف کا جانشین اور قائد کا ہم نوا	وہ دوست دار قائد ملت چلا گیا
شبیرؒ اور خلیلؒ وہ دونوں کا ہم جلس	علمہ سرشت نیک جبلت چلا گیا
امت کا خیر خواہ وہ ملت کا دروند	وہ راز دارِ حلم و شرافت چلا گیا
تربت پہ ابرہہ کی ہزاروں ہوں جتیں	افسوس! پاسبانِ شریعت چلا گیا

قصّہ بالخیر

